تذکرۃ المحدثین

(جلد دوم)

اس میں چوتھی صدی ہجری کے نصف آخر سے آٹھویں صدی ہجری کے اکثر مشہور اور
صاحب تصنیف محدثینِ کرام کے حالات و سوانح اور اُن کی خدمات کی تفصیل بیان کی گئی ہے

DATA ENTERED

مرتبہ

ضیاءالدین اصلاحی

نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد

راولپنڈی ـــ لاہور ـــ ملتان ـــ کراچی ـــ سکھر ـــ پشاور ـــ کوئٹہ

Marfat.com

(جملہ حقوق محفوظ)

یہ کتاب نیشنل بک فاؤنڈیشن، پاکستان نے دارالمصنفین
اعظم گڑھ سے پاکستان کے لئے جملہ حقوق حاصل کرکے شائع کی

طبع اول : ۱۹۸۷ء ایک ہزار
کوڈ نمبر : ڈی ایم آر پی / آئی / ۱۵۵ / ۱۰۰۰

مطبع : گرین وے پرنٹرز لاہور

Marfat.com

ج

فہرست اسمائے محدثین

تذکرۃ المحدثین

(حصہ دوم)

نمبر شمار	نام	صفحہ	نمبر شمار	نام	صفحہ
	دیباچہ: سید صباح الدین عبدالرحمٰن	ک	۱۴	امام ابوالقاسم تمام رازی	
۱	تمہید	ح	۱۵	امام ابوبکر بن مردویہ اکبیر اصبہانی	۱۹۳
۲	امام عبدالباقی بن قانع	۱			
۳	امام سعید بن السکن	۶	۱۶	امام ابوبکر احمد بن محمد برقانی خوارزمی	۱۹۴
۴	امام ابوبکر شافعی	۹			
۵	امام ابن حبان	۱۲	۱۷	امام ابونعیم اصبہانی	۱۹۹
۶	امام ابوبکر آجری	۳۸	۱۸	امام ابو محمد حسن خلال	۲۰۹
۷	امام ابوالقاسم طبرانی	۴۲	۱۹	امام ابوعبداللہ قضاعی	۲۱۱
۸	امام ابوعمرو بن نجید	۵۹	۲۰	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	۲۱۵
۹	امام ابوبکر اسماعیلی	۶۵	۲۱	امام ابن عبدالبر قرطبی	۲۳۷
۱۰	امام دارقطنی	۷۱	۲۲	امام ابوبکر خطیب بغدادی	۲۵۹
۱۱	امام ابوسلیمان حمد خطابی	۱۰۸	۲۳	امام ابوعبداللہ محمد بن ابونصر فتوح حمیدی	۲۹۵
۱۲	امام ابن جمیع	۱۱۶	۲۴	حافظ شیرویہ بن شہردار دیلمی	۳۰۵
۱۳	امام ابوعبداللہ حاکم	۱۱۹	۲۵	امام ابومحمد حسین فرا بغوی	۳۱۰

نمبر شمار	نام	صفحہ	نمبر شمار	نام	صفحہ
۲۶	امام ابوالحسن رزین بن معاویہ عبدری سرقسطی	۳۲۵	۳۰	امام ضیاء مقدسی	۳۶۴
۲۷	امام ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی	۳۲۷	۳۱	امام نووی	۳۶۹
۲۸	قاضی عیاض	۳۳۸	۳۲	امام ابومحمد عبدالمومن دمیاطی	۳۹۲
۲۹	امام ابوالسعادات مبارک بن اثیر جزری	۳۵۰	۳۳	امام ولی الدین خطیب تبریزی	۴۰۳
			۳۴	امام جمال الدین زیلعی	۴۱۵

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَام
عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ مُحَمَّدِ الْاَمِيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْن۔

صاحب تصانیف محدثین کرام کے حالات میں ایک کتاب کی تالیف عرصہ سے دارالمصنفین کے پیش نظر تھی، حضرت الاستاذ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں دوسرے ضروری کاموں کی وجہ سے اس کا موقع نہ ملا، ان کے لائق جانشین مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم نے یہ خدمت مولوی ضیاء الدین اصلاحی کے ذمہ کی، اس کی پہلی جلد ان کی رہنمائی میں شائع ہوئی، اس میں ان کا فاضلانہ مقدمہ بھی شامل ہے، دوسری جلد کا بھی زیادہ حصہ ان کی زندگی میں مرتب کیا جا چکا تھا، اور انھوں نے اس کے بعض حصے معارف میں شائع بھی کئے تھے، اب جب کہ یہ جلد چھپ رہی ہے تو ان کی یاد برابر آرہی ہے، یقیناً اس کی اشاعت سے وہ بہت خوش ہوتے۔

پہلے خیال تھا کہ دو جلدوں میں یہ سلسلہ مکمل ہو جائے گا، لیکن دوسری جلد کے بعد بھی کئی ممتاز محدثین کے تذکرے رہ گئے، اور اب اندازہ ہے کہ تین جلدوں میں یہ مکمل ہوگا، اور مزید ایک اور جلد ہندوستان کے محدثین کے لئے مخصوص کرنی ہوگی۔ قدردانوں کا اصرار ہے کہ پہلے یہی جلد مرتب کی جائے، ان کی خواہش کے مطابق آئندہ پہلے ہندوستانی محدثین سے متعلق جلد کی تالیف عمل میں آئے گی، اس کے بعد انشاء اللہ دیگر ممالک کے محدثین کے متعلق تیسری جلد شائع ہوگی۔

سلسلۂ مطبوعات میں ایک اچھی اور قابل قدر تصنیف کا اضافہ ہوا ہے، ناظرین دعا کریں کہ مرتب کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی اتباع کی بیش از بیش توفیق نصیب ہو، آمین۔

سید صباح الدین عبد الرحمن
دار المصنفین اعظم گڈھ
۷ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ - ۲۶ فروری ۱۹۷۷ء

Marfat.com

اس جلد میں چوتھی صدی سے آٹھویں صدی کی ابتدا تک کے صاحب تصانیف محدثین کے حالات تحریر کئے گئے ہیں، حدیث کی جمع و تدوین کی تاریخ میں تیسری صدی ہجری کو زریں عہد سمجھا جاتا ہے، صحاح ستہ کے مصنفین اسی دور میں گزرتے ہیں، لیکن اس کے بعد کی صدیاں بھی صاحب کمال محدثین سے خالی نہیں ہیں، حدیث کے بڑے بڑے شارحین ان ہی صدیوں میں پیدا ہوئے، ان کے اہم کارنامے فن حدیث کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے، اس جلد میں ان میں سے اکثر کے تذکرے اور ان کی خدمات کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

اس میں جن محدثین کا ذکر ہے، ان کے زمانے میں عقائد و احکام کی بنیاد پر مسلمانوں میں متعدد فرقے پیدا ہو گئے تھے، محدثین عموماً اہلسنت والجماعت کے ہمنوا تھے۔ وہ کوئی ایسی بات انگیز کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے جو بظاہر کتاب و سنت کے خلاف ہوتی، اس سلسلہ میں بعض کے یہاں شدت پسندی بھی آگئی تھی، جو نیک نیتی اور حق پسندی ہی کا نتیجہ تھی لیکن اس کی وجہ سے ان کو مخالفتوں اور آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اور اعتراضات کا نشانہ بھی بننا پڑا، ان اعتراضات سے کہیں کہیں سرسری گزر جانا ممکن نہ تھا، لیکن ان کے بارے میں جو کچھ تحقیق سے درست معلوم ہوا ہے وہی لائق مرتب نے پیش کیا ہے۔ اور جانبداری سے پرہیز کیا ہے۔

کاپی اور پروف کی تصحیح پر پوری توجہ صرف کی گئی ہے، مگر اس کے بعد بھی کہیں کہیں غلطیاں رہ گئی ہیں، جن کی ناظرین اپنے ذوق سے خود تصحیح کر سکتے ہیں، اس کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ ہر محدث کے حالات نئے صفحے سے شروع کئے جائیں مگر ایک جگہ آگے کے صفحات پہلے چھپ جانے کی وجہ سے اس کا التزام نہیں ہو سکا اور مجبوراً یہ خامی انگیز کرنی پڑی۔ لائق مرتب نے جس محنت و کاوش اور سلیقہ سے یہ کتاب مرتب کی ہے اسے پڑھ کر ناظرین ضرور محظوظ ہوں گے۔ اس کی اشاعت سے دارالمصنفین کے

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

تمہید

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اقوال وافعال اور آپ کے واقعات وحالات زندگی کو ضبط و تحریر میں لانے کا کام محدثین نے انجام دیا ہے۔ انھوں نے اپنی عمریں اسی کام کے لئے وقف کر دیں اور نہایت محنت و کاوش، تحقیق اور صحت کے ساتھ حدیثوں کی تحریر و تدوین بھی کی، اور پوری چھان بین سے راویوں کے حالات بھی جمع کئے، جس کی بدولت اسماء الرجال کا عظیم الشان فن تیار ہوا۔ جو مسلمانوں کا بڑا قابل فخر کارنامہ ہے۔

اس زمانہ کے مجتہدین دین ومذہب کی بندشوں سے آزادی حاصل کرنے کے لئے حدیث کے سارے ذخیرہ کو مشکوک اور ناقابل اعتبار قرار دے رہے ہیں۔ اس بنا پر محدثین کرامؒ کے حالات میں ایک مستند کتاب کی تالیف عرصہ سے دارالمصنفین کے پیش نظر تھی، الحمد للہ کہ اس کی پہلی جلد چند سال پہلے اور دوسری جلد اب شائع ہو رہی ہے۔ اس میں چوتھی صدی سے آٹھویں صدی ہجری تک کے ارباب کمال محدثین کے حالات اور کارنامے تحریر کئے گئے ہیں، اس سے اندازہ ہوگا کہ اس مقدس جماعت نے کس جانکاہ محنت سے اور کتنی تحقیق واحتیاط کے ساتھ حدیثوں کو جمع ومرتب کیا۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو مفید ومقبول بنائے، "آمین"

ضیاء الدین ۔ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

امام عبدالباقی بن قانع

متوفی سنہ ۳۵۱ھ

نام ونسب عبدالباقی نام، ابوالحسین کنیت اور نسب نامہ یہ ہے۔ عبدالباقی بن قانع بن مرزوق ابن واثق۔[1]

ولادت خاندان اور وطن خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ وہ ۲۵ ذوقعدہ سنہ ۲۶۵ھ کو پیدا ہوئے، دوسرے مورخین نے بھی یہی سنہ تحریر کیا ہے۔ مگر ایک روایت سنہ ۲۶۶ھ کی بھی ہے۔[2]

امام ابن قانع بنوامیہ کے موالی میں تھے۔ اور بغداد ان کا وطن تھا، اس لئے اموی اور بغدادی کہلاتے تھے۔[3]

اساتذہ ان کو جن اصحاب کمال اور ائمہ حدیث سے شرف تلمذ حاصل تھا ان کے نام یہ ہیں ابراہیم بن احمد وکیعی، ابراہیم بن اسحٰق حربی، ابراہیم بن ہیثم بلدی، احمد بن اسحٰق وزان، احمد بن علی خراز، احمد بن یحییٰ حلوانی، اسحٰق بن حسن حربی، اسماعیل بن فضل بلخی، حارث بن ابی اسامہ، حسن بن

۱؎ تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۸۸ و تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۹ و لسان المیزان ج ۳ ص ۳۸۳ و تذکرۃ الحفاظ ج ۳

۲؎ ص ۹۹ و تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۸۹

Marfat.com

عباس رازی، محمد بن مسلم واسطی، عبید بن شریک بزار، علی بن محمد بن ابی الشوارب وغیرہ۔

تلامذہ ان کے چند ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں۔
ابوالحسن بن رزقویہ، ابوالحسن دارقطنی، ابوالحسین بن فضل قطان، احمد بن علی بادی، ابوعلی بن شاذان، ابوالقاسم بن بشران، عبدالعزیز بن محمد بن شبان اور مرزبانی وغیرہ۔[1]

رحلت وسفر طلب علم کے لئے ان کے سفر کی تفصیلات تو معلوم نہیں ہوسکیں لیکن علامہ ذہبی لکھتے ہیں، وکان واسع الرحلة ، کثیرالاسفار تھے، اور شاہ عبدالعزیز صاحب بیان ہے۔ "درحلت بسیار کردہ"[2]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے متعدد مقامات کے علمی سفر کئے تھے،

حفظ وثقاہت امام ابن قانع بغداد کے مشہور حفاظ حدیث میں سے تھے، کثیرالحفظ ہونے کی وجہ سے الحافظان کا لقب پڑگیا تھا، عام علمائے فن سے ان کی توثیق بھی منقول ہے، ابن ناصرالدین فرماتے ہیں کہ علمار کی ایک جماعت سے ان کی توثیق منقول ہے، حافظ ابن کثیر کا بیان ہے کہ وہ حافظ، ثقہ اور امین تھے، علامہ خطیب کا بیان ہے کہ ہمارے عام اساتذہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، ابن جوزی، علامہ ذہبی اور دوسرے علماء نے بھی انکی ثقاہت کا تذکرہ کیا ہے۔[3]

حدیث میں درجہ وہ بڑے نامور علما اور مشہور حفاظ حدیث میں شمار کئے جاتے تھے، اس فن میں ان کی عظمت اور بلند پایگی کا اندازہ علامہ ذہبی کے اس بیان سے ہوتا ہے کہ ابن قانع کثیرالحدیث تھے،

روایت کی طرح درایت میں بھی امتیاز رکھتے تھے، خطیب لکھتے ہیں کہ وہ اہل علم اور اصحاب فہم ودرایت میں تھے۔[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و تاریخ بغداد ج ۱۱ [2] تذکرہ ج ۳ و بستان المحدثین [3] حوالۂ مذکور [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و تاریخ بغداد ج ۱۱

Marfat.com

رجال حدیث کی طرح رجال پر بھی ان کی اچھی نظر تھی۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں ان کے اقوال درج ہیں۔

فقہ و قضا فقہ میں بھی ان کا درجہ بلند تھا، اسی لئے قضا کے منصب پر فائز کئے گئے۔ احکام و مسائل میں ان کی وسعت نظر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ابوبکر جصاص رازی نے اپنی کتاب احکام القرآن میں ان سے بیشمار روائتیں نقل کی ہیں[1]

مذہب و مسلک مسلکاً حنفی تھے اور ان کا شمار فقہائے حنفیہ میں ہوتا ہے، حافظ ابن حجر نے بھی ان کے حنفی اور اصحاب رائے میں ہونے کا ذکر کیا ہے، اور عبدالقادر قرشی اور صاحب تاج التراجم نے ان کا طبقات الحنفیہ میں ذکر کیا ہے[2]

وفات ۸۶ سال کی عمر میں اپنے وطن بغداد میں ۷ شوال ۳۵۱ھ کو انتقال کیا، ابن ماکولا نے ۳۵۴ھ کی روایت کی ہے مگر حافظ ابن حجر نے اس کی تضعیف کی ہے[3] ان کے ازواج و اولاد اور دیگر اہل خاندان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے عبدالقادر قرشی نے الجواہر میں ان کے ایک بھائی احمد کا ذکر کیا ہے، جو نامور قاضی، ممتاز فقیہ اور علم الفرائض کے ماہر تھے

تصنیفات حافظ ابن قانع بڑے صاحب علم تھے، اس کا ثبوت ان کی متعدد تصنیفات ہیں، مورخین نے ان کو کئی کتابوں کا مصنف بتایا ہے۔ لیکن ان میں سے صرف ایک کا نام معلوم ہو سکا اور یہ معجم الصحابہ ہے، جو حدیث کی مشہور اور اہم کتابوں میں سے ہے۔ حافظ ابن حجر نے مجمع المؤسس[4] میں اور دوسرے علمائے سیر و تراجم نے بھی اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے حافظ ذہبی اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس کی ایک روایت نقل کی ہے جو یہ ہے۔

عن کعب بن عیاض قال قال ‏ ‏ ‏ ‏ کعب بن عیاض سے روایت ہے کہ رسول اللہ

---

[1] الجواہر المضیئہ ج ۱ [2] ایضاً و تاج التراجم فی طبقات الحنفیہ و لسان المیزان ق ۳ [3] لسان المیزان ج ۳ [4] کشف الظنون ج ۲

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر امت کے لئے ایک
لکل امۃ فتنۃ و فتنۃ امتی نہ ایک چیز موجب فتنہ ہوتی ہے اور میری
المال[۱] امت کے لئے مال باعث فتنہ ہے

مشہور فقیہ ابو یعلی صدفی نے اس معجم کی ان حدیثوں کی جو وہم تصحیف پر مشتمل ہیں وضاحت کے لئے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام الاعلام والتعریف مما لابن قانع فی معجمہ من الاوھام والتصحیف تھا[۲]

غالباً انھوں نے "رجال" پر بھی کوئی کتاب لکھی تھی کیونکہ "رجال" کی تمام معتبر کتابوں میں ان کے اقوال ملتے ہیں۔

ابن قانع پر بعض اعتراضات

عام علمائے فن نے ان کی توثیق کی ہے۔ لیکن بعض علماء نے ان پر اعتراضات بھی کئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ ان کے مشہور شاگرد امام دارقطنی کا بیان ہے کہ ان کا حافظہ اگرچہ نہایت عمدہ تھا لیکن وہ خطا بھی کرتے تھے اور بعض روایتوں میں ان سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ خطا پر اصرار کرتے تھے۔ مشہور محدث برقانی کا بیان ہے کہ اہل بغداد ان کو ثقہ بتاتے ہیں لیکن میرے نزدیک وہ ضعیف ہیں۔

۲۔ علامہ ابن حزم نے ان کو منکر الحدیث کہا ہے اور لکھا ہے کہ عام محدثین نے ان سے روایت کرنے میں بالکل احتراز کیا ہے۔ اور ابن فتحون سے منقول ہے کہ حفاظ حدیث میں ان سے زیادہ کثیر الاوہام اور منکر المتون شخص میں نے نہیں دیکھا، مگر اس کے باوجود جلیل القدر اشخاص نے ان سے روایت کی ہے اور ان کے حافظہ کی تعریف کی ہے مثلاً امام دارقطنی وغیرہ مگر یہ دونوں اعتراضات مطلقاً صحیح نہیں ہیں اصل حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ خطیب نے ابوالحسن بن فرات سے نقل کیا

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و دیباجہ انساب المحدثین [۲] لسان المیزان ج ۳

Marfat.com

ہے کہ وفات سے دو سال پہلے وہ سوءِ حفظ اور اختلالِ عقل کے عوارض میں مبتلا ہو گئے تھے، اس لئے ہم لوگوں نے ان سے سماع و روایت کا سلسلہ موقوف کر دیا تھا۔ لیکن بعض لوگوں نے اس وقت اس حالت میں بھی ان سے سماع جاری رکھا۔ خطیب برقانی کے اعتراض پر حیرت ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ برقانی کی تضعیف کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ ابن قانع اصحاب علم و فہم و درایت میں تھے اور ہمارے عام شیوخ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، البتہ آخر عمر میں وہ اختلال اور نسیان کے عوارض میں مبتلا ہو گئے تھے۔

علامہ ابن حزم کا اعتراض ناواقفیت کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا بھی وہی جواب ہے جو پہلے گذر چکا۔ حافظ ابن حجر نے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ آخر عمر میں اختلال میں مبتلا ہو گئے تھے اس لئے لوگوں نے ان سے روایت کرنا ترک کر دیا تھا[1]

ان تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ ابن قانع کی ثقاہت مسلم ہے۔ البتہ آخر عمر میں بعض عوارض میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے علمائے فن نے ان سے اس وقت روایت کرنے میں احتیاط برتی ہے۔

حافظ ابن جوزی کا بیان ہے۔

وکان من اہل العلم والفہم	وہ اگرچہ صاحب علم و فہم اور ثقہ تھے لیکن
والثقۃ غیر انہ تغیر فی آخر عمرہ[2]	آخر عمر میں مختل ہو گئے تھے۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۱ و میزان الاعتدال ج ۲ و تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و لسان المیزان ج ۳ [2] المنتظم ج ۷

امام سعید بن السکن

(متوفی سنہ ۳۵۳ھ)

نام و نسب سعید نام، ابو علی کنیت اور نسب نامہ حسب ذیل ہے۔ سعید بن عثمان بن سعید بن السکن اپنے جد اعلیٰ کی نسبت سے ابن السکن کہلاتے ہیں اور اسی نام سے مشہور ہیں۔

ولادت و وطن سنہ ۲۹۴ھ ان کا سنہ ولادت ہے اصلی وطن بغداد تھا، لیکن مصر میں سکونت اختیار کرلی تھی[1]، اسی لئے بغدادی اور مصری دونوں نسبتوں سے مشہور ہیں خاندانی حالات معلوم نہیں ہوسکے۔

اساتذہ و شیوخ ان کے جن شیوخ کا نام معلوم ہوسکا وہ یہ ہیں۔
ابن جوصا، ابوعروبہ حرانی، ابوالقاسم البغوی، سعید بن عبدالعزیز حلبی محمد بن محمد بن بدر باہلی اور محمد بن یوسف فربری۔

تلامذہ بعض شاگردوں کے نام یہ ہیں۔
ابوجعفر بن عون، ابوعبداللہ بن مندہ، عبداللہ بن محمد بن اسد قرطبی، عبدالغنی بن سعید علی بن محمد دقاق، ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن مفرج[2]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ [2] ایضاً و حسن المحاضرہ ج [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۳

طلب علم کے لئے سفر علم کی تحصیل اور احادیث کی طلب کے لئے اس زمانہ کے مشہور مراکز حدیث کا سفر کیا علامہ ذہبی نے العبر میں عراق، شام، جزیرہ، خراسان اور ماوراء النہر کے علماء سے اور تذکرہ میں جیحون سے فرات تک کے ارباب کمال سے استفادہ کا ذکر کیا ہے۔[1]

حفظ و ثقاہت امام ابن السکن کا مشہور حفاظ اور معتبر محدثین میں شمار ہوتا ہے، مورخین نے ان کو الحافظ اور الحافظ الکبیر لکھا ہے اور ان کی عدالت و ثقاہت پر بھی اتفاق ہے۔ ابن عماد نے ثقہ وحجت اور سیوطی نے الحافظ الحجۃ لکھا ہے۔[2]

حدیث میں درجہ علامہ سیوطی نے مصر کے اعلیٰ طبقہ کے محدثین اور نقادان فن میں ان کا تذکرہ کیا ہے، کہ ابن السکن نے فن حدیث کی جانب خاص توجہ کی اس میں کتابیں لکھی اور حدیثیں جمع کیں، ان کی حدیث میں بصیرت اور ژرف نگاہی کا یہ حال تھا کہ اکثر علماء اس باب میں ان کی جانب رجوع کرتے اور ان کی رایوں پر پورا اعتماد کرتے۔ ایک دفعہ کچھ محدثین ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہمارے سامنے حدیث کی بہت سی کتابیں آگئی ہیں، آپ ان میں سے چند ایسی کتابوں کی نشاندہی کردیں جن پر ہم اکتفا کرسکیں، وہ یہ سن کر گھر میں داخل ہوئے اور کتابوں کے چار بستے لاکر تلے اوپر رکھدیئے پھر فرمایا۔

هذه قواعد الاسلام كتاب مسلم وكتاب البخاري وكتاب ابي داؤد وكتاب النسائي[3]

یہ اسلام کی بنیادیں ہیں یعنی صحیح مسلم، صحیح بخاری، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی۔

امامت و شہرت اپنے کمالات اور عظمت کی وجہ سے ان کا شمار ائمہ میں ہوتا ہے، علامہ ذہبی نے العبر میں احد الائمہ لکھا ہے، اور تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ ان کی شہرت

---

[1] تذکرہ العبر ج ۲ [2] شذرات الذہب ج ۲ حسن المحاضرۃ ج ۱ [3] شروط الائمۃ الستۃ ص ۸

Marfat.com

کا دور دور چرچا تھا، ان کی کتاب الصحیح المنتقیٰ اندلس میں پہنچ چکی تھی[1]

وفات ۵۹ سال کی عمر میں محرم ۲۵۳ھ میں انتقال کیا[2]

تصنیفات اہل سیر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے متعدد کتابیں لکھی تھیں جو معدوم ہیں صرف دو کتابوں کے نام معلوم ہو سکے (۱) مصنف۔ اسکا صاحب کشف الظنون اور صاحب تحفۃ الاحوذی نے ذکر کیا ہے[3] مگر اور کسی قسم کی معلومات نہیں لکھی ہیں (۲) الصحیح المنتقیٰ۔ یہ احکامی احادیث وسنن کا مجموعہ ہے۔ گو اس کی سندیں مصنف نے حذف کر دی ہیں تاہم اس میں صحت کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے اسی لئے اس کا نام "منتقیٰ" رکھا ہے اور اپنے خیال میں انھوں نے صرف صحیح روایتیں ہی اس میں شامل کی تھیں۔ اور ضروری مسائل و احکام کے ابواب قائم کر کے ان کے تحت حدیثیں درج کی ہیں۔ اس کتاب کی حدیثوں کی تین نوعیتیں ہیں۔ میں نے اس کتاب میں جن حدیثوں کو مجملاً بیان کیا ہے یعنی ان کے صحت وسقم کی کوئی تشریح نہیں کی ہے وہ بالاتفاق صحیح ہیں۔ دوسرے نمبر پر ایسی حدیثیں ہیں جو کسی نہ کسی امام کی مختار و معمول بہا ہیں لیکن بعض ایسی حدیثیں بھی نقل کی ہیں جن کے ناقلین ان کی روایت میں منفرد ہیں مگر میں نے اس کی علت اور راوی کے انفراد کا ذکر کر دیا ہے[4]۔ ابن حزم کا بیان ہے کہ صحیحین کے بعد اسی کتاب کا درجہ ہے۔ (تدریب)

---

[1] العبر ج ۲ و تذکرۃ الحفاظ ج ۳ [2] العبر ج ۲ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ [3] کشف الظنون ج ۲ و مقدمہ تحفۃ الاحوذی [4] الرسالۃ المستطرفہ بحوالہ شفاء السقام سبکی۔

امام ابوبکر شافعیؒ

(متوفی ۳۵۴ھ)

نام ونسب محمد نام، ابوبکر کنیت اور بزار لقب تھا۔ نسب نامہ حسب ذیل ہے:۔
محمد بن عبداللہ بن ابراہیم بن عبدویہ [1]

ولادت ووطن امام ابوبکر شافعی کی ولادت ۲۶۰ھ میں واسط کے قریب ایک مقام جبل (جبل) میں ہوئی لیکن انھوں نے بغداد میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی، اسی لئے بغدادی کی نسبت سے مشہور ہیں، علمائے سیر اسی بنا پر ان کو محدثین عراق میں لکھتے ہیں [2]

اساتذہ ان کے مشہور شیوخ کے نام یہ ہیں:۔
ابوبکر بن ابی الدنیا۔ ابوقلابہ رقاشی، قاضی اسماعیل، عبداللہ بن روح مدائنی، محمد بن بشر سمری، محمد بن شداد مسمعی محمد بن فرج ازرق اور موسیٰ بن سہل وشاد۔

موسیٰ بن سہل وشاد نے اسماعیل بن علیہ جیسے عظیم محدث سے اور محمد بن شداد مسمعی نے یحییٰ بن قطان سے اکتساب فیض کیا تھا۔[3]

تلامذہ ابوبکر کے حلقۂ فیض سے وابستہ لوگوں میں بعض کے اسماء حسب ذیل ہیں:۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و بستان المحدثین [2] ایضاً و کتاب الانساب [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۳

ابوعلی بن شاذان، احمد بن عبداللہ بن محاملی، امام دارقطنی، عبدالملک بن بشران، عمر بن شاہین، ابوالحسن محمد بن احمد، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حافظ اور ابوطالب محمد بن محمد بن ابراہیم بن غیلان[1]

حصول علم کے لئے سفر انھوں نے ۱۶ سال کی عمر میں ۲۷۶ھ میں حدیث کی تحصیل شروع کی اس کے بعد اس فن سے اس قدر اشتغال ہوا کہ متعدد مقامات کا سفر کیا، مصر و جزیرہ جانے کی تصریح ملتی ہے۔[2]

ضبط و ثقاہت محدثین اور علمائے فن نے ان کی توثیق کی ہے، حافظ ذہبی نے الامام الحجۃ المفید اور خطیب نے ثقہ و ثبت لکھا ہے، امام دارقطنی کا بیان ہے کہ وہ ثقہ و مامون تھے۔ علامہ معانی لکھتے ہیں کہ وہ ایسے ثقہ و مامون تھے جن کی نظر احادیث کے معاملہ میں کبھی نہیں چوکتی تھی، ان کے زمانہ میں ان سے زیادہ معتبر اور ثقہ آدمی کوئی نہیں تھا۔[3]

حدیث میں درجہ و مرتبہ حدیث میں ان کا درجہ و مرتبہ اتنا بلند تھا کہ امام دارقطنی نے ان کو جبل حدیث اور ذہبی نے امام و محدث عراق کہا ہے، علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ وہ حدیثوں کے عالم اور ان کی سندیں نہایت عالی ہوتی تھیں، علامہ سمعانی لکھتے ہیں۔

مارأیت لہ الا اصولا صحیحۃ متقنۃ[4] — میں نے ان کے اصول حدیث نہایت صحیح اور قوی پائے۔

مذہب و مسلک ان کے فقہی مذہب کی باقاعدہ تصریح نہیں ملتی لیکن شافعیت کی نسبت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شافعی رہے ہوں گے۔

کارنامہ امام ابوبکر بڑے صاحب عزیمت اور نہایت راسخ العقیدہ بزرگ تھے، ان کے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ [2] ایضاً و بستان المحدثین، [3] تذکرۃ ج ۳ العبر ج ۲ و کتاب الانساب و شذرات الذہب
[4] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ کامل ابن اثیر ج ۸ و کتاب الانساب

Marfat.com

زمانے میں شیعیت کا بڑا غلبہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ علی الاعلان صحابہ کے فضائل کی حدیثیں بیان کرتے تھے۔ علامہ ابن اثیر نے ۳۵۱ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ اہل دیلم نے لوگوں کو فضائل صحابہ بیان کرنے سے روک دیا اور جامع اعظم اور دوسری مسجدوں کے صدر دروازوں پر تبرا لکھوایا تو یہ اس وقت بھی علی الاعلان صحابہ کے فضائل بیان کرتے تھے، اور جامع اعظم در باب الشام میں حسبتہً للہ اس قسم کی روایات کا املا کراتے تھے[1]۔

وفات انھوں نے ۹۵ سال کی طویل عمر میں ذی الحجہ ۳۵۴ھ میں انتقال کیا۔

پیشہ ان کا ذریعہ معاش کپڑوں کی تجارت تھا، اسی لئے بزاز لقب پڑ گیا تھا[2]۔

تصنیفات مورخین نے ان کو صاحب تصانیف لکھا ہے۔ خطیب کا بیان ہے کہ ان کی تصنیفات نہایت عمدہ تھیں لیکن ان کے ایک ہی مجموعہ حدیث کا پتہ چلتا ہے جو فوائد ابو بکر یا غیلانیات اور اجزاء الغیلانیات کے نام سے مشہور ہے اس مجموعہ کو غیلانیات اس لئے کہا جاتا ہے، کہ امام ابو بکر کے مشہور شاگرد شیخ ابو طالب محمد بن محمد بن ابراہیم بن غیلان م ۴۴۰ھ نے اس کی ان سے روایت کی ہے، ان کے نام کی نسبت کی وجہ سے اس کو غیلانیات وغیرہ کہتے ہیں، یہ گیارہ[11] اجزاء پر مشتمل ہے، اس کی ترتیب ابواب وشیوخ پر ہے اور حدیث کی اعلیٰ واحسن کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ امام دار قطنی نے اس کی رباعیہ حدیثوں کی ایک مستقل رسالہ میں تخریج کی ہے۔ علامہ ذہبی اور شاہ عبد العزیز صاحب نے اس کی ایک ایک حدیث نقل کی ہے[3]۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ کامل ابن اثیر ج ۸، المنتظم ج ۷، البدایہ ج ۱۱۔ [2] تذکرہ ج ۳ العبر ج ۲ [3] بستان تذکرہ ج ۳ کشف الظنون ج ۲

Marfat.com

امام ابن حبان

(متوفی ۳۵۴ھ)

نام ونسب محمد نام، ابوحاتم کنیت اور ابن حبان لقب تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے۔
محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن معبد بن شہید بن ہدیہ بن مرۃ بن سعد بن یزید بن، مرۃ بن، زید بن عبد اللہ بن دارم بن حنظلہ بن مالک بن زید بن مناۃ بن تمیم[1]
نسب نامہ میں قدرے اختلاف منقول ہے۔

خاندان ابن حبان عربی النسل تھے جیسا کہ نسب نامہ سے ظاہر ہے، عرب کے مشہور قبیلہ تمیم کی شاخ دارم سے ان کا نسبی تعلق تھا، اسی لئے دارمی اور تمیمی کہلاتے ہیں۔

وطن نسبت کو ان کے مولد ہونے کا فخر حاصل ہے، یہ سیستان میں غزنین اور ہرات کے درمیان دریائے ہلمند کے کنارے واقع تھا، محب الدین خطیب کا بیان ہے کہ غالب گمان یہ ہے کہ ان کے آباؤ اجداد میں سے کوئی بزرگ مجاہدین اسلام کے اس دستہ میں شامل رہے ہوں گے جو پہلی صدی ہجری میں محمد بن قاسم ثقفی کی سرکردگی میں ہندوستان آیا تھا، اور ملتان کی فتح کے بعد انہی علاقوں میں آباد ہوگئے ہوں گے، انہی کی نسل سے محمد بن حبان نسبت میں پیدا ہوئے یہ اس زمانہ میں صوبہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳

سجستان (سیستان) کا ایک اہم، پُر رونق اور سرسبز و شاداب مقام سمجھا جاتا تھا، اور خرما اور انگور کی پیداوار کے لئے مشہور تھا، غالباً باغوں کی کثرت کی بنا پر اس کا نام بست پڑ گیا تھا. جو بوستان یا بستان کی بگڑی ہوئی شکل معلوم ہوتا ہے، یہ شہر اسلامی فتوحات سے پہلے اور اس کے بعد بھی کئی صدیوں تک یہ آباد رہا، یاقوت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن حبان کے بعد تقریباً تین صدیوں تک یہ آباد رہا مگر چھٹی صدی کے آخر یا ساتویں صدی کے شروع میں ویران ہو گیا، اس کی خاک سے متعدد نامور محدثین اور اکابر علما پیدا ہوئے، عربی کا مشہور ادیب و شاعر ابوالفتح بستی (متوفی ۴۰۱ھ) کا وطن یہی علاقہ ہے اور سنن ابی داؤد کے مشہور شارح اور عظیم محدث امام ابوسلیمان خطابی (م ۳۸۸ھ) کا تعلق بھی اسی مردم خیز سرزمین سے ہے[1] امام ابن حبان بست کے گل سرسبد تھے، ان سے اور امام خطابی سے زیادہ کوئی باکمال شخصیت یہاں نہیں پیدا ہوئی۔

ولادت مورخین نے ان کے سنہ ولادت کا ذکر نہیں کیا لیکن ذہبی کا بیان ہے کہ وفات (۳۵۴ھ) کے وقت ان کی عمر تقریباً اسی سال تھی[2] اس لحاظ سے لگ بھگ ۲۷۵ھ میں پیدا ہوئے ہوں گے۔

شیوخ و اساتذہ ابن حبان کے شیوخ کی تعداد بے شمار ہے، حافظ ذہبی اور علامہ ابن سبکی تحریر فرماتے ہیں۔

وامما لا یحصون من مصر الی خراسان۔ — مصر سے خراسان تک کے بے شمار لوگوں سے ابن حبان نے کسب فیض کیا۔

ان کا خود بیان ہے کہ

لعلنا قد کتبنا عن الفی شیخ ما بین الشاش والاسکندریة[3] — شاید ہم نے شاش و اسکندریہ کے درمیان کے دو ہزار بزرگوں سے حدیثیں لکھیں۔

---

[1] کتاب الانساب معجم البلدان ج ۲ خلافت مشرقی [2] العبر جلد ۲ [3] تذکرة الحفاظ ج ۳ و طبقات الشافعیہ ج ۲

Marfat.com

اگران کی مختلف علوم میں جامعیت اور رحلت وسفر کی کثرت کو مدنظر رکھا جائے تو اس بیا
میں کوئی مبالغہ نہ معلوم ہوگا۔

بعض مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں۔

ابوبکر بن خزیمہ۔ ابوخلیفہ حجی، ابوعبدالرحمٰن نسائی، ابویعلیٰ موصلی، احمد بن حسن صوفی، قاضی
ابواحمد اسحٰق بن ابراہیم بستی جعفر بن احمد دمشقی، حسن بن سفیان شیبانی، حسین بن ادریس ہروی ابویعلی
زکریا ساجی، عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن بن شیرویہ ازدی، ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز
بغوی، عمر بن محمد، عمران بن موسیٰ بن مجاشع، محمد بن ابراہیم خلدی ہروی، محمد بن اسحٰق بن ابراہیم
سراج ثقفی۔ ابوالحسن محمد بن عبداللہ بن جنید بستی، محمد بن عثمان بن سعد دارمی، محمد بن یحییٰ مدینی، محمد
یزید ودرقی، ابوعوانہ یعقوب بن اسحٰق وغیرہ۔

امام الائمہ ابوبکر بن خزیمہ سے غیر معمولی تعلق تھا، سفر یا حضر ہر وقت ان کے ساتھ رہتے
تھے، اور وہ جو کچھ فرماتے تھے اسے قلم بند کر لیتے تھے، فقہ، حدیث، اصول اور فرائض
وغیرہ کی ان ہی سے تعلیم حاصل کی تھی[۱]

تلامذہ ان کے تلامذہ کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی، چند مشہور شاگردوں کے نام ملاحظہ ہوں
ابوعبداللہ حاکم، ابوعبداللہ بن مندہ اصبہانی، جعفر بن شعیب بن محمد سمرقندی، حسن
بن منصور، ابوعبداللہ محمد بن احمد غنجار بخاری، ابومعاذ عبدالرحمٰن محمد بن رزق اللہ سجستانی، محمد بن احمد
منصور بوقانی، ابوالحسن محمد بن احمد بن ہارون عبدون زوزنی ابوسلمہ محمد بن محمد بن داود شافعی، ابوعلی
منصور بن عبداللہ خالد ذہلی وغیرہ[۲]

طالب علم کے لئے سفر امام ابن حبان نے علم وفن کی تحصیل کے لئے متعدد اسلامی ملکوں کا
سفر کیا تھا، مورخین کا بیان ہے کہ انہوں نے شاس واسبیجاب (مشرقی

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ طبقات الشافعیہ ج ۲ [۲] ایضاً

Marfat.com

ترکستان، سے اسکندریہ دمصر، اور مصر سے خراسان تک کا چپہ چپہ چھان ڈالا تھا. علمائے سیر نے ان کے مرو، نیشاپور، اہواز، ابلہ، بصرہ، واسط، بغداد، کوفہ، مکہ، موصل، حلب، انطاکیہ حمص، بخارا، نسا، ماوراءالنہر، جرجان، عراق، حجاز، شام، مصراور جزیرہ جانے کی تصریح کی ہے اور لکھا ہے کہ ان میں سے بعض جگہ تو وہ متعدد بار تشریف لے گئے تھے۔[1]

حفظ و ثقاہت ان کو غیر معمولی ذکاوت اور بے نظیر حافظہ ملا تھا، ابوسعد ادریسی صاحب تاریخ سمرقند فرماتے ہیں کہ "وہ آثار و احادیث کے نامور حفاظ میں تھے"۔ حافظ ابن حجر نے ان کی غیر معمولی ذہانت اور قوت حافظہ کا اعتراف کیا ہے دوسرے اصحاب سیر و تراجم نے بھی ان کو الحافظ الجلیل اور احد الحفاظ الکبار وغیرہ لکھا ہے۔

ان کی ثقاہت پر بھی ائمۂ فن کا اتفاق ہے تمام مورخین نے خطیب کے حوالہ سے ان کو ثقہ و متقن لکھا ہے، علامہ ابن عماد حنبلی فرماتے ہیں کہ وہ حافظ ثابت اور امام حجت تھے[2]

حدیث میں بلند پایگی حدیث میں ان کو زیادہ امتیاز اور برتری حاصل تھی، اور وہ اس فن کے باکمال ائمہ میں شمار کئے جاتے ہیں، مورخین اور ارباب سیر نے ان کو حدیث میں بکثر اور معرفت حدیث میں امام قرار دیا ہے، متون و اسانید حدیث پر ان کی نظر وسیع اور گہری تھی، ماہرین فن کا بیان ہے کہ "وہ متون و اسانید کے عالم اور واقف کار تھے، حدیث میں ان کے کارنامے غیر معمولی ہیں، انھوں نے علوم حدیث کی حیرت انگیز خدمات انجام دی ہیں، حاکم فرماتے ہیں کہ "حدیث میں ان سے بے نظیر کتابیں یادگار ہیں[3]" حدیث میں ان کی مہارت اور ژرف نگاہی کا ثبوت یہ ہے کہ وہ جرح تعدیل کے امام تھے اور اس فن میں ان کی تصنیفات بڑی اہم خیال کی جاتی ہیں۔

---

[1] طبقات الشافعیہ ج ۲ ولسان، المیزان ج ۵ بستان المحدثین [2] ایضاً والبدایہ والنہایہ جلد ۱۱ شذرات الذہب ج ۲ [3] میزان الاعتدال ج ۲ الاعلام ج ۲

فقہ اپنے جامع کمالات استاذ امام ابن خزیمہ کی طرح وہ بھی فقہ و حدیث دونوں میں ممتاز اور انہی سے اس فن کی تکمیل و تحصیل کی تھی، علمائے سیر لکھتے ہیں کہ ابن حبان فقہ کے عارف تھے اور فقہائے دین میں ہیں" سمرقند والوں میں فقہی ذوق پیدا کرنا ان ہی کا کارنامہ حاکم کا بیان ہے کہ "وہ علم فقہ کا خزانہ تھے"[1]

دیگر علوم دینی علوم کی طرح وہ اس زمانہ کے مروجہ علوم اور جدید فنون سے بھی اچھی طرح واقف تھے، حاکم کا بیان ہے کہ لغت، عربیت نحو و ادب کے علاوہ فلسفہ و کلام، طب و نجوم اور جغرافیہ میں بھی دستگاہ رکھتے تھے، شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں:۔

سوائے علم حدیث علوم دیگر ہم داشت	وہ علم حدیث کے علاوہ دوسرے علوم میں
فقہ و لغت و طب و نجوم، فلک و ہندسہ	بھی درک رکھتے تھے۔ فقہ و لغت و طب
را نیک میدانست[2]	و نجوم فلکیات اور ہندسے سے خوب واقف تھے

جامعیت ان گوناگوں علوم سے واقفیت و معرفت ابن حبان کی جامعیت کا ثبوت ہے ادریسی کا بیان ہے، کہ "وہ متعدد علوم جامع تھے"۔ حاکم فرماتے ہیں کہ "وہ علوم و فنون کا خزانہ تھے"۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ "انھوں نے ہر ہر فن میں کتابیں لکھی تھیں، علمائے اسلام میں ایسے جامع کمالات لوگ کم گذرے ہیں جن کو اتنے گوناگوں اور متنوع علوم میں اسقدر رسوخ اور ایسی کمال حاصل رہی ہو۔ ان ہی کمالات اور جامعیت کی وجہ سے مورخین نے انھیں امام عصر، فاضل متقن العالم البحر اور العلامۃ المتبحر وغیرہ لکھا ہے[3]

فہم و فراست اللہ تعالٰی نے علم و فضل کی طرح ان کو فہم و فراست اور عقل و دانش سے بھی نوازا تھا، حاکم نے ان کو عقلائے رجال میں بتایا ہے، اور خطیب نے بھی ان کی فہم و فراست کا اعتراف کیا ہے[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ طبقات الشافعیہ جلد ۲ [2] ایضاً دبستان المحدثین [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ و لسان المیزان ج ۵ [4] تذکرۃ الحفاظ

Marfat.com

علم کا شوق و ذوق

ابن حبان کو علم و فن سے غیر معمولی شغف تھا، سفر کی زیادتی اسی دلچسپی کا نتیجہ تھی، وہ ابن خزیمہ کی خدمت میں رہ کر اپنی تشنگی علم بجھاتے تھے۔ علم سے تعلق اور دلچسپی کا یہ حال تھا کہ اپنے وطن بست میں ایک مدرسہ اور کتب خانہ قائم کیا تھا اور اپنی زندگی ہی میں اپنا مکان ان دونوں پر وقف کر دیا تھا، یہ مدرسہ اہل علم، محدثین اور فقہا سے معمور رہتا تھا، اور کتب خانہ کا نہایت معقول انتظام کیا گیا تھا اس کی نگرانی باقاعدہ ایک شخص کے متعلق کر دی گئی تھی؛ اس کی کشش لوگوں کو دور دراز سے یہاں کھینچ لاتی تھی۔ ان کو قیام اور کتب خانہ سے استفادہ اور کتابوں کے نقل کی پوری سہولت بہم پہنچائی جاتی تھی۔ کتابوں کی حفاظت کا بھی معقول انتظام تھا۔ چنانچہ کتب خانہ سے باہر کتابیں لے جانے کی کسی کو اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ اس مدرسہ اور کتب خانہ کا فیض ابن حبان کے بعد بھی رہا۔[1]

منصب قضا

دینی علوم میں بصیرت اور پختگی کی وجہ سے انھیں قضا کا منصب تفویض کیا گیا تھا، اور وہ ایک عرصہ تک سمرقند، نسا، نیشاپور اور خراسان کے بعض شہروں کے قاضی رہے۔[2]

مقبولیت و شہرت

ابن حبان کے علم و فضل اور جامعیت و کمال کی بنا پر چار دانگ عالم میں ان کی شہرت ہو گئی تھی۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ شہروں اور ملکوں میں ان کی غیر معمولی شہرت تھی، اور وہ بالاتفاق ائمہ امت میں شمار کئے جاتے تھے علامہ سمعانی نے ان کو امام العصر اور حافظ ذہبی نے ان کو ائمہ زمانہ میں منسوب کیا ہے۔ ان کی مقبولیت کا یہ حال تھا کہ جب سیر و سیاحت کے بعد اپنے وطن بست تشریف لائے تو ان کے گھر پر شائقین علم اور طالبین فیض کا اژدحام رہتا تھا۔ اور ان کی تصنیفات بڑے شوق و ذوق سے پڑھی اور سنی جاتی تھیں۔[3]

---

[1] لسان المیزان جلد ۵ [2] ایضاً و تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و کتاب الانساب [3] ایضاً

فقہی مسلک بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ شافعی المذہب تھے لیکن عام اصحاب طبقات وتراجم نے اس باب میں سکوت اختیار کیا ہے، اس سے گمان ہوتا ہے کہ وہ کسی خاص مسلک فقہ سے وابستہ نہ تھے، بلکہ اپنے استاد امام ابن … کی طرح تقلید کے بجائے تفقہ و اجتہاد سے کام لیتے رہے ہوں گے، حافظ ابن کثیر … بھی ان کو مجتہدین میں شمار کیا ہے[1]

جرح وتعدیل اوپر گذر چکا ہے کہ وہ حدیث کی طرح اس کے متعلق علوم کے بھی ما… تھے، جرح و تعدیل ان کا خاص موضوع تھا، اس میں انہوں نے کئی کتابیں لکھی تھیں۔

فکر وخیال میں جدت امام صاحب کے بعض افکار وخیالات میں بڑی جدت او… ندرت پائی جاتی ہے، اس قسم کی ایک عجیب اور دلچسپ را… ذیل میں تحریر کی جاتی ہے۔

حضرت انسؓ سے صوم وصال کی جو روایت منقول ہے، اس میں آپؐ کے اس ارشاد مبارک۔

انی لست کاحدکم انی اطعم واسقی۔ — میں تم لوگوں کی طرح نہیں ہوں مجھے خداوند کی طرف سے کھلایا پلایا جاتا ہے

کے متعلق ابن حبان صحیح میں لکھتے ہیں۔

"اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حدیثیں صحیح نہیں ہیں جن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھ لینے کا ذکر ہے، دراصل ان حدیثوں میں حجر (پتھر) کے بجائے حجزہ کا لفظ ہوگا جس کے معنی طرف الازار یعنی نیفہ ہے، کیونکہ جب اللہ تعالی مسلسل روزہ رکھنے کی صورت

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۱

Marfat.com

میں بھی اپنے رسول کو کھلاتا پلاتا تھا تو اس وقت بھلا کیسے وہ آپؐ کو بھوکا چھوڑ دیتا؟ جب آپؐ روزے سے نہیں ہوتے تھے، یہاں تک کہ آپؐ کو اپنے پیٹ پر پتھر رکھنا پڑتا تھا۔ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ بھوک میں پیٹ پر پتھر باندھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔"

علامہ ابن سبکی نے اس پر جو ایراد کیا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

"علامہ کا یہ قول محل نظر ہے، کیونکہ خود انھوں نے اپنی اسی کتاب میں چند ورق پہلے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے واسطہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپؐ نے ایک دفعہ فرمایا:

والذی نفسی بیدہ ما اخرجنی انا الجوع لہ	قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں بھی بھوک ہی کی وجہ سے نکلا ہوں۔

اسی طرح متعدد روایتوں میں آپؐ کی بھوک کا ذکر ہے۔ درحقیقت بھوک کو نقص اور عیب خیال کرنا ہی غلط ہے بلکہ اس سے نبی کے درجات کی بلندی کا پتہ چلتا ہے۔ ان حدیثوں اور وصال کی روایت میں تطبیق کی صورت بالکل واضح ہے۔ اللہ کی مشیت اور مرضی سے نبی کے مختلف احوال ہوتے ہیں۔ کبھی وہ بھوکا ہوتا ہے، کبھی روزے سے ہوتا ہے اور کبھی یہ حال ہوتا ہے کہ روزے میں بھی اس کو بھوک اور پیاس کی تکلیف کی مطلق احساس نہیں ہوتا اور یہ سب صورتیں اور مختلف حالتیں اپنے اپنے محل اور وقت کے اعتبار سے بالکل موزوں اور مناسب ہوتی ہیں۔[2]

اخلاق و عادات

افسوس ہے کہ تذکرہ و تراجم کی کتابیں ابن حبان کے اخلاق کے ذکر سے خالی

لہ امام مالک نے اس روایت کی طرف تخریج کی ہے کہ آپ [illegible] ... کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ لوگ بھوک سے بیتاب ہو کر اپنے گھروں سے نکلے ہیں آپ نے فرمایا وانا اخرجنی الجوع [illegible] ... چنانچہ حضرت ابوالہیثم انصاری ان سب کو اپنے گھر لے گئے اور کھلایا پلایا (موطا امام مالک مطبوعہ [illegible]) ۔ طبقات الشافعیہ [illegible]۔

ہیں، لیکن ان کی فیاضی اور سخاوت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آخر عمر میں جب انہوں نے اپنے وطن میں مدرسہ اور کتب خانہ قائم کیا تو شائقین علم کے لئے ان کا گھر لنگر خانہ بنا ہوا تھا، دور دراز کے لوگوں کے طعام کے مصارف وہی برداشت کرتے تھے[1]

الحاد اور بدعقیدگی کا الزام اور اس کا جواب

ابن حبان پر بدعقیدگی، الحاد اور زندقہ کا الزام عائد کیا گیا ہے، اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے اس کی وجہ سے وہ جلاوطن کر دئے گئے تھے، ذیل میں اس الزام کو نقل کر کے اس کی حقیقت واضح کی جاتی ہے۔

اس الزام کا دار و مدار ان دو روایتوں پر ہے، جو مشہور صوفی ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری ہروی (متوفی ۴۸۱ھ) سے مروی ہیں، ان میں پہلی روایت یہ ہے :۔

قال سألت يحيى بن عمار عن ابي حاتم بن حبان فقال رأيته ونحن اخرجناه من سجستان كان له علم كثير ولم يكن له دين كبير قدم علينا فانكر الحد لله فاخرجناه[2]	ابو اسماعیل ہروی کا بیان ہے کہ میں نے یحیٰی بن عمار سے ابو حاتم بن حبان کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ میں نے انھیں دیکھا ہے اور ہم ہی لوگوں نے ان کو سیستان سے جلاوطن کیا تھا، وہ کثیر العلم ضرور تھے مگر ان کا دین پایہ زیادہ بلند نہ تھا، وہ ہمارے پاس آئے اور اللہ کے بارے میں حد کا انکار کیا، ہم نے ان کو شہر بدر کر دیا۔

[1] لسان المیزان ج ۵ ۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و میزان الاعتدال ج ۳ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج

[2] لسان المیزان ج ۵۔

Marfat.com

دوسری روایت ہے ۔

قال ابواسماعیل الانصاری سمعت عبدالصمد بن محمد یقول سمعت ابی یقول نکروا علی ابن حبان قولہ (النبوۃ العلم والعمل) وحکموا علیہ بالزندقۃ وھجروہ وکتب فیہ الی الخلیفۃ فامر بقتلہ و سمعت غیرہ یقول لذلک اخرج الی سمرقند ؎	ابو اسماعیل انصاری کہتے ہیں کہ میں نے عبدالصمد سے اور انھوں نے اپنے والد محمد سے یہ سنا کہ لوگوں نے ابن حبان کے قول (النبوۃ العلم والعمل یعنی نبوت علم وعمل ہے؎) کی وجہ سے ان پر نکیر کی ہے۔ الحاد و زندقہ کا الزام لگایا اور ان سے قطع تعلق کرکے خلیفہ سے ان کی شکایت کی، خلیفہ نے ان کے قتل کا حکم دیا۔ (ابو اسماعیل کہتے ہیں مگر) میں نے عبدالصمد کے علاوہ دوسرے شخص سے یہ سنا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ جلا وطن کرکے سمرقند بھیج دئے گئے تھے۔

مذکورۂ بالا دونوں روایتوں میں عائد کردہ الزامات کی نوعیت مختلف ہے۔ پہلی روایت میں ابن حبان کی دینی فضیلت و برتری میں کلام کیا گیا ہے اور دوسری روایت میں ان کے الحاد زندقہ کا ذکر ہے، اسی طرح دونوں روایتوں میں الزام کے اسباب اور وجہیں مختلف بتائی گئی ہیں پہلی روایت میں صرف جلاوطنی کا تذکرہ ہے اور دوسری میں اس کے بجائے خلیفہ کی طرف سے قتل کے فرمان کا ذکر ہے مگر اس سے پتہ نہیں چلتا کہ واقعتہ وہ قتل کے

لہ اس سے اقتباس ہوتا ہے کہ ابن حبان کے نزدیک نبوت علم وعمل کا نام ہے یعنی جس میں یہ اوصاف پائے جائیں وہ نبی ہو سکتا ہے گویا نبوت وہبی نہیں بلکہ کسبی ہے، ؎ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ میزان الاعتدال ج ۳ و لسان المیزان جلد ۵۔

Marfat.com

گئے تھے یا نہیں[1]؟ پھر فرمانِ قتل کے بارے میں خود راوی نے شک و تذبذب ظاہر کر کے روایت کو مشکوک بنا دیا ہے، علاوہ ازیں اس سے اس سوءِ حفظ اور نسیان بھی ثابت ہوتا ہے۔

ابو اسماعیل انصاری کا زہد و تقدس اور تصوف میں ان کا کمال مسلم ہے مگر روایت و درایت میں ضبط و تیقظ ثابت نہیں ہے، عموماً صوفیہ روایات کی صحت اور سندوں کی قوت کا زیادہ لحاظ نہیں کرتے، علاوہ ازیں وہی تنہا ان دونوں روایتوں کے راوی ہیں، ان احتمالات کی موجودگی میں ابن حبان جیسے جلیل القدر محدث کے بارے میں اتنے اہم اور سنگین الزام کو کیسے صحیح مانا جاسکتا سکتا ہے؛ ہروی کی پیدائش اور ابن حبان کی وفات کے درمیان چالیس بیالیس سال کا فرق ہے[2] اگر یہ الزام کچھ بھی وزنی ہوتا تو اس عرصہ میں پوری طرح مشہور ہو چکا ہوتا اور اس کو بیان کرنے والے متعدد افراد اور ابن حبان کے معاصرین بھی ہوتے، کیونکہ ان کا شمار ائمہ حدیث اور جرح و تعدیل کے ماہرین میں ہوتا ہے، اس لئے دوسرے ارباب فن محدثین اور رجال و اسناد کے ماہرین ان کے بارے میں چھان بین ضرور کرتے لیکن اتنے اہم الزام کے بعد بھی ان کی شہرت و اہمیت وثوق و اعتبار اور عظمت و بلند پایگی میں فرق نہ آنا اور ان کی ذات کا محدثین اور ائمۂ فن کا مرکز توجہ بنا رہنا اور رجال کی کتابوں کا ان کے اقوال سے معمور ہونا اس کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ ان پر یہ الزام ثابت و متحقق نہیں[3]۔

ان روایتوں کے ناقابل یقین ہونے ہی کی بنا پر ان کو بعض ارباب سیر و تذکرہ نے نقل کرنے سے پرہیز کیا ہے اور جن مورخین نے ان کو نقل کیا ہے انھوں نے بھی ان پر نقد و تعقب کیا ہے۔

---

[1] شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قتل نہیں کئے گئے تھے، بلکہ بعض ثقہ محدثین نے درمیان میں پڑ کر اس کو رفع دفع کرا دیا تھا[2] طبقات ابن رجب[3] اس سے پتہ چلتا ہے کہ مذکورۂ بالا روایت میں ابن حبان سے تعلقات اور روایات وغیرہ ترک کرنے کا جو ذکر ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے ان کے بعض مخالفین نے اس سے روایت کرنا چھوڑ دیا ہو لیکن عام طور وہ ثقہ اور معتبر سمجھے جاتے رہے۔

Marfat.com

درحقیقت ایسے سنگین الزام محض مشکوک روایتوں کی بنیاد پر تسلیم نہیں کیئے جا سکتے جب تک کہ متعدد افراد کے بیانات، معاصرین کی شہادتوں اور دوسرے قرائن سے ان کی پوری تصدیق نہ ہو جائے۔

دونوں روایتوں کے اختلاف و اضطراب اور ان میں خطا و تحریف کے احتمالات کو نظر انداز کر کے اگر انھیں صحیح بھی مان لیا جائے تو ابن حبان پر الحاد اور بدعقیدگی کا الزام ثابت نہیں ہوتا اس کی تفصیل یہ ہے۔

اوپر گذر چکا ہے کہ پہلی روایت میں الحاد اور بے دینی کا سرے سے کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں محض ابن حبان کی دینی عظمت و جلالت کے بارے میں کلام کیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے حد و حیز کی نفی کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی الحاد اور بے دینی کی بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو بلا حد و مکان ماننا ہی اسلامی عقائد کے مطابق اور صحیح نقطہ نظر ہے علامہ ابن سبکی فرماتے ہیں۔

انظر ما اجهل هذا الجارح	ذرا غور کرو کہ یہ جارحانہ الزام لگانے والا
وليت شعري من المجروح	بھی کس قدر ناواقف ہے کاش میں جان سکتا
مثبت الحد لله او نافيه	کہ دونوں میں قابل الزام کون ہے؟ آیا وہ جو اللہ کے لئے حد کو مانتا اور ثابت کرتا ہے یا وہ جو اس کی نفی کرتا ہے

حافظ صلاح الدین خلیل بن کیکلدی کا بیان ہے۔

بالله العجب من احق بالاخراج	بخدا سخت تعجب ہے آخر جلاوطنی کی سزا اور
والتبديع وقلة الدين[1]	دین میں ضعف کے الزام کا کون زیادہ مستحق ہے

---

[1] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲

Marfat.com

حافظ ابن حجر نے بڑے صریح الفاظ میں علامہ ابن حبان کے موقف کو صحیح قرار دیا ہے ان کے بیان کا خلاصہ ہے،

"معترض کا یہ کہنا کہ ابن حبان سے کوئی ایسی لغزش سرزد ہو گئی تھی جس کی وجہ سے لوگوں نے ان پر طعن کیا ہے، اگر اس سے اس کی مراد پہلی روایت والا قصہ ہے جس میں ابن حبان کی جانب حد کی نفی کی نسبت کی گئی ہے تو دراصل اس میں کوئی لغزش نہیں ہے، بلکہ انصاف کی بات یہ ہے کہ اس معاملہ میں ابن حبان ہی کا موقف برحق ہے[1]"

ان اقوال سے ظاہر ہو گیا کہ حد کے مسئلہ میں علامہ ابن حبان کی رائے میں کوئی غلطی اور قابل اعتراض بات نہ تھی بلکہ ان ہی کا نقطۂ نظر صحیح تھا، البتہ اس پر اس پہلو سے اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے خواہ مخواہ ایک غیر ضروری مسئلہ کو چھیڑا، کیونکہ محتاط علما اس قسم کے کلامی مسائل میں غور و خوض کو پسند نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک ..... خدا کی صفات وغیرہ میں بحث و تدقیق فضول اور لایعنی بات ہے اور ان مباحث میں سکوت افضل اور سوال و تفتیش اور بحث و جستجو بدعت ہے، علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں،

"ابن حبان کا اللہ کے لئے حد ہونے کا انکار کرنا اور تم لوگوں کا اس کے لئے حد کو ثابت کرنا دونوں ہی فضول باتیں ہیں، ان کے متعلق خاموشی افضل و اولیٰ ہے اس لئے کہ نفی و اثبات کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہے اور اللہ کی شان یہ ہے کہ "اس کے مانند کوئی چیز بھی نہیں" پس جو شخص حد کا قائل ہے، اس کا مخالف اس سے کہے گا کہ تم نے تو رائے و قیاس سے اللہ کے لئے حد بنائی ہے، اس کے لئے تمہارے پاس کوئی ثبوت اور نص نہیں ہے نتیجہ کے اعتبار سے اس قول سے اللہ کا محدود ہونا ثابت ہوتا ہے، حالانکہ محدود مخلوق ہے، اور اللہ کی شان اس سے بہت اعلیٰ وارفع ہے، مگر حد کو ماننے والا نہ ماننے والے سے یہ کہے گا کہ تم

---

[1] لسان المیزان ج ۵

خداوند کو معدوم چیزوں کے برابر کر دیا ہے[1] کیونکہ معدوم چیزوں کے لئے کوئی حد نہیں ہوتی. پس
ہی حالت میں جو لوگ اللہ کو منزہ سمجھتے اور ان امور کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے ہیں وہی سلف
صالحین کے متبع ہیں اور انہی کا طریقہ احتیاط اور سلامتی پر مبنی ہے۔[2]

اس تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ حد کے مثبت و منکر دونوں نے ایک غیر ضروری اور بے سود
ئلہ کو موضوع بنا کر غلطی کا ارتکاب کیا ہے اور ان دونوں کا طریقہ احتیاط و تورع کے منافی ہے علامہ
ہی دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

"اثبات و انکار دونوں کے قائلین غلطی کرتے ہیں، کیونکہ حد کی نفی و ثبوت کے متعلق کوئی
ں وارد نہیں ہے اور آدمی کے حسن اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لایعنی باتیں چھوڑ دے"[3]

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) حد کے بارے میں ابن حبان کا موقف صحیح اور اسلامی عقائد کے مطابق تھا۔

(۲) ان کی غلطی اتنی ہے کہ انہوں نے ایک ایسے غیر ضروری اور لاطائل مسئلہ کو موضوع بحث
یا جس میں سکوت افضل اور بہتر تھا لیکن اس کو عقیدہ کے بگاڑ اور دین میں فتور سے کوئی
لق نہیں۔

مگر مزید غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن حبان نے بلا ضرورت اس مسئلہ میں کلام
یں کیا، ذیل میں اس کی توضیح کی جاتی ہے۔

بلا شبہ یہ صحیح ہے کہ مسئلہ صفات میں غور و خوض نامناسب اور خلاف احتیاط ہے
ن یہ اس صورت میں جب خواہ مخواہ اور بلا ضرورت غور و خوض اور بحث و کلام کیا جائے
ضرورۃً اور ناگزیر حالات میں خاموشی کے بجائے اظہار خیال ہی مناسب ہے، علامہ ابن

---

[1] حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تردید میں لکھا ہے کہ یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے، کیونکہ اللہ کے وجود کے تحقق کے بعد اس کے لئے حد کی نفی اس
معدوم اشیاء کے برابر کر دینا نہیں ہو سکتا۔ [2] میزان الاعتدال ج ۳ ولسان المیزان جلد ۵ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۳

حبان نے ضروری اور ناگزیر حالت ہی میں اس کے متعلق اظہار خیال فرمایا تھا، ان کے زمانہ میں یہ
مسئلہ بحث ونظر کا موضوع بنا ہوا تھا، اور کچھ لوگ شد و مد کے ساتھ اللہ تعالٰے کے لئے حد و حیز ثابت
کر رہے تھے، اس لئے انھوں نے اس مسئلہ میں اظہار خیال ضروری سمجھا اور وہ بات کہی جو عقائد
صحیحہ کے مطابق تھی اس لئے انہوں نے کوئی خلاف احتیاط کام نہیں کیا، خلق قرآن کے مسئلہ امام احمدؒ
کے طرز عمل میں بھی اس کی مثال ملتی ہے، اس کے بارے میں علمائے حق کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ
اس میں بحث و تفتیش فضول، سوال و تجسس بدعت اور خاموشی افضل دادنیٰ ہے، چنانچہ امام بخاریؒ
سے جب اس کے متعلق استفسار کیا گیا تو انھوں نے یہی جواب دیا اور خود امام احمدؒ سے بھی جب
لوگوں نے عام حالات میں اس بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے اس کو فضول اور لایعنی مشغلہ
قرار دیا اور اس میں بحث اور کرید نے سے منع کیا[1] مگر جب معتزلہ کے استیلا و تسلط اور خلفائے
عباسیہ کے جبر و تشدد نے اس کو فتنہ کی شکل دے دی تو اس وقت خاموشی کے بجائے انھوں
نے اظہار خیال کو ضروری سمجھا اور ابتلا و آزمائش کی پرواہ کئے بغیر بڑی جرات و بے باکی سے یہ
اعلان کیا کہ قرآن مجید خدا کا کلام ہے، وہ کسی طرح بھی مخلوق نہیں ہو سکتا اس کے نتیجہ میں انھوں
نے قید و بند کی صعوبتیں اور سخت قسم کی جسمانی سزائیں برداشت کیں، ابن حبان نے اسی
اسوہ پر عمل کیا۔

رہی دوسری روایت تو اس میں الحاد و زندقہ کا ضرور ذکر ہے مگر اس کی جو وجہ
بیان کی گئی ہے اس سے اس کا کوئی ثبوت فراہم نہیں ہوتا، کفر و ایمان کا معاملہ نہایت نازک ہے
محققین اور علمائے حق کا معمول رہا ہے کہ وہ اس میں ہمیشہ توقف و تامل سے کام لیتے ہیں اور
پوری تحقیق کے بغیر الزام عائد نہیں کرتے اور جہاں تک ممکن ہوتا تھا توجیہ و تاویل سے کام لیتے
محدثین اور نقادان فن نے ابن حبان کے بارے میں بھی اس اصول کو مدنظر رکھا ہے، ان کی توجیہ

---

[1] احمد بن حنبل والمحنۃ

Marfat.com

تاویل سے یہ الزام پوری طرح رفع ہوجاتا ہے ، ذیل میں ان کے اقوال درج کئے جاتے ہیں .

علامہ ذہبی رقمطراز ہیں :۔

"دوسرا اعتراض بھی درست نہیں ہے کیونکہ اس کی عمدہ توجیہہ ممکن ہے ، درحقیقت ابن حبان کی مراد مبتدا کو خبر میں محصور و محدود کرنا نہیں ہے جس طرح کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد (الحج عرفۃ ، یعنی حج عرفہ ہے) کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حج کی ادائیگی کے لئے صرف عرفہ میں قیام کرلینا کافی ہے اور نہ تنہا عرفہ میں قیام سے حج کے تمام ارکان ومناسک ادا ہوجائیں گے بلکہ آپ کا مقصد حج کے سب سے اہم ، ضروری اور مقدم رکن کو بیان کرنا ہے . اسی طرح ابن حبان کے قول (النبوۃ العلم والعمل یعنی نبوت علم وعمل ہے) کا منشا یہ ہے کہ نبوت کی اہم ضروری حقیقت علم وعمل میں نبی کا کمال وامتیاز ہے اور کوئی شخص ان میں درجۂ کمال کو پہنچے بغیر نبی نہیں ہوسکتا . یہ صحیح ہے کہ نبوت وہ مخصوص موہبت الٰہی اور عطیہ ربانی ہے جس کے لئے اللہ اپنے علم وعمل والے بندے کا انتخاب کرتا ہے اس میں آدمی کے کسب اور حیلہ وتدبیر کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور نہ وہ ریاضت اور محنتِ شاقہ سے حاصل کی جاسکتی ہے ، اسی سے علم نافع اور عمل صالح کا سرچشمہ ہوتا ہے اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ابن حبان کے مذکورہ بالا قول میں کوئی خرابی اور قباحت نظر نہیں آئے گی البتہ مطلق شکل میں ان سے جو کچھ منقول ہے . وہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت ایک فلسفیانہ رائے خیال کی ہے .[1] علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر دونوں نے یہ توجیہہ بھی تحریر کی ہے .

"ابن حبان کے اس قول (النبوۃ العلم والعمل) کی ایک مناسب توجیہہ یہ ہے کہ اگر ان کی مراد یہ ہو کہ نبوت کا دارومدار علم وعمل پر ہے . کیونکہ اللہ تعالیٰ نبوت ووحی سے اسی شخص کو سرفراز کرتا ہے جو ان دونوں اوصاف سے متصف ہو اور نبی وحی کی وجہ سے علم والا ہوتا ہے اور علم الٰہی عمل

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ، [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ .

Marfat.com

صالح کو مستلزم ہے اس اعتبار سے ان کا قول صحیح ہے۔ کیونکہ نبوت علم لدنی اور ان اعمال کا نام ہے جو قربت الٰہی کا ذریعہ ہیں پس نبوت ان دونوں چیزوں کے تمام وکمال پائے جانے کا نام ہے اور وحی الٰہی کے بغیر ان دونوں کا بدرجہ کمال حصول نہیں ہو سکتا کیونکہ وحی الٰہی ایسا یقینی علم ہے جس میں ظن وتخمین کو دخل نہیں ہوتا مگر غیر انبیا کا علم یقینی کم اور ظنی زیادہ ہوتا ہے، پھر نبوت عصمت کو مستلزم ہے اور انبیاء کے علاوہ کسی شخص کے لئے عصمت نہیں، خواہ وہ علم وعمل کے کتنے ہی اعلیٰ مدارج اور بلند مراتب کیوں نہ طے کرے دوسری بات یہ ہے کہ جب کسی چیز کے بارے میں خبر دی جاتی ہے تو وہ اس کے ضروری مقاصد اور اہم اجزا کے لحاظ سے دی جاتی ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الحج عرفہ یعنی حج تو عرفہ ہے)

تاہم کسی کے لئے اس طرح کی بات مطلقاً اور بلا قرینہ کہنا درست نہیں ہے اور اگر ابن حبان کا مقصد حصر ہو یعنی نبوت صرف علم وعمل ہی کا نام ہے تو بلا شبہ یہ زندقہ اور فلسفیانہ موشگافی ہوگا[1] اس کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کی تقریر بھی قابل ملاحظہ ہے، وہ فرماتے ہیں:

"مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ ابن حبان کا یہ قول (النبوۃ العلم والعمل) عقائد صحیح کے چنداں خلاف نہیں کیونکہ ان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ نبوت کوئی کسبی چیز ہے جو علم وعمل کی ریاضت سے حاصل ہو سکتی ہے، جیسا کہ فلاسفہ اور مذہب ہے بلکہ ان کی غرض یہ ہے کہ نبوت کے لئے انسان میں اس نفس ناطقہ کا پایا جانا لازمی ہے جو علم وعمل میں نمایاں زیادتی رکھتا ہو، اس کے بعد ہی اس کو دہبی طور پر نبوت عطا کی جاتی ہے، قرآن مجید کی اس آیت میں اسی کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

---

[1] میزان الاعتدال ج ۳ و لسان المیزان ج ۵

Marfat.com

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (انعام ۱۲۴)   اللہ خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت و نبوت سے کس کو سرفراز کرے۔

رہا یہ عقیدہ کہ انبیا علیہم السلام کو علمی و عملی استعداد میں دوسرے افراد پر برتری حاصل نہیں ہوتی بلکہ خدا تعالیٰ محض اپنے حکم و فیصلہ سے برابر برابر صلاحیت رکھنے والے لوگوں میں سے کسی ایک شخص کو زبردستی نبوت سے سرفراز کر دیتا ہے تو یہ بات ہرگز دین و شریعت سے ثابت نہیں ہے۔

یا ابن حبان کا منشا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انبیا علیہم السلام کو نبوت عطا کئے جانے کے بعد علم و عمل دونوں اعتبار سے فوقیت اور برتری حاصل ہو جاتی ہے، اس لئے وہ معصوم اور گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں تو یہ ایسی بات ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے[1] ان توجیہات سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن حبان کے قول (النبوۃ العلم والعمل) میں بھی الزام و اعتراض اور الحاد و بدعقیدگی کی کوئی بات نہیں، زیادہ سے زیادہ اس کو سوئے تعبیر کہا جاتا ہے۔ البتہ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے بڑے محدث اور ایسی جلیل القدر شخصیت پر محض سوئے تعبیر کی وجہ سے اتنا بڑا اور ناروا الزام کیوں عائد کیا گیا ہے؟ اس کے مختلف اسباب معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ ایک سبب یہ ہے کہ ابن حبان علم و فن میں نہایت ممتاز اور بڑے ذہین و طباع شخص تھے۔ ان کے غیر معمولی کمالات نے بعض لوگوں میں ان کو محسود بنا دیا تھا اور وہ ان کو مطعون و متہم کرنے کی فکر میں رہتے تھے، ان کے اس قول نے ان کے لئے اس کا موقع فراہم کر دیا اور انھوں نے ان کی تعبیری غلطی سے فائدہ اٹھا کر اور اس کو سیاق و سباق سے جدا کر کے اسے ان کا الحاد و زندقہ قرار دیا حاکم فرماتے ہیں۔

"ابو حاتم نہایت عالی مرتبہ تھے اس بنا پر ان سے حسد کیا جاتا تھا۔"[2]

---

[1] بستان المحدثین۔ [2] لسان المیزان ج ۵

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

بجز عناد و تعصب کے ان پر اس الزام کے عائد کرنے کی اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی و
یگانۂ روزگار اور غیر معمولی ذہین وطباع تھے، ان کا حافظہ بے مثال تھا۔[1]

۲۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ فلسفہ وکلام کے ماہر اور فلسفیانہ و متکلمانہ مذاق رکھ
تھے۔ اور فلسفہ وکلام میں انہماک بعض لوگوں کے عقائد و خیالات میں فساد پیدا کر دیتا ہے، اس
بنا پر متقشف علما کو ابن حبان سے بدگمانی ہو گئی اور وہ ان پر طعن و تشنیع کرنے لگے۔ علامہ سیوطی کا بیا
ہے کہ "وہ فلسفہ وکلام وغیرہ کے بڑے واقف کار تھے، اس لئے ان پر الحاد و زندقہ کا الزام لگ
جاتا ہے"۔ حالانکہ فلسفہ وکلام سے فساد عقیدہ ضروری نہیں ہے، ایسے بہت سے علما ہیں جو ان
فنون سے غیر معمولی اشتغال رکھنے کے باوجود دینی حیثیت سے نہایت ممتاز اور بلند تھے، فلس
وکلام میں انہماک نے ان کے عقائد میں کوئی خرابی نہیں پیدا کی، اس لئے ابن حبان کے فلسفہ وکلا
کی دلچسپی کو بھی ایمان وعقیدہ کے فساد اور بگاڑ کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا تاآنکہ اس کا پورا ثبوت
موجود نہ ہو۔

۳۔ ابن حبان پر اتہام والزام کی روایت کرنے والے ابو اسماعیل انصاری ہروی
جلیل القدر صوفی اور عارف باللہ تھے، صوفیہ کا ان مسائل میں تشدد مشہور ہے، اس لئے وہ ابن حبان
سے ان کے فلسفہ وکلام میں اشتغال کی بنا پر خوش نہ رہے ہوں گے اس فروگذاشت نے ان
کا رویہ اور سخت بنا دیا ہوگا، اور انھوں نے ان پر الحاد و زندقہ کا الزام لگا دیا۔ اس لئے یہ الزام درحقیق
ان کے غایت تورع اور تصوف میں غلو کا نتیجہ ہے جو حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔

وفات ابن حبان نے جمعہ کا دن گزار کر ۲۴ شوال ۳۵۴ھ کی شب میں اپنے وطن بست میں
انتقال کیا، انھوں نے اپنے مکان کے قریب ایک چبوترہ بنایا تھا، اسی میں دفن کئے

تصنیفات امام ابن حبان ان علمائے اسلام میں تھے جن سے بیشمار کتابیں یادگار ہیں، ان کی
تصنیفات کیفیت وکمیت دونوں اعتبار سے اہم اور علمائے فن اور محدثین کا

[1] ایضاً [2] لسان المیزان ج ۵ وطبقات الشافعیۃ الکبری ج ۲

Marfat.com

ماخذ و مرجع ہیں، سمعانی اور حاکم کا بیان ہے کہ ابن حبان نے فن حدیث وغیرہ میں بیش قیمت اور عدیم المثال کتابیں لکھی تھیں[1]، مگر افسوس کہ چند کے علاوہ اکثر تصنیفات اب ناپید ہیں، خطیب نے ان کی بربادی کا ماتم کرتے ہوئے لکھا ہے۔

یہ عظیم الشان کتابیں اس لائق تھیں کہ ان کی زیادہ سے زیادہ نقل و اشاعت ہوتی اہل علم ان کو ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ ان کی نقل و کتابت کرتے اور جلدوں میں باندھ کر محفوظ کر دیتے، لیکن افسوس کہ امام صاحب کے اہل وطن ان کے مرتبۂ فضل و کمال سے ناآشنا تھے اور وہ اپنی بے بصیرتی کی وجہ سے ان کی اہم بلند پایہ تصنیفات کی اشاعت سے غافل رہے[2]۔ جن کتابوں کا علم ہو سکا ہے ان کی فہرست اور بعض کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) کتاب الصحابہ (۵ جز) (۲) کتاب التابعین (۱۲ جز) (۳) کتاب اتباع التابعین (۱۵ جز) (۴) کتاب تبع الاتباع (۱۷ جز) (۵) کتاب تباع التبع (۲۰ جز) (۶) کتاب الفصل بین النقلۃ (۱۰ جز) (۷) کتاب علل حدیث الزہری (۲۰ جز) (۸) کتاب علل حدیث مالک (۱۰ جز) (۹) کتاب علل اوہام اصحاب التواریخ (۱۰ جز) (۱۰) کتاب علل مناقب ابی حنیفہ و مثالبہ (۱۰ جز) (۱۱) کتاب علل ما استند الیہ ابو حنیفہ (۱۰ جز) (۱۲) کتاب ما خالف الثوری شعبۃ (۳ جز) (۱۳) کتاب ما انفرد فیہ اہل المدینۃ من السنن (۱۰ جز) (۱۴) کتاب ما انفرد بہ اہل مکۃ من السنن (۱۰ جز) (۱۵) کتاب ما خند شعبۃ عن قتادۃ ولیس عند سعید عن قتادہ (دو جز) (۱۶) کتاب غرائب الاخبار (۲۰ جز) (۱۷) کتاب ما اغرب الکوفیون عن البصریین (۱۰ جز) (۱۸) کتاب ما اغرب البصریون عن الکوفیین (۱۰ جز) (۱۹) کتاب اسامی من یعرف بالکنی (۳ جز) (۲۰) کتاب کنی من یعرف بالاسامی (۳ جز) (۲۱) کتاب الفصل والوصل (۱۰ جز) (۲۲) کتاب التمییز بین حدیث النضر الحدانی والنضر الخزاز (۲ جز) (۲۳) کتاب الفصل بین حدیث اشعث بن مالک و اشعث بن سوار (۲ جز) (۲۴) کتاب الفصل بین حدیث منصور بن معتمر و منصور

---

[1] کتاب الانساب سمعانی ورق ۔ [2] مقدمہ موارد الظمآن

بن زاذان (۳ جز) (۲۵) کتاب الفصل بین مکحول الشامی والازدی (ایک جز) (۲۶) کتاب موقوف
مارفع (۱۰ جز) (۲۷) کتاب آداب الرجالة (۲ جز) (۲۸) کتاب ما اسند جنادة عن عبادة (۱ جز) (۲۹)
کتاب الفصل بین حدیث ثور بن یزید و ثور بن زید (۱ جز) (۳۰) کتاب ما جعل عبداللہ بن عمر عبید
بن عمر (۲ جز) (۳۱) کتاب ما جعل شیبان سفیان و سفیان شیبان (۳ جز) (۳۲) کتاب مناقب مالک
بن انس (۲ جز) (۳۳) کتاب مناقب الشافعی (۲ جز) (۳۴) کتاب المعجم علی المدن (۱۰ جز) (۳۵)
کتاب المقلین من الحجازیین (۱۰ جز) (۳۶) کتاب المقلین من العراقیین (۲۰ جز) (۳۷) کتاب الابواب
المتفرقة (۳۰ جز) (۳۸) کتاب الجمع بین الاخبار المتضادة (۲ جز) (۳۹) کتاب وصف المعدل والمعدل
(۲ جز) (۴۰) کتاب الفصل بین حدثنا واخبرنا (۱ جز) (۴۱) کتاب وصف العلوم وانواعها (۳۰ جز) (۴۲)
کتاب محجة المبتدئین (۴۳) کتاب حفظ اللسان (۴۴) کتاب مراعاة العشرة (۴۵) کتاب الثقة بالله
(۴۶) کتاب التوکل (۴۷) کتاب مراعاة الاخوان (۴۸) الفصل بین الغنی والفقر (۴۹) کتاب السخاء
(۵۰) کتاب صفة الصلوة[۱] (۵۱) کتاب شعب الایمان۔ اس موضوع پر امام بیہقی (۴۵۸ھ) کی کتاب
زیادہ مشہور و متداول ہے۔ لیکن ابن حبان کو اولیت اور تقدم کا شرف حاصل ہے[۲]۔ (۵۲) روضة
العقلاء و نزہة الفضلاء۔ اسلام اور عربوں کے اخلاق و آداب پر یہ عمدہ کتاب ہے اس کا ایک
حصہ قاہرہ سے ۱۳۲۸ھ میں شائع ہوا تھا۔ اس میں مصنف نے اپنی متعدد کتابوں کا ذکر اور
حوالہ دیا ہے[۳]۔ (۵۳) کتاب التاریخ۔ یہ ضخیم کتاب کئی حصوں میں ہے، اس کا پہلا حصہ مولانا عبدالحی
صاحب فرنگی محلی کے کتب خانہ میں موجود تھا، اس حصہ میں ام ورقہ تک کے واقعات درج
ہیں۔ یہ حصہ ۱۲۹۴ھ کا لکھا ہوا ہے[۴]۔

(۵۴) کتاب الہدایہ الی علم السنن۔ یہ حدیث و فقہ دونوں کی جامع اور عمدہ تصنیف ہے
اس میں ترجمة الباب کے بعد حدیث نقل کرکے اس کے اسناد کے تمام ناموں (صحابہ سے لیکر

---

[۱] مقدمہ موارد الظمآن او اعلام ج ۳ [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] ایضاً و معارف

Marfat.com

اپنے شیخ تک) کے عام حالات، فضل وکمال، نسبتوں، کنیتوں، قبائل، اوطان اور سنین ولادت ووفات وغیرہ تحریر کئے گئے ہیں۔ پھر حدیث کی حکیمانہ اور فقہی تشریح کی گئی ہے، متضاد متعارض حدیثوں میں جمع و تطبیق کی صورتیں اور روایات میں کمی بیشی اور فرق واختلاف کی صراحت بھی کی گئی ہے[1]، (۵۵) کتاب الجرح والتعدیل۔ اس کا نسخہ کتب خانہ ایا صوفیا میں ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو اور کتاب الضعفاء کو جس کا ذکر آگے آرہا ہے، ایک ہی کتاب قرار دیا ہے، اس میں رواۃ کے درجہ و مرتبہ کو واضح کرنے کے لئے وہ تمام اقوال درج کئے گئے ہیں جو ان کے ضعف و جرح یا ضبط و عدل کے بارہ میں اصحاب فن سے منقول ہیں۔ اس کو کتاب الثقات کا تکملہ بھی بتایا جاتا ہے۔ عبدالعزیز خولی کا بیان ہے کہ یہ دس جلدوں میں ہے، حافظ ابن حجر کی نظر سے یہ کتاب گزری تھی، لسان المیزان کے مقدمہ میں انہوں نے اس پر نقد بھی کیا ہے[2]

(۵۶) کتاب الثقات۔ یہ رجال کی مبسوط، اہم اور شہرۂ آفاق کتاب ہے۔ اس کی اہمیت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اس کے بعد رجال میں جو کتابیں لکھی گئیں ان سب میں اس کے حوالے ملتے ہیں، اس کی ابتدا میں سنت واتباع سنت کی اہمیت بیان کی گئی ہے، اور مقدمہ میں حدیث کے راویوں کی بتیس ۳۲ قسمیں گنائی گئی ہیں[3]، اس میں پہلے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا تذکرہ ہے، اس کے بعد عام صحابہ، تابعین و تبع تابعین سے لیکر اپنے عہد تک کے علمائے حدیث و روایت کا حروف کی ترتیب کے مطابق ذکر کیا گیا ہے۔ مصنف نے اس میں صرف ثقات کا ذکر کیا ہے، مگر ان کے نزدیک اس میں قدرے وسعت ہے یعنی جو راوی منکر الحدیث مجروح اور مدلس نہیں ہے، وہ ثقہ ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں۔

"اس میں صرف انہی ثقات کا ذکر ہے، جن کی روایتوں سے احتجاج جائز ہے۔ جن

---

[1] معجم البلدان ج ۳ [2] مقدمہ نوادر و النعمان ص ۵ و مفتاح السنۃ ص ۵۲ و مقدمہ لسان المیزان ص ۹ [3] کشف الظنون ج ۲ ص ۳ و بستان المحدثین ص ۴۰۔

راویوں کی بعض لوگوں نے تضعیف کی ہے وہ بھی اس میں شامل کئے گئے ہیں، بشرطیکہ وہ میرے معیار کے مطابق ثقہ ہوئے ہیں میں نے اپنے اصول اور معیار کو کتاب الفصل بین النقلہ میں تحریر کیا ہے، جو لوگ اس معیار و اصول کے مطابق ضعیف ہیں یا جن کی روایتوں سے استدلال روا نہیں ہے میں نے ان کو اس میں شامل نہیں کیا ہے، ان لوگوں کا کتاب الضعفا میں ذکر ہوگا۔[۱]

کتاب الثقات کے قلمی نسخے حیدر آباد کے کتب خانہ آصفیہ اور سعیدیہ اور مکتبہ ایا صوفیہ اور مکتبہ سندیہ میں موجود ہیں۔[۲]

(۵۷) کتاب الضعفا یہ بھی رجال کی مشہور و ضخیم کتاب ہے اور اس کو حروف معجم پر مرتب کیا گیا ہے، صاحب شرح الفیہ لکھتے ہیں کہ اس کے مبسوط مقدمہ میں حدیث کے راویوں کی بیس[۲۰] قسمیں بیان کی گئی ہیں، بعض لوگوں نے اس کو اور کتاب الثقات کو مصنف کی تاریخ کبیر کا خلاصہ بتایا ہے جو طلبہ اور معلمین کی سہولت کے لئے انھوں نے خود علیحدہ تیار کیا تھا۔

کتاب الضعفاء کا مختصر کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں مختصر اسماء المجروحین کے نام سے موجود ہے۔[۳]

(۵۸) صحیح ابن حبان، اس کا نام التقاسیم والانواع بھی ہے، یہ پانچ جلدوں میں ہے، اس کو حدیث کی مشہور اور اہم کتاب خیال کیا جاتا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب دہلوئ نے حدیث کے تیسرے طبقہ کی کتابوں میں اس کا بھی نام لیا ہے،[۴] اس کی بعض اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

(۱) صحیح ابن حبان کی سب سے اہم خصوصیت اس کی صحت ہے، صحیح میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں ابن خزیمہ کی کتاب کے بعد اسی کا درجہ ہے، بعض محدثین نے اس کو سنن ابن ماجہ سے زیادہ صحیح روایتوں کا مجموعہ بتایا ہے اور بعض کا خیال ہے کہ صحیحین کے بعد بہتر اور عمدہ مجموعے ابن خزیمہ اور ابن حبان کے ہیں۔

---

[۱] فوائد جامعہ بر عجالۂ نافعہ تذکرۃ النوادر [۲] تذکرۃ النوادر [۳] ایضاً و کشف الظنون ج ۲ و فہرست کتب خانہ آصفیہ ج ا [۴] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱۔

(۲) اس کو نہایت دلچسپ انداز اور نرالے ڈھنگ پر مرتب کیا گیا ہے۔ یعنی فقہی ابواب اور مسانید پر احادیث مرتب کرنے کے مشہور اور مروج طریقوں کے بجائے اس کو اقسام انواع پر مرتب کیا گیا ہے۔

(۳) ہر حدیث کے آخر میں رجال وسناد کی تحقیق، حدیث کے مفہوم کی تعیین و وضاحت اور اسناد و متون کی فنی بحثیں اور دوسری مفید و لطیف معلومات بیان کی گئی ہیں۔

(۴) کتاب کے عنوانات سے ابن حبان کی فقہی بصیرت، عالمانہ ژرف نگاہی اور سنت و اثر سے مکمل واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے[۱]

مختصرات و زوائد

صحیح ابن حبان کی اہمیت اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس کی جانب اعتنا کیا گیا اور اس کے زوائد، اطراف حواشی اور مختصرات ترتیب دئے گئے۔

۱۔ انواع و اقسام پر مرتب کئے جانے کی وجہ سے اس سے استفادہ مشکل اور دشوار تھا اس لئے امیر علاء الدین ابوالحسن علی فارسی (م ۷۳۹ھ) نے اس کو فقہی ابواب پر الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان کے نام سے مرتب کیا اس میں اصل کی تمام خصوصیات کو برقرار رکھا گیا ہے۔ اس کی پہلی جلد احمد محمد شاکر مرحوم کی تصحیح تعلیقیات اور مقدمہ کے ساتھ دارالمعارف قاہرہ سے بڑے اہتمام کے ساتھ دیدہ زیب ٹائپ اور عمدہ کاغذ پر ۳۰۵ صفحے میں شائع ہوئی ہے[۲]

۲۔ حافظ ابن حجر نے اس پر مفید حواشی لکھے تھے[۳]

۳۔ ابوالفضل عراقی نے اس کے اطراف لکھے

۴۔ سراج الدین عمر بن علی معروف بابن ملقن (م ۸۰۴ھ) نے اس کو مختصر ابواب پر مرتب کیا۔

۵۔ ابوالحسن نورالدین ہیثمی نے موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان کے نام سے اس کے زوائد لکھے، اس میں ان حدیثوں کو جمع کیا گیا ہے جو صحیحین میں نہیں ہیں، اس کا نسخہ مدینہ کے کتب خانہ

۱ے اعلام ج ۳ ص ۸۰۰، شذرات الذہب ج ۳ ص ۱۷، الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۹ و مقدمہ موارد الظمآن ص ۱۳ و ۱۴ ۲ے مقدمہ موارد الظمآن ص ۱۴ ۳ے مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۶۲

Marfat.com

میں تھا، اس کی مدد سے دار الحدیث مکہ کے مدیر شیخ محمد عبدالرزاق حمزہ نے اسکو ایڈٹ کر کے مطبعۂ سلفیہ سے شائع کیا ہے، اس کی ترتیب فقہی ابواب پر ہے، ہیثمی نے صحیحین کی بعض روایتوں سے اس کی عدم مطابقت د فرق اور حواشی میں حدیث کی بعض اور کتابوں سے اس کی روایتوں کی مطابقت دکھائی ہے اور کہیں کہیں راویوں کے ناموں کی تصحیح کی ہے۔

صحیح ابن حبان کے نسخے متعدد کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں، اس کی ایک جلد مدینہ منورہ کے کتب خانہ محمودیہ میں بھی ہے، اس پر حافظ ابن حجر کے حواشی بھی ہیں[1]۔

ایک شبہ کا جواب

اوپر جرح میں ابن حبان کے تشدد اور تعدیل میں نرمی کا ذکر کیا جا چکا ہے، اسی بنا پر ان پر تساہل کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ مگر یہ مطلق صورت میں قابل تسلیم نہیں ہے۔ اس لئے اس کا جائزہ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے،

اس شبہہ اور الزام کی بنیاد ممتاز محدث علامہ نودی کے اس قول پر ہے:۔

یقارب صحیح الحاکم فی حکمہ	قریب قریب صحیح حاکم ہی کے حکم میں ابوحاتم
صحیح ابی حاتم بن حبان[2]	ابن حبان کی صحیح بھی ہے

عام محدثین کے نزدیک حاکم کا تساہل مشہور ہے، اس لئے نودی کے اس بیان سے خیال ہوتا ہے کہ ابن حبان کے یہاں بھی اسی قسم کا تساہل پایا جاتا ہے، جس کے لئے حاکم کو شہرت ہے، لیکن ارباب فن نے اس قول کی وضاحت میں جو کچھ لکھا ہے اس سے اس شبہہ کی تردید ہو جاتی ہے، علامہ سیوطی فرماتے ہیں۔

" اس بیان سے بظاہر حاکم کی کتاب کی ترجیح معلوم ہوتی ہے مگر یہ ایسا واقعۃً نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد حاکم کے تساہل میں ابن حبان کی قربت و مماثلت کا اظہار ہے، ابن حبان کی جانب اس کی نسبت اس لئے صحیح نہیں ہے کہ وہ صرف حسن کو صحیح سے موسوم کر دیتے ہیں، باقی جن شرطوں کو انھوں نے بیان کیا ہے ان کا پوری طرح لحاظ رکھا ہے اور حاکم

[1] مقدمہ تحفۃ الاحوذی [2] تدریب الراوی

Marfat.com

معاملہ اس کے برعکس ہے۔[1]

حافظ ابن حجر رقمطراز ہیں :۔

"حاکم کے مقابلہ میں ان کا تساہل کم درجے کا ہے۔"

حازمی کا بیان ہے کہ :۔

"حاکم سے زیادہ ان کو حدیثوں میں درخور حاصل ہے، اگر ان کی جانب تساہل کی نسبت ں وجہ سے کی گئی ہے کہ ان کی کتاب میں حسن روایتیں موجود ہیں تو یہ بجا ہے کیونکہ انھوں نے اس کو صحیح کے نام سے موسوم کیا ہے، لیکن اگر اس سے شرطوں میں تخفیف و تساہل کی جانب ارہ مقصود ہے تو یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ اپنی صحیح میں انہی ثقات اور غیر مدلس اشخاص کی حدیثیں ان کرتے ہیں جنھوں نے اپنے شیوخ سے اس کو اور ان سے روایت کرنے والوں نے ان سے ان کا سماع کیا ہو اور ان میں کسی قسم کا ارسال و انقطاع نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ رواۃ کی ثقاہت ے متعلق ان کا ایک خاص نظریہ ہے اسی کے مطابق کتاب الثقات مرتب کی گئی ہے۔ لیکن اس ںول سے ناواقفیت کی بنا پر ان پر اعتراض کیا جاتا ہے۔"[2]

---

[1] تدریب الراوی ص [2] مقدمہ موارد الظمآن

Marfat.com

امام ابوبکر آجری

(متوفی ۳۶۰ھ)

نام ونسب محمد نام، ابوبکر کنیت اور سلسلۂ نسب یہ ہے :۔ محمد بن حسین بن عبد اللہ۔[1]

ولادت ووطن وہ بغداد میں پیدا ہوئے، سنہ پیدائش کا مورخین نے ذکر نہیں کیا ہے آجری کی نسبت سے زیادہ مشہور ہیں، انساب کے ماہر علامہ سمعانی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیشہ کی جانب نسبت ہے یعنی وہ اینٹیں بناتے اور ان کو فروخت کرتے تھے۔[2] لیکن علامہ ابن خلکان نے اس نسبت کے سبب سے لاعلمی ظاہر کی ہے اور کتاب الصلہ کے حاشیہ کے حوالہ سے یہ تحریر فرمایا ہے کہ آجر بغداد کے ایک گاؤں کا نام تھا، اور یہ اسی کی جانب نسبت ہے۔[3]

آخر عمر میں مکہ معظمہ میں آباد ہو گئے تھے، اور ۳۰ سال تک جوار بیت اللہ میں رہ کر حج بیت اللہ کو آنے والوں اور بلاد مغرب کے لوگوں کی تشنگی علم بجھاتے رہے۔ ابن خلکان اور ابن جوزی وغیرہ نے لکھا ہے کہ آجری جب مکہ معظمہ تشریف لائے تو یہ شہر انھیں بہت پسند آیا اور انھوں نے اللہ تعالیٰ سے اس میں ایک سال تک قیام کرنے کی دعا کی، ہاتف غیب نے صدا دی کہ ابوبکر ایک ہی سال کی تمنا کیوں کرتے ہو؟ تم کو تیس[30] سال تک یہاں قیام کرنے کا موقع ملے گا۔ چنانچہ ان کی

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۴۸ [2] کتاب الانساب ورق ۱۴ [3] وفیات الاعیان ج ۳ ص ۳۹۱

حیات مستعار کے بقیہ دن نہیں گزرے اور ۳۰ سال کے بعد جب داعی اجل کا پیام آیا تو وہ اسی کی خاک میں پیوند کئے گئے۔[۱]

اساتذہ و شیوخ ابو بکر آجری کے بعض مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں۔ ابو شعیب حرانی، ابو مسلم ابراہیم بن عبد اللہ کجی، احمد بن حسن بن عبد الجبار صوفی، احمد بن عمر بن زنجویہ قطان، احمد بن یحییٰ حلوانی، جعفر بن محمد فریابی، خلف بن عمرو عکبری، قاسم بن زکریا مطرز، مفضل بن محمد جندی، ہارون بن یوسف بن زیاد۔[۲]

تلامذہ بعض مشہور شاگردوں کے نام حسب ذیل ہیں:۔ حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی، عبد الرحمٰن بن عمر بن نحاس، ابو الحسن علی بن محمد عبد اللہ بشران سکری، ابو الحسن علی بن احمد بن عمر حمامی مقری، ان کے بھائی ابو القاسم عبد الملک، محمد بن حسین بن فضل قطان، محمود بن عمرو عکبری۔[۳]

حفظ و ضبط اور حدیث میں درجہ مورخین اور علمائے فن نے بالاتفاق ان کی توثیق کی ہے اور حدیث میں ان کے کمال کا اعتراف کیا ہے۔ حافظ ذہبی ان کو "الامام المحدث القدوہ" لکھتے ہیں۔ علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ "طبرانی اور آجری کبار محدثین و حفاظ میں تھے"۔ خطیب، ابن جوزی اور ابن کثیر لکھتے ہیں کہ "وہ ثقہ تھے" علامہ سمعانی کا بیان ہے کہ آجری ثقہ و صدوق تھے۔ حافظ ذہبی اور ابن عماد کہتے ہیں کہ "وہ ثقہ و ضابط محدث اور صاحب سنت تھے"۔[۳]

فقہ فقہ و اجتہاد میں بھی آجری کا درجہ بلند تھا، اور وہ الفقیہ کے لقب سے موسوم کئے جاتے تھے اس فن میں کئی کتابیں بھی ان سے یادگار ہیں۔

تدین و تقوی علم و فضل کی طرح زہد و تقوی بھی ان کا شعار تھا۔ ابن ندیم کا بیان ہے کہ "وہ صلحا عباد میں

۱؎ وفیات الاعیان ج ۲ ص ۲۹۱ و صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۲۶۶ ۲؎ تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۴۳ و تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۳۶،

۳؎ ایضاً و کامل ابن اثیر ج ۸ ص ۲۰۴، العبر ج ۲ ص ۳۱۹۔

تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ عالم باعمل، صاحب سنت اور متبع شریعت تھے۔ مورخ خطیب اور علامہ سمعانی وغیرہ نے بھی ان کے صلاح و تدین کا اعتراف کیا ہے۔[1]

فقہی مسلک گو ان کے شافعی المذہب ہونے پر اتفاق ہے، چنانچہ ابن ندیم لکھتے ہیں مذہب الشافعی (وہ امام شافعی کے مسلک فقہ سے وابستہ تھے) لیکن ابن عماد حنبلی کا بیان ہے کہ

کان حنبلیا وقیل شافعیا وبہ جزم الاسنوی وابن الاھدل[2]

آجری حنبلی تھے مگر یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ شافعی تھے اور اسنوی و ابن اہدل نے اسی کو قطعی بتایا ہے۔

وفات یکم محرم الحرام ۳۶۰ھ کو مکہ معظمہ میں وفات ہوئی اور یہیں سپرد خاک کئے گئے۔[3]

تصنیفات امام ابوبکر آجری کثیر التصانیف تھے۔ فقہ، حدیث اور زہد و رقاق وغیرہ میں انھوں نے متعدد کتابیں لکھی تھیں، مگر اب وہ سب نایاب اور معدوم ہیں۔ جن کتابوں کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں۔

۱۔ کتاب احکام النساء، ۲۔ کتاب مختصر الفقہ، ۳۔ کتاب النصیحۃ
یہ تینوں کتابیں فقہ میں ہیں۔ ابن ندیم نے ان کا ذکر کیا ہے۔

۴۔ کتاب الشریعۃ۔ یہ سنت و حدیث میں تھی، حاجی خلیفہ نے اس کا نام لکھا ہے۔

۵۔ کتاب الاربعین۔ یہ امام صاحب کی سب سے مشہور تصنیف ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب کتب حدیث کے طبقات و اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں اربعینیات میں چالیس حدیثیں ایک باب یا مختلف ابواب میں ایک سند یا متعدد سندوں سے جمع کی جاتی ہیں، اربعینیات بے شمار ہیں۔"[4]

---

[1] الفہرست ص۔ تذکرہ ج ۲، الانساب [2] الفہرست ص شذرات الذہب ج ۳ [3] ابن خلکان ج ۲ تاریخ بغداد [4] بستان محدثین۔

حاجی خلیفہ لکھتے ہیں کہ اربعینیات کی جمع و تالیف کے اغراض و مقاصد مختلف ہیں چنانچہ بعض میں توحید و اثبات صفات، بعض میں احکام و عبادات، بعض میں مواعظ و رقاق اور بعض میں فضائل و مناقب کے متعلق روایتیں درج ہوتی ہیں، اربعینیات کے بعض مجموعے صحیح الاسناد اور طعن و قدح سے خالی اور بعض نہایت عالی سندوں اور طویل متن والی حدیثوں پر مشتمل ہیں۔[1]

ابن سبکی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آجری کی اربعین کی سندیں عالی اور بلند تھیں۔

حاجی خلیفہ اور دوسرے اصحاب فہارس نے اس موضوع کی اکثر کتابوں کے نام لکھے ہیں، اس فہرست سے ظاہر ہوتا ہے کہ اربعینیات میں سب سے قدیم مجموعہ یہی ہے[2] گو اس کو نووی وغیرہ کی اربعین جیسی شہرت نہیں ملی، تاہم قدامت اور اسناد کی قوت کے اعتبار سے اس کی اہمیت مسلم ہے۔

---

[1] کشف الظنون ج ۱ اتحاف النبلاء المتقین [2] ایضاً و طبقات الشافعیہ ج ۲

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ابراہیم بن ابی سفیان قیسرانی، ابراہیم بن محمد بن عرق حمصی، ابراہیم بن سوید شیبانی، ابو زرعہ دمشقی، عبدالرحمن نسائی، ابومسلم کجی، احمد بن انس، احمد بن عبدالرحیم حوطی، احمد بن عبدالقاہر، احمد بن یحییٰ محمد بن یحییٰ، ادریس بن جعفر عطار، اسحٰق بن ابراہیم دیری، ابوعلی اسماعیل بن محمد بن قیراط، بشر بن موسیٰ، حسن بن سہل، حسن بن عبدالاعلیٰ بوسی، حفص بن عمر، عبداللہ بن محمد بن سعید بن ابی مریم، علی بن عبدالعزیز بغوی، ابوخلیفہ فضل بن حباب جمحی، ابوسعید ہاشم بن مرثد طبرانی اور یحییٰ بن ایوب علاف وغیرہ[1]

تلامذہ

ان کے تلامذہ و منتسبین کی تعداد بھی بیشمار ہے۔ اور ان سے استفادہ کرنے والوں میں ان کے بعض شیوخ بھی شامل ہیں۔ بعض تلامذہ کے نام یہ ہیں:

ابن عقدہ، ابوبکر بن ریذہ، ابوبکر بن مردویہ، ابو احمد بن عبداللہ بن عدی جرجانی، ابوالحسن بن قادیہ، ابوعمر محمد بن حسین بسطامی، حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ، احمد بن محمد صحاف، حسین بن محمد بن مرزبان، عبدالرحمن بن احمد صفار، ابوبکر عبدالرحمن بن علی ذکوانی، ابوالفضل محمد بن احمد جارودی، ابوعمر محمد بن حسین بسطامی، محمد بن عبیداللہ بن شہریار۔

امام طبرانی کے حلقۂ فیض سے دو صاحب کمال وزرا بھی وابستہ تھے۔ ان میں ابن عمید نعمت و عربیت اور شعر و ادب میں سرآمد روزگار تھا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ دیلمی حکومت میں اس کی لیاقت و قابلیت کا کوئی اور وزیر نہیں گزرا۔ اور دوسرا وزیر صاحب بن عباد بھی ممتاز ادیب و انشا پرداز اور امام طبرانی کا شاگرد اور تربیت یافتہ تھا۔[2]

تحصیل علم کے لئے سفر

امام طبرانی ۲۷۳ھ میں علم و فن کی تحصیل میں مشغول ہوئے تھے۔ اس وقت ان کی عمر تیرہ[3] سال تھی۔ پہلے انھوں نے اپنے وطن طبریہ کے اصحاب کمال سے استفادہ کیا۔ ۲۷۴ھ میں قدس اور ۲۷۵ھ میں قیساریہ تشریف لے گئے۔ اس کے بعد انھوں نے دوسرے اسلامی ملکوں، اہم مقامات اور مشہور مراکز حدیث کا رخ کیا اور حمص، جبلہ، مدائن شام، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن، مصر، بغداد، کوفہ، بصرہ، جزیرہ، فارس اور اصبہان وغیرہ تشریف

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۲۷ ؛ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و بستان المحدثین و کتاب الانساب

لے گئے۔ اصبہان کی مرکزیت کی وجہ سے یہیں بود و باش بھی اختیار کرلی تھی۔ علم کی تلاش و جستجو ا
احادیث کی تحصیل میں ان کو سخت مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن ان کے ذو
شوق اور سرگرمی و انہماک میں کبھی کمی نہیں آئی، شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں۔

"۳۰ سال تک ان کو بستر پر سونا نصیب نہیں ہوا مگر وہ آرام و آسائش کا خیال کئے بغیر حد
کی تحصیل میں مشغول اور بوریا پر سوتے رہے۔"[1]

حفظ و ثقاہت حفظ و ضبط اور ثقاہت و اتقان میں ان کا مرتبہ بلند تھا، ان کے معاصرین فد
اور ارباب کمال محدثین نے ان کے حافظ اور ثقاہت کا اعتراف کیا۔
علمائے سیر و تراجم نے ان کو الحافظ الکبیر، احد الحفاظ، الحافظ العلم، واسع الحفظ، الحجۃ اور من الثقات الاث
المعدلین وغیرہ لکھا ہے۔

ابراہیم بن محمد بن حمزہ کا بیان ہے کہ میں نے ان سے بڑا کوئی حافظ نہیں دیکھا، ابن خل
لکھتے ہیں کہ وہ اپنے عہد کے ممتاز حافظ تھے۔ علامہ ابن جوزی رقمطراز ہیں کہ امام سلیمان کا حافظہ
قوی تھا، صاحب بن عباد نے ان کے حافظہ کی قوت، اور یادداشت کی زیادتی کے معترف
ان کے صدق و ثقاہت کے بارے میں بھی علمائے فن کا اتفاق ہے، حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ وہ ضبط و ثقاہت اور صدق امانت
بڑے عظیم رتبہ و شان کے محدث تھے، احمد بن منصور اور ابن ناصرالدین کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے، علامہ ابن حجر نے ان کو ثابت و ضاب
لکھا ہے، یافعی اور ابن عماد تحریر فرماتے ہیں کہ طبرانی ثقہ و صدوق اور حدیثوں کے علل اور
و ابواب کے اچھے واقف کار تھے۔[2]

حدیث میں درجہ امام طبرانی علم و فضل کے جامع اور فن حدیث میں نہایت ممتاز
علامہ ذہبی نے انھیں "الامام العلامۃ" اور "مسند الدنیا" اور یافعی و ابن عماد
"مسند العصر" لکھا ہے، ابن ناصرالدین کہتے ہیں کہ وہ "مسند الآفاق تھے"۔ ایک دفعہ ابن عقدہ
ایک صبہانی شخص نے کوئی مسئلہ دریافت کیا، انھوں نے پوچھا کہ تم نے سلیمان بن احمد لخمی

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ وغیرہ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و بستان المحدثین و کتاب الانساب ورق [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و بستان المحدثین و کتاب الانساب و العبر ج ۲
تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و لسان المیزان ج ۳ و مرآۃ الجنان ج ۲ و شذرات الذہب ج ۳

Marfat.com

ئع کیا ہے؟" اس نے جواب دیا کہ میں ان سے واقف نہیں، ابن عقدہ نے حیرت سے سبحان اللہ کہا فرمایا کہ ان کے ہوتے ہوئے تم لوگ ان سے حدیثیں نہیں سنتے اور ہم لوگوں کو ناواقف ... تے ہو، میں نے طبرانی کا کوئی مثیل اور نظیر نہیں دیکھا۔ ابوبکر بن علی کا بیان ہے کہ وہ بڑے وسیع علم تھے، حدیث میں ان کی وسعت نظر اور کمال کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ احمد بن منصور شیرازی نے ان سے تین لاکھ حدیثیں لکھی تھیں۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے "حدیث کی کثرت اور علو سند میں ان کی ذات نہایت ممتاز تھی، اور حدیث میں ان کی بالغ نظری کا پوری دنیا میں چرچا تھا، شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ حدیث میں وسعت اور کثرت روایت میں یکتا اور منفرد تھے[1]

فقہی مذہب — قیاس ہے کہ امام طبرانی کا فقہی مسلک وہی رہا ہوگا جو محدثین اور ائمہ سنت کا ہے لیکن مولانا عبدالحلیم چشتی نے انھیں شافعی بتایا ہے[2]

ابوبکر جعابی سے ایک دلچسپ مناظرہ — امام طبرانی کے علم و فضل اور حدیث میں عظمت و کمال کا اندازہ اس مناظرہ سے بھی ہوتا ہے جو ان کے اور ابوبکر جعابی کے درمیان ہوا تھا۔ صاحب بن عباد بیان کرتے ہیں۔

مجھے دنیا میں وزارت سے زیادہ کوئی چیز مرغوب اور عزیز نہ تھی اور میں اس منصب سے زیادہ کسی منصب کو اعلیٰ اور برتر نہیں خیال کرتا تھا، کیونکہ اسی کی بدولت مجھے ہر طرح کا اعزاز اور ہر طبقے میں مقبولیت حاصل تھی، لیکن ایک روز میرے سامنے مشہور محدث ابوبکر جعابی اور ابوالقاسم طبرانی میں حدیث کے بارے میں ایک مباحثہ ہوا، حفظ و ضبط میں طبرانی اور ذہانت و فطانت میں جعابی فائق معلوم ہوتے تھے۔ یہ مباحثہ دیر تک ہوتا رہا، دونوں طرف سے بڑے جوش و خروش کا اظہار اور پرزور آوازیں بلند ہو رہی تھیں، اسی اثنا میں جعابی نے کہا میرے پاس ایک ایسی حدیث ہے جو اور کسی کو معلوم نہیں، طبرانی نے اسے بیان کرنے کے لئے کہا تو انھوں نے فرمایا۔

[1] ایضاً و بستان المحدثین [2] فوائد جامعہ بر عجالہ نافعہ

Marfat.com

حدثنا ابو خليفة قال حدثنا سليمان بن ايوب ابو القاسم ......

ہم سے ابو خلیفہ نے حدیث بیان کی، انھوں نے کہا ہم سے سلیمان بن ایوب ابو القاسم نے روایت کی ....

طبرانی نے کہا حضرت! سلیمان بن ایوب تو زندہ ہیں اور ابو خلیفہ میرے شاگرد ہیں، اگر آپ اس حدیث کو میرے واسطے سے بیان کریں تو آپ کی سند زیادہ عالی ہوگی۔ اس سے جعابی بہت نادم ہوئے۔ ان کی ندامت اور طبرانی کی فتح و مسرت دیکھ کر مجھے خیال ہوا کہ کاش میں طبرانی ہوتا! تو آج وہی سرور و انبساط اور غلبہ و کامرانی جو انھیں حاصل ہوئی ہے۔ مجھے حاصل ہوتی۔ یہ منظر دیکھ کر میرے دل سے وزارت کی اہمیت جاتی رہی، کیونکہ علم و فضل کی بدولت اس سے کہیں بڑھکر اعزاز و اکرام اور جاہ و مرتبہ حاصل ہوتا ہے[1]۔

بعض لوگوں نے صاحب بن عباد کے بجائے ابن عمید کی نسبت سے یہ واقعہ تحریر کیا ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز نے اس پر کتنا دلچسپ اور بہتر تبصرہ فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں:-

این تمنا و آرزوے ہم از بقاے وزارت و ریاست او بود و الا علماء ربانیین را بسبب این غلبہا ستہ تغیرے نمی شود و نفس انسانی بحرکت نمی آید و لکن المرء یقیس علی نفسہ[2]

صاحب بن عباد کا اس قسم کی آرزو و تمنا کرنا درحقیقت وزارت و ریاست ہی کے اثر کا نتیجہ تھا، ورنہ علمائے ربانی کے اندر اس طرح کی فتح و کامرانی کے بعد بھی کوئی عجب اور تبدیلی نہیں آتی اور نہ ان کی طبیعتیں اس قسم کے واقعات سے متاثر ہوتی ہیں مگر آدمی دوسروں کو بھی اپنے ہی اوپر قیاس کرتا ہے۔

دینی غیرت و حمیت

امام طبرانی میں بڑی دینی غیرت و حمیت تھی، ابن جوزی کا بیان ہے کہ وہ دین کے معاملہ میں نہایت سخت تھے[3] ان کو صحابہ کرام سے غیر معمولی

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ [2] بستان المحدثین ص [3] المنتظم ج ۔

محبت و عقیدت تھی۔ اس لئے ان کی کوئی مذمت اور تنقیص گوارا نہیں کرتے تھے۔ بعض مصنفین کا بیان ہے کہ وہ پہلی دفعہ اصبہان تشریف لے گئے تو ابو علی ابن رستم نے جو کہ وہاں کے عامل تھے ان کی بڑی آؤ بھگت کی۔ امام صاحب ان کے یہاں برابر تشریف لے جاتے تھے۔ اس کی وفات کے بعد اس کے لڑکے نے امام صاحب کے لئے پانچ سو درہم ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا تھا، لیکن جب اس نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازیبا [illegible] تو امام صاحب اس سے سخت آزردہ ہو گئے، یہاں تک کہ اس کے یہاں آمد و رفت ترک کر دی۔

اس زمانہ میں قرامطہ اور فرقہ باطنیہ کا بڑا زور تھا، یہ لوگ محدثین سے بڑی عداوت اور سخت عناد رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے امام صاحب کی دینی مساعی [illegible] کی وجہ سے ان پر سحر کر دیا تھا، اس کی وجہ سے ان کی آنکھوں کی بصارت ختم ہو گئی تھی۔

وفات

امام طبرانی نے ۲۸ ذی قعدہ سنہ ۳۶۰ھ کو سو سال کی عمر میں انتقال کیا، [illegible] صحابی رسول حضرت حممہ دوسی کے مزار کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ حافظ ابو نعیم اصبہانی نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

تصنیفات

امام طبرانی کثیر التصانیف تھے، لیکن قدیم مصنفین کی طرح ان کی بھی اکثر [illegible] محفوظ نہیں۔ ذیل میں ان کی تصنیفات کے نام [illegible] درج کئے جاتے ہیں:

(۱) کتاب الاوائل (۲) کتاب التفسیر (۳) کتاب [illegible] (۴) کتاب عشرۃ النساء (۵) کتاب السنۃ (۶) کتاب الطوالات (۷) کتاب النوادر (۸) کتاب دلائل النبوۃ (۹) کتاب مسند شعبہ (۱۰) کتاب مسند سفیان (۱۱) کتاب حدیث الشامیین (۱۲) کتاب الدعا (۱۳) [illegible] (۱۴) معرفۃ الصحابہ (۱۵) فوائد معرفۃ الصحابہ (۱۶) مسند ابی ہریرہ (۱۷) مسند عائشہ (۱۸) [illegible] (۱۹) حدیث الاوزاعی (۲۰) حدیث شیبان (۲۱) حدیث ایوب (۲۲) مسند ابی ذر (۲۳) کتاب [illegible]

لہ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و بستان المحدثین ۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و ابن خلکان [illegible]

(۲۴) کتاب الجود۔ (۲۵) العلم الالوہیہ۔ (۲۶) فضل رمضان (۲۷) کتاب الفرائض (۲۸) کتاب الرد علی المعتزلہ (۲۹) کتاب الرد علی الجہمیہ (۳۰) مکارم اخلاق العزاء (۳۱) الصلوٰۃ علی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (۳۲) کتاب المامون۔ (۳۳) کتاب الغسل (۳۴) کتاب فضل العلم (۳۵) کتاب ذم الرائی (۳۶) کتاب تفسیر الحسن (۳۷) کتاب الزہری عن انس (۳۸) کتاب ابن المنکدر عن جابر (۳۹) مسند ابی اسحٰق السبیعی (۴۰) حدیث یحییٰ بن ابی کثیر (۴۱) حدیث مالک بن دینار (۴۲) کتاب ماروی الحسن عن انس (۴۳) حدیث ربیعہ (۴۴) حدیث حمزۃ الزیات (۴۵) حدیث مسعر (۴۶) حدیث ابی سعد البقال۔ (۴۷) طرق حدیث من کذب علی (۴۸) کتاب النوح۔ (۴۹) مسند ابن جحادۃ (۵۰) کتاب من اسمہ عطاء (۵۱) کتاب من اسمہ شعبۃ۔ (۵۲) کتاب اخبار عمر بن عبد العزیز (۵۳) کتاب اخبار عبد العزیز بن ربیع۔ (۵۴) مسند روح ابن القاسم (۵۵) کتاب فضل عکرمہ (۵۶) کتاب امہات النبی (۵۷) مسند عمارۃ بن غزیہ (۵۸) مسند طلحۃ بن مصرف وجماعۃ۔ (۵۹) مسند العبادلۃ (۶۰) احادیث ابی عمرو بن العلاء۔ (۶۱) کتاب غرائب مالک (۶۲) جزء ابان بن تغلب (۶۳) جزء حدیث ابن ابی سفر (۶۴) وصیۃ ابی ہریرہ رضی (۶۵) مسند الحارث العکلی۔ (۶۶) فضائل الاربعۃ الراشدین (۶۷) مسند ابن عجلان۔ (۶۸) کتاب الاشربۃ (۶۹) کتاب الطہارۃ (۷۰) کتاب الامارۃ (۷۱) مسند ابی ایوب الافریقی۔ (۷۲) مسند زیاد الجصاص (۷۳) مسند زافر (۷۴) حدیث شعبہ (۷۵) کتاب من اسمہ عباد۔[1]

۷۶۔ کتاب الدعاء۔ یہ طبرانی کی مشہور اور ضخیم کتاب ہے، اس کی اہمیت و افادیت اور ترتیب کی خوبی کا اندازہ ان کے اس بیان سے پوری طرح ہو جاتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

میری یہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا مجموعہ ہے، چونکہ میں نے دیکھا کہ اکثر لوگوں نے ان دعاؤں کو اختیار کر لیا ہے، جو مسجع عبارتوں میں اور روزمرہ کے لیے وضع کی گئی ہیں۔ اور ان کو وراقوں (واعظین) نے جمع کیا ہے، یہ خود آنحضور صلعم یا کسی صحابی اور تابعی سے مروی نہیں ہیں، بلکہ آپ سے دعا میں سجع، قافیہ بندی اور تعدی کی کراہت وارد ہے، اس

---

[1] ان رسائل کا ذکر متفرق کتابوں میں ملتا ہے مولانا عبد الحلیم چشتی نے عجالہ نافعہ کے فوائد میں ان کو جمع کر دیا ہے۔

Marfat.com

ابوالحسن ہیثمی نے اس کے ان مرویات کو جو صحاح ستہ میں نہیں ہیں تین جلدوں میں جمع کیا تھا، مکتبہ ترقی دارالعلوم پشاور میں اس کا نسخہ موجود ہے[1]

۸۰۔ معجم اوسط اس کو شیوخ کے ناموں پر مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں طبرانی نے اپنے تقریباً ایک ہزار شیوخ سے افراد و غرائب تک کے ہیں۔ محدثین کے نزدیک افراد و غرائب ان حدیثوں کو کہا جاتا ہے جو ایک ہی شیخ کے پاس ہوں اور دوسرے شیوخ ان سے واقف نہ ہوں یہی وجہ ہے کہ اس مجموعہ میں [illegible] ہیثمی [illegible] ان کی ترتیب وار بعض میں امام طبرانی [illegible] کا [illegible] ہوا تھا۔ ان کو ذاتی طور پر یہ کتاب بہت زیادہ عزیز تھی اس سے حدیث میں ان کی وسعت و کمال اور کثرت واقفیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے ایک باب میں تذروشہ کا ذکر ہے۔

یہ کتاب چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ ابوالحسن ہیثمی نے اس کے زوائد بھی علیحدہ مرتب کئے تھے[2]

۸۱۔ معجم صغیر یہ سب معاجم میں مختصر ہونے کی وجہ سے زیادہ مقبول و متداول ہے۔ اس کی ترتیب بھی شیوخ کے ناموں پر ہے۔ اور اس میں انھوں نے حروف تہجی کے مطابق ایک ہزار سے زیادہ شیوخ کی ایک ایک حدیث درج کی ہے۔ آخر میں بعض خواتین کی بھی حدیثیں ہیں۔ ان کی حدیثوں کی تعداد دو ہزار بتائی گئی ہے لیکن بعض نے ڈیڑھ ہزار ہی کہا ہے۔ اس کے زوائد بھی ابوالحسن ہیثمی نے علیحدہ مرتب کیا تھا۔ معجم صغیر کے نسخے کئی کتب خانوں میں موجود ہیں ۱۳۱۱ھ میں مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے بعض خصوصیات ملاحظہ ہوں۔ اس میں روایت اور راویوں سے متعلق مختلف قسم کی تصریحات کی گئی ہیں۔ مثلاً حدیث کے ضعف و قوت، رفع و انقطاع، تفرد، شہرت اور غرابت، راویوں کے ضبط و ثقاہت یا وہم و ضعف، کنیت، نسبت، نام، لقب، قبیلہ، وطن اور بعض کے نسب نامے اور روایتوں میں فرق و اختلاف اور کمی بیشی کی تصریح کی گئی

---

[1] کشف الظنون ج ۲ ص [illegible] و بستان المحدثین و الرسالۃ المستطرفۃ و فہرست مکتبہ ترقی دارالعلوم پشاور [illegible]

[2] بستان المحدثین و الرسالۃ المستطرفۃ

ہے جس سند اور مقام پر جو روایت سنی یا لکھی گئی ہے کہیں کہیں اس کی اور بعض روایتوں کی صحابیت وتابعیت کا ذکر کیا ہے۔ بعض مقامات پر [illegible] خود ان لڑکا یا لڑکی کے متعلق یہ وضاحت کردی گئی ہے کہ وہ صرف اس حدیث [illegible] ہے [illegible] کہا ہے کہ انھوں نے اپنے فلاں شیخ سے کئی [illegible] نہیں دیا ہے [illegible] مشہور اشخاص اور [illegible] راویوں کے وہ نمایاں اوصاف [illegible] ہے۔

۲۔ [illegible] حدیثوں کے [illegible] بھی کہیں کہیں ان کی مراد واضح کی ہے [illegible] کی ہے [illegible] ہیں۔

۳۔ امام بخاری نے [illegible] نقل کی ہیں اور [illegible] بعض روایتوں کی اس طرح تشریح کی [illegible] ہوتی ہے مثلاً ایک حدیث ہے:

[illegible]

امام بخاری [illegible]

یعنی الرکعتین بعد الطواف السبع — آپ کی مراد [illegible]

ان یصلی بعد [illegible] الصبح قبل — کی دو رکعتیں [illegible] نماز [illegible]

Marfat.com

طلوع الشمس وبعد صلاۃ العصر قبل غروب الشمس وفی کل النہار لہ

کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد غروب سے پہلے اور اسی طرح دن کے ہر حصہ میں پڑھی جا سکتی ہیں یعنی ممنوع و منہی عنہا اوقات میں بھی ان کو پڑھ لینے میں حرج نہیں ہے۔

پھر انھوں نے بعض حدیثوں سے متعلق شبہات کے جواب دیے ہیں۔ مثلاً ایک حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے چار کام کیے اس کو چار چیزیں عطا کی جاتی ہیں اس کا ذکر کتاب اللہ میں بھی ہے۔ (۱) جس نے اللہ کو یاد کیا اللہ بھی اسے یاد کرتا ہے۔

فاذکرونی اذکرکم (البقرہ ۱۵۲) — تم مجھے یاد کرو تو میں تمھیں یاد کروں گا۔

(۲) جس نے دعا کی اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

ادعونی استجب لکم (مومن ۶۰) — مجھ سے مانگو تو میں تمھیں دوں گا

(۳) شکر کرنے والے پر اللہ مزید فضل و انعام کرتا ہے۔

لئن شکرتم لازیدنکم (ابراھیم ۷) — اگر تم میرا شکر کروگے تو میں تمھیں اور زیادہ نوازوں گا۔

(۴) جو اللہ سے استغفار کرتا ہے اللہ اس کی مغفرت کرتا ہے، اس کا فرمان ہے۔

استغفروا ربکم انہ کان غفارا (نوح ۱۰) — اپنے خداوند سے مغفرت چاہو بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا ہے۔

اس حدیث کے سلسلہ میں پہلے انھوں نے بعض لوگوں کے اس شبہہ کا ذکر کیا ہے کہ ہم لوگ دعائیں کرتے ہیں مگر وہ قبول نہیں ہوتیں، پھر اس کا یہ جواب دیا ہے کہ گویا یہ اعتراض خدا پر ہے، کیونکہ

لہ معجم صغیر ص ۱۲۔

Marfat.com

اس نے کہا ہے اور یقیناً اس کی بات برحق ہے کہ

ادعونی استجب لکم (مومن - ۶۰) مجھے پکارو، میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا۔

نیز :-

واذا سألك عبادی عنی فانی	اور جب میرے بندے تم سے میرے متعلق
قریب اجیب دعوة الداع	پوچھیں تو انھیں بتاؤ کہ میں ان کے
اذا دعان۔	نزدیک ہوں اور پکارنے والے کی پکار کا
(بقرہ - ۱۸۶)	جواب دیتا ہوں۔

مگر اس حقیقت اور مفہوم سے اہل علم اور ارباب بصیرت ہی واقف ہو سکتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں بھی اس کی وضاحت کی گئی ہے، حضرت ابو سعید خدریؓ اور بعض دوسرے صحابہ سے مروی ہے کہ۔

مامن مسلم یدعو اللہ بدعوة	جو مسلمان بھی اللہ سے دعا کرتا ہے اس کی
الا استجاب لہ فھو من دعوة	دعا قبول ہوتی ہے، اس کی تین صورتیں ہیں
علی احدی ثلاث اما ان یعجل	یا تو دنیا ہی میں قبولیت مل جاتی ہے
لہ فی الدنیا واما ان تدخر فی	یا اس کی دعا آخرت کے لیے ذخیرہ کر لی جاتی
الآخرة واما ان یدفع عنہ من	وہ ذخیرہ ہوتی ہے یا دعا مانگنے والے سے اسی
البلاء مثلھا[2]	طرح کی کوئی مصیبت دفع کر دی جاتی ہے۔

معجم صغیر کے مطبوعہ ایڈیشن میں مختصر تشریحی حواشی بھی شامل ہیں جن میں نسخوں کے فرق و اختلاف متن کی تصحیح، راویوں کے ناموں کی تحقیق اعراب کی تعیین، لغات کی تشریح، حدیث کے مشکل مطالب کی وضاحت، اختلاف قرأت ثلاثی حدیثوں کی نشاندہی اور دوسری کتب حدیث سے ان کی حدیثوں کی مطابقت اور غیر مطابقت اور دوسری بحثیں درج ہیں، شارح نے محدثین کے مسلک کی تائید کی ہے۔

---

[1] معجم صغیر ص ۱۲ [2] معجم صغیر ص ۲۱۲

مثلاً حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
لاصلوٰۃ بعد الصبح حتی تطلع الشمس ولا بعد	کہ فجر اور عصر کے بعد طلوع و غروب آفتاب
العصر حتی تغرب الشمس[1]	پہلے کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہیے ۔

اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں :۔

"یہ حکم بلا سبب پڑھی جانے والی نفل نمازوں کے بارے میں ہے لیکن فوت شدہ فرائض ونوافل یا کسی وجہ سے پڑھی جانے والی نفل نمازوں کو ان وقتوں میں بھی پڑھنا جائز ہے جیسا کہ متعدد حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے مشہور محدث علامہ شمس الحق عظیم آبادی کے رسالہ اعلام اہل العصر باحکام رکعتی الفجر کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔"[2]

اس مطبوعہ نسخہ کے آخر میں مندرجہ ذیل چار رسالے شامل ہیں :۔

۱۔ غنیۃ الالمعی ۔ صاحب عون المعبود مولانا ابوالطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی نے اس میں اصول حدیث اور بعض فقہی مسائل کے بارے میں سوالات کا جواب قلمبند کیا ہے ۔

۲۔ التحفۃ المرضیہ فی حل بعض مشکلات الحدیثیۃ ۔ یہ شیخ حسین بن محسن انصاری (م ۱۳۲۷ھ) کا رسالہ اور امام ترمذیؒ کی بعض اصطلاحوں کی تحقیق پر مشتمل ہے ۔

۳۔ رفع الیدین فی الدعا ۔ یہ علامہ محمد بن عبدالرحمٰن بن سلیمان بن یحییٰ زبیدی یمانی کی تالیف ہے ۔ اس میں فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کو مدلل طور پر مسنون بتایا گیا ہے ۔

۴۔ الکشف من مجاوزۃ ہذہ الامۃ الالف ۔ یہ امام جلال الدین سیوطیؒ کا رسالہ ہے اس میں اس حدیث (ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یمکث فی قبرہ الف سنۃ) کے متعلق گفتگو کر کے اس کو باطل قرار دیا گیا ہے ۔

امام طبرانی پر بعض اعتراضات اور ان کا جواب	امام طبرانی کی عظمت وجلالت کے باوجود ان پر

---

[1] ایضاً [2] ایضاً حواشی

Marfat.com

عض اعتراضات کیے گئے ہیں۔ ذیل میں وہ اعتراضات نقل کیے جاتے ہیں۔

۱۔ پہلا اعتراض ان کے تفردکے بارے میں ہے۔ اسماعیل بن محمد بن فضل تیمی نے ان کے افراد
غرائب پر مشتمل حدیثوں کو جمع کرنے پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان حدیثوں میں نکارت
ئی جاتی ہے۔ اور یہ موضوعات اور طعن و قدح سے خالی نہیں ہیں۔

۲۔ ان پر وہم خطا اور نسیان کا بھی الزام عائد کیا گیا ہے۔ اس کی مثال یہ دی گئی ہے کہ
ھوں نے مغازی و سیر کے باب میں مصر کے احمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم برقی سے روایت
ہے۔ اس نام میں ان کو وہم ہوا ہے۔ اصل میں راوی احمد کے بجائے ان کے بھائی عبدالرحیم
ہیں کیونکہ احمد طبرانی کے مصر جانے سے دس سال پہلے ہی انتقال کر چکے تھے۔[1]

ابن مندہ نے بھی اس کی وجہ سے ان پر طعن کیا ہے اور ابوبکر بن مردویہ نے اسی بنا
پر انھیں لین قرار دیا ہے۔ ان کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ طبرانی کی جانب سے صاف
تھے۔ ابن مردویہ کی طبرانی سے خفگی کی ایک وجہ یہ بھی منقول ہے کہ انھوں نے بغداد جا کر جب
ن حدیثوں کی تحقیق و تفتیش کی جن کو ان سے طبرانی نے ادریس سے اور ادریس نے یزید بن
رون سے اور انھوں نے روح بن عبادہ کے واسطے سے بیان کیا تھا تو انھیں بہت کم حدیثوں کا
تہ چلا۔ علاوہ ازیں یہ معلوم ہوا کہ اہل بغداد کے نزدیک ادریس کا پایہ زیادہ بلند نہیں ہے۔ اس
لئے وہ ان سے زیادہ حدیثیں روایت نہیں کرتے تھے۔ مگر امام طبرانی کے نزدیک ادریس ثقہ
لوگوں میں تھے۔

اسی نوعیت کا ایک اور اعتراض حاکم نے علوم الحدیث میں تحریر کیا ہے کہ ابوعلی نیشاپوری
امام طبرانی کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ طبرانی نے شعبہ کی
یک حدیث بیان کی اور کہا کہ یہ ان کو غندر اور شبابہ کے واسطے سے ملی ہے۔ ابوعلی نے سوال کیا
کہ آپ سے اس کی کس نے روایت کی ہے؟ انھوں نے کہا عبداللہ بن احمد نے اپنے والد
سے اور انھوں نے غندر اور شبابہ سے۔ حالانکہ یہ غندر کی حدیث نہ تھی۔[2]

---

[1] لسان المیزان جلد ۳ ص ۷

ان اعتراضات کا نمبر وار جواب یہ ہے کہ

(۱) امام طبرانی کو طویل عمر ملی اور ان سے بیشمار حدیثیں منقول ہیں۔ اس لئے ان کے یہاں تفرد کی بھی کثرت ہے۔ لیکن ارباب فن نے ان کے تفرد کو منکر نہیں قرار دیا ہے۔ حافظ لکھتے ہیں کہ کثرت روایت کی وجہ سے امام طبرانی کے تفرد کو منکر نہیں قرار دیا جاتا تا حافظ ا... نے تیمی کے مذکورہ بالا اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔

" افراد و غرائب جمع کرنے کا معاملہ صرف طبرانی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، اکثر ... محدثین کا یہی حال تھا کہ وہ تفرد کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اور اپنی ذمہ داری سے بری کے ... احادیث کو ان کی اصل سندوں کے ساتھ بیان کرنے پر اکتفا کرتے تھے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں:۔

معجم اوسط افراد و غرائب کا مجموعہ ہے، محدثین کے نزدیک اس میں بہت سی منکر روایتیں ہیں، لیکن اس کی حقیقت اور منشا یہ ہے کہ غرات اسی کی مقتضی ہے، ورنہ تفرد ثقہ کا جس کو غریب صحیح کہا جاتا ہے، ایک علیحدہ باب ہے۔[۱]

۲۔ دوسرے اعتراض میں بعض ناموں کے بارے میں امام طبرانی کے سہو نسیان کا ذکر ... اس کتاب میں یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ وہم و نسیان علمائے فن کے نزدیک مانع ثقاہت اور ... اعتراض نہیں، چنانچہ حافظ ذہبی اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

" یہ زیادہ اہم بات نہیں احمد بن منصور شیرازی فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے تین لا... حدیثیں لکھیں، وہ ثقہ تھے، البتہ مصر کے ایک شیخ سے انھوں نے حدیث لکھی اور غلطی سے ... کو ان کے بجائے ان کے بھائی کی جانب منسوب کر دیا۔"[۲]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن مردویہ نے جو روایت کی ہے اس کی بنیاد پر بھی طبرانی کو مجروح اور قابل طعن قرار دینا زیادتی ہے رہی یہ بات کہ وہ طبرانی کی جانب سے صاف ...

---

[۱] میزان الاعتدال ج لسان المیزان ج ۳ دبستان المحدثین ص [۲] تذکرۃ الحفاظ ج ۲

یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ وہ خود ان کے حلقہ فیض سے وابستہ تھے اور ان سے حزم واحتیاط کے ساتھ حدیثیں بھی نقل کرتے تھے. چنانچہ حافظ ابونعیم نے ان سے پوچھا کہ آپ نے طبرانی سے حدیثیں روایت کی ہیں؛ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں میں ان سے احتیاط کے ساتھ روایتیں کرتا ہوں حافظ ضیا کا بیان ہے کہ ابن مردویہ نے خود اپنی تاریخ میں طبرانی کا ذکر کیا ہے لیکن ان کی تضعیف نہیں کی ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طبرانی ثقہ وثابت تھے. اور ابن مردویہ کے نزدیک بھی ان کی ثقاہت مسلم تھی[1]

لیکن اگر یہ ثابت بھی ہوجائے کہ ابن مردویہ کو واقعی ان سے بدگمانی تھی تو تنہا ان کی ذاتی رائے کی وجہ سے طبرانی کو ضعیف اور غیر معتبر نہیں قرار دیا جاسکتا۔

ابوعلی نیشاپوری کے بیان میں بھی وہم ونسیان کا ذکر ہے. اس کا جواب بھی مذکورہ توضیح سے ہوگیا. لیکن حافظ ابن حجر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں طبرانی کو کوئی وہم نہیں ہوا تھا. چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ابونعیم نے ابوعلی کا تعاقب کرتے ہوئے غندر کی حدیث کو ابوعلی بن سواف سے اور انھوں نے عبداللہ بن احمد سے اسی طرح بیان کیا ہے جس طرح طبرانی نے بیان کیا ہے. اس سے طبرانی کا بری الذمہ ہونا ظاہر ہوتا ہے. حافظ ضیاء نے طبرانی کے دفاع میں ایک رسالہ لکھا تھا جس میں وہ اس اعتراض کی تفصیل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

لوکان کل من وهم فی حدیث او حدیثین اتهم لکان هذا لایسلم منه احد[2]	اگر اسی طرح ہر شخص کو محض ایک یا دو حدیثوں میں وہم کی وجہ سے متہم قرار دیا جائے تو کوئی شخص بھی الزام واعتراض سے بچ نہیں سکتا۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ لسان المیزان ج ۳

کی تخصیص سے نہ صرف نعت کی حقیقت واضح ہوگئی بلکہ یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ اگرچہ بھی
ہو تو نعت اور منقبت و مدحت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

امام ابوعمرو بن نجید

(المتوفی ۳۶۵ھ یا ۳۶۶ھ)

نام ونسب اسماعیل نام، ابوعمرو کنیت اور نسب نامہ یہ ہے :۔ اسماعیل بن نجید بن احمد بن یوسف ابن خالد[1]

پیدائش، خاندان و وطن ۲۷۲ھ یا ۲۷۳ھ میں نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ عرب کے مشہور قبیلہ سلیم سے خاندانی تعلق تھا، اسی لئے سلمی کہلاتے تھے۔

اساتذہ وشیوخ امام ابوعمرو بن نجید نے ابراہیم بن ابوطالب، ابومسلم ابراہیم بن عبداللہ بن احمد بن علی بن حسین بن جنید، ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بوشنجی، محمد بن ایوب رازی وغیرہ سے حدیث کی اور جنید بغدادی اور ابوعثمان جیسے اجل صوفیہ سے تصوف کی تعلیم حاصل کی۔

تلامذہ جن لوگوں نے ان سے علم ظاہر و باطن کی تحصیل کی تھی ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں ابوحفص بن مسرور، ابونصر احمد بن عبدالرحمن صفار، ابوعبداللہ حاکم، حافظ بن محمد قشی عبدالقاہر بن طاہر فقیہ، ابوعبدالرحمن محمد بن حسین وغیرہ[2]

حدیث میں درجہ ابوعمرو بن نجید کا روایت و حدیث میں درجہ بلند تھا۔ علمائے سیر وطبقات نے ان کی کثرت روایت، احادیث میں انہماک و اشتغال اور ثقاہت کا اعتراف کیا ہے۔ ابن جوزی، ابن کثیر، شعرانی اور مولانا جامی وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ حاکم صاحب

[1] کتاب الانساب وطبقات الشافعیہ ج ۲ [2] ایضاً۔

Marfat.com

مستدرک کا بیان ہے۔ (اسند من بقی بخراسان فی الروایۃ) یعنی خراسان کے محدثین میں ابن نجید سب سے زیادہ بلند پایہ اور مستند ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں درعلو اسناد درخراسان مشہور و مشار الیہ آفاق۔

زہد و تصوف وہ عمل، اخلاص اور زہد و تقویٰ میں نہایت کامل تھے، حدیث سے زیادہ ان کو تصوف میں اشتغال تھا، اور اسی حیثیت سے زیادہ مشہور بھی ہیں۔ اس زمانہ کے مشائخ و کبار صوفیہ اور اوتاد و ابدال میں شمار کئے جاتے تھے، مورخین نے ان کو الزاہد العابد شیخ الصوفیہ اور صاحب احوال و مناقب لکھا ہے۔ ابن نجید ابو عثمان حیری کے اجل خلفا میں تھے انھیں خود اپنے مسترشد پر بڑا ناز تھا اور فرماتے تھے کہ ابو عمر و میرے جانشین ہیں، لوگ ان سے محبت کرنے پر میری ملامت کرتے ہیں، حالانکہ ان سے زیادہ کسی کو میرے طریقہ و مشرب کا علم نہیں گو وہ جنید و ابو عثمان کے صحبت نشین اور فیض یافتہ تھے لیکن تصوف میں ان کا اپنا خاص طریقہ بھی تھا۔ مولانا جامی لکھتے ہیں۔

"ویرا طریقے خاص بود از تلبیس حال و نگاہ داشت وقت"[1]

انفاق فی سبیل اللہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم ظاہر و علم باطن کی طرح دنیوی جاہ و حشمت سے بھی نوازا تھا۔ لیکن ان میں بڑی بے نیازی اور استغنا تھا۔ اور مال و دولت کی حرص و طمع سے ان کا دل پاک تھا، ان کو اپنے والد سے کافی مال و دولت وراثت میں ملا تھا لیکن خود کفاف پر بسر کرتے تھے اور باقی سب خدا کی راہ میں اور علماء و مشائخ پر خرچ کر دیتے تھے۔

اخلاص دنیا کے ارباب جاہ و حشمت کی طرح ان کو نام و نمود اور شہرت سے کوئی دلچسپی نہ تھی ریاکاری کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ ہر کام خالصۃً لوجہ اللہ کرتے ان کا اخلاص بے مثل تھا۔ ایک روز ابو عثمان حیری کو سرحدوں پر مجاہدین کے اخراجات کے لئے کچھ رقم کی ضرورت

---

[1] نفحات الانس جامی

Marfat.com

ہوئی۔ لیکن حاضرین کی تہی دستی کی وجہ سے ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ اس سے ان کا دل بھر آیا، وہ ضبط نہ کر سکے اور رو پڑے، رات میں عشاء کی نماز کے بعد ابو عمرو بن نجید نے دو ہزار درہم کی ایک تھیلی پیش کی۔ ابو عثمان بہت خوش ہوئے اور ان کے لئے دعا رخیر فرمائی۔ پھر انھوں نے مجلس میں یہ اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ ابو عمرو کو جزائے خیر دے، انھوں نے دو ہزار درہم دے کر میری خواہش پوری کر دی۔ ابو عمرو نے اسی وقت فوراً مجمع میں کھڑے ہو کر کہا حضرات میں جو رقم لایا تھا وہ میری ماں کی تھی، وہ اسے دینے کے لئے راضی نہ تھیں۔ اس لئے تھیلی واپس کر دی جائے تاکہ میں اسے لیجا کر اپنی ماں کو دے دوں۔ چنانچہ ابو عثمان نے تھیلی منگا کر واپس کر دیا۔ جب رات کا سناٹا ہوا، اور سارا مجمع منتشر ہو گیا تو ابو عمرو نے دوبارہ وہی رقم شیخ کی خدمت میں نذر کی اور کہا آپ اسے اس طور پر خرچ کریں کہ ہمارے علاوہ کسی اور شخص کو اس کی اطلاع نہ ہو۔ ابو عثمان آبدیدہ ہو گئے اور ان کی بڑی ستائش و تحسین کی لہ

حکیمانہ وصوفیانہ اقوال

ابو عمرو بن نجید سے بڑے حکیمانہ و صوفیانہ اقوال منقول ہیں، بہ چند ملاحظہ ہوں

(۱) بعض سکوت (خاموشی) گفتگو سے زیادہ بلیغ و موثر ہوتا ہے۔

(۲) جو شخص اپنے نفس کو معزز و مکرم سمجھتا ہے، اس کا دین اسے حقیر و ذلیل معلوم ہوتا ہے۔

(۳) غیر اللہ سے انسیت رکھنا اصلی وحشت ہے۔

(۴) پوچھا گیا کس چیز سے بندہ کو چارہ نہیں فرمایا سنت کے مطابق بندگی کا التزام اور ہمیشہ دل کی نگرانی و پاسبانی۔

(۵) حال اگر علم کا نتیجہ نہ ہو تو صاحب حال کے لئے اس کا ضرر نفع سے زیادہ ہے۔

(۶) تصوف امر و نہی کے تحت صبر کرنے کا نام ہے

(۷) بندہ کے لئے سب سے بڑی آفت اس کا اپنے نفس سے مطمئن ہو جانا ہے

(۸) جس شخص کو دیکھنے کے بعد تمہاری اصلاح نہ ہو وہ شخص مصلح نہیں ہے۔

لہ نفحات الانس جامی کتاب الانساب سمعانی المنتظم ج ۔

Marfat.com

(۹) آدمی عبادت میں اسی وقت مخلص ہو سکتا ہے جب اس کو اپنے تمام افعال ریا اور تمام احوال و اقوال اوعا معلوم ہوں۔

(۱۰) پوچھا گیا، اوعا کس طرح پیدا ہوتا ہے، فرمایا دھوکہ سے، اس کی ابتدا ہی بگاڑ سے ہوتی ہے جس شخص کی ابتدا صحیح ہو اس کی انتہا بھی صحیح ہوتی ہے۔ اور جس کی ابتدا فاسد ہو وہ کسی وقت ہلاک و برباد ہو سکتا ہے۔

(۱۱) ملامتی[1] میں کبھی اوعا نہیں ہوتا کیونکہ اسے اپنے اندر کوئی چیز اوعا کی نظر ہی نہیں آتی۔

(۱۲) جب اللہ اپنے بندہ کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے صلحا و اخیار کی خدمت و صحبت اور ان کے ارشادات قبول کرنے کی توفیق عطا کرتا ہے۔ اور اس کے لئے نیکیوں کی راہیں آسان کر دیتا ہے۔

(۱۳) عام مسلمانوں کا احترام کرو اور غیر ممکن کام کے درپے نہ ہو، سب سے اپنے کو حقیر سمجھو جس قدر تمہارا تعلق لوگوں سے زیادہ ہوگا اسی قدر خدا کے احکام میں تمہارا حصہ کم ہوگا۔

(۱۴) جو شخص نفع وضرر نہ پہچاننے والے کے سامنے اپنے محاسن ظاہر کرتا ہے وہ دراصل جہل کا اظہار کرتا ہے۔

(۱۵) جو شخص واقعۃً درست ہو گیا۔ اسے کوئی بگاڑ نہیں سکتا اور جو کج ہو گیا اسے کوئی سیدھا نہیں کر سکتا[2]

وفات | سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ ربیع الاول ۳۶۵ھ اور ۳۶۶ھ کی روایتیں ملتی ہیں، صاحب الرسالۃ القشیریہ نے تصریح کی ہے کہ مکہ معظمہ میں اور بعض مورخین کے بیان کے مطابق ۹۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا[3]

اولاد و احفاد | اولاد و احفاد میں ایک نواسہ ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین بن محمد موسیٰ سلمی کا ذکر ملتا ہے

---

[1] یہ صوفیا کا اصطلاحی لفظ ہے، اس کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں، مولانا جامی لکھتے ہیں الملامتی ہو الذی لا یظہر خیرا و لا یضمر شرا (نفحات الانس) یعنی ملامتی وہ شخص ہے جو اپنی نیکی کا اظہار اور برائی کو پوشیدہ نہیں کرتا۔ [2] الرسالۃ القشیریہ طبقات شعرانی ج ۱ نفحات الانس [3] کتاب الانساب، المنتظم ج، طبقات شعرانی، الرسالۃ القشیریہ

تو بڑے صاحب کمال بزرگ اور بلند پایہ صوفی تھے، تصوف میں ان سے کئی کتابیں یادگار ہیں، ان کی سب سے مشہور کتاب طبقات الصوفیہ ہے، یہ صوفیہ کے حالات پر مشتمل اور قاہرہ سے چھپ چکی ہے، مولانا جامی کی نفحات الانس کا اصل ماخذ یہی کتاب ہے، تفسیر میں بھی ایک کتاب لکھی تھی جس میں صوفیانہ نقطہ نگاہ سے قرآن کی تفسیر کی گئی ہے۔ حدیث سے بھی اشتغال تھا، مرو، نیشاپور، عراق و حجاز کے علماء سے حدیثوں کی تحصیل کی تھی، لیکن محدثین نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ یہ صوفیہ کی مفید مطلب حدیثیں وضع کرتے تھے[1]، شعبان ۴۱۲ھ کو انتقال ہوا اور نیشاپور میں اپنی خانقاہ کے اندر دفن کئے گئے۔

تصنیفات ان کی تصنیفات میں صرف جزابن نجید کا ذکر ملتا ہے، لیکن اس کے متعلق اور کچھ معلوم نہیں ہو سکا، جز کتب حدیث کی ایک قسم ہے محمود محمد خطاب سبکی لکھتے ہیں۔

الجزء يطلق على ما هو اعم من الجامع والسند وقد يطلق على ما الف فى نوع خاص۔	جز وکا اطلاق اس کتاب پر ہوتا ہے، جو جامع اور مسند دونوں سے عام ہوتی ہے اور کبھی اس پر بھی ہوتا ہے جو کسی خاص موضوع پر تالیف کی جاتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں:۔

"جز حدیث کی کتاب کو کہا جاتا ہے۔ جس میں صرف ایک خاص شخص کی بیان کردہ حدیثوں کو جمع کیا جاتا ہے۔ چاہے وہ شخص صحابہ کے طبقہ سے ہو یا ان کے بعد کے طبقہ سے مثلاً جزو حدیث ابوبکر و جزو حدیث مالک"۔

اس قسم کا بھی محدثین میں بڑا رواج ہے۔ کبھی ایسا کرتے ہیں کہ جامع میں مذکورہ آٹھ موضوعوں[2] میں سے کسی خاص موضوع کو اختیار کر لیتے ہیں۔ اور اس پر ایک نہایت مبسوط کتاب مرتب کرتے ہیں۔

---

[1] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۔۔ [2] جوامع میں حسب ذیل موضوعات متعلق احادیث ہوتی ہیں (۱) عقائد (۲) احکام (۳) رقاق (۴) آداب (۵) تفسیر (۶) تاریخ و سیر (۷) فتن و ملاحم (۸) فضائل و مناقب۔

چنانچہ باب الجنۃ پر ابوبکر بن ابی الدنیا نے ایک مبسوط کتاب لکھی تھی.... علی ہذا القیاس مذکورہ بالاآ
مطالب میں سے ہر ہر موضوع پر مستقل اور جداگانہ رسالے لکھے گئے ہیں جن کا احاطہ و شمار دشوار ہے
حافظ ابن حجر اور علامہ سیوطی کی تصانیف میں رسالوں کا دائرہ نہایت وسیع ہے[1]

---

[1] عجالہ نافعہ مع فوائد جامعہ

Marfat.com

امام ابوبکر اسماعیلی

(متوفی ۳۷۱ھ)

نام ونسب احمد نام، ابوبکر کنیت، اسماعیلی نسبت اور سلسلۂ نسب یہ ہے، احمد بن ابراہیم ابن اسماعیل بن عباس بن مرداس۔[۱]

پیدائش خاندان اور وطن وہ امام بخاری کی وفات کے اکیس[۲] سال بعد ۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان علمی حیثیت سے ممتاز تھا۔ ان کے بعد اس میں متعدد فضلاء اور ارباب کمال گزرے[۳]۔ ان کا وطن جرجان تھا۔

شوق علم اور طلب حدیث کے لئے سفر علم وفن سے ان کو فطری مناسبت تھی، بچپن میں لوگ عموماً پڑھنے لکھنے سے بیزار ہوتے ہیں لیکن اسماعیلی کو اسی زمانہ میں اس سے دلچسپی ہوگئی تھی، چھ سال کی عمر میں یعنی ۲۸۳ھ میں انھوں نے حدیثوں کی تحریر وکتابت شروع کردی تھی، اور ۲۸۹ھ میں باقاعدہ اس فن کی تحصیل میں مشغول ہوگئے تھے، اسی زمانہ میں وہ اس مقدس اور مبارک علم کی تحصیل کے لئے اپنے وطن سے نکل جانا چاہتے تھے مگر ان کی کمسنی کی وجہ سے ان کے اعزہ نے سفر کی اجازت نہیں دی اور جب ان کا شوق اور اصرار حد سے بڑھ جاتا تو وہ لوگ مختلف حیلوں اور بہانوں سے انھیں باز رکھنے کی کوشش کرتے۔ ایک دن ان کو اس زمانے کے مشہور محدث محمد بن ایوب رازی کی موت کی اطلاع ملی تو ان کا عجیب حال ہوگیا، وہ گھر سے باہر آکر رونے دھونے، چیخنے چلانے، کپڑے

---

۱ کتاب الانساب تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ۲ طبقات الشافعیہ ج ۲ ۳ ایضاً و بستان المحدثین

Marfat.com

چاک کرنے اور سر پہ خاک ڈالنے لگے، یہ کیفیت دیکھ کر ان کے تمام اعزہ جمع ہوگئے اور اس کا سبب دریافت کیا۔ اسماعیلی نے کہا آج دنیا ایسے عظیم المرتبت اور صاحب کمال شخص سے خالی ہوگئی، آپ لوگوں کی بندشوں اور رکاوٹوں نے مجھے اس کے فیوض و برکات سے متمتع نہیں ہونے دیا۔ اعزہ نے تسلی دیتے ہوئے کہا گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے، اب بھی خدا کے فضل سے بہت سارے نامور علماؤ مشائخ اور اساطین فن موجود ہیں، یہ حالت دیکھ کر اب ان کو سفر سے مزید روکنا مشکل تھا، اس لئے ان کے ماموں کو ان کے ہمراہ کر دیا گیا۔ اس طرح وہ پہلی مرتبہ ۲۹۴ھ میں ابوالحسن ابن سفیان کی خدمت میں نسا تشریف لے گئے۔ ان کا خود بیان ہے کہ یہ سفر میں نے اس وقت کیا تھا جب نہ تو میری مسیں بھیگی تھیں اور نہ داڑھی کے بال نکلے تھے، ۲۹۶ھ میں بغداد گئے۔ اس سفر میں بھی ان کا کوئی عزیز ان کے ساتھ تھا، پھر حجاز عراق، فارس، کوفہ، بصرہ، انبار، موصل، جزیرہ، نیشاپور وغیرہ تشریف لے گئے۔ نیشاپور کئی بار تشریف لے گئے۔[1]

اساتذہ وشیوخ جس شخص کے شوق وجستجوئے علم کا یہ حال رہا ہو اس کے اساتذہ وشیوخ کی تعداد شمار نہیں کی جاسکتی۔ بعض نامور محدثین اور ارباب کمال کے نام یہ ہیں۔

ابراہیم بن زہیر حلوانی، ابراہیم بن عبداللہ مخرمی، ابویعلیٰ احمد بن علی بن مثنی موصلی، احمد بن محمد بن مسروق، بہلول بن اسحق تنوخی انباری، جعفر بن محمد فریابی الحسن بن سفیان شیبانی حمزہ بن محمد بن عیسیٰ کاتب، عبداللہ بن ناجیہ، عبدان بن احمد عسکری، عمران بن موسیٰ سختیانی، ابوخلیفہ فضل بن حباب جمحی، ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ، محمد بن ساعہ، ابوجعفر محمد بن عبداللہ بن سلیمان حضرمی، محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، شیخ زاہد محمد بن عثمان مقابری، محمد بن یحییٰ بن سلیمان مروزی، یحییٰ بن محمد جنائی، قاضی یوسف بن یعقوب۔[2]

تلامذہ ان کے تلامذہ میں اس دور کے ائمہ اور نامور فضلا شامل تھے، بعض کے نام یہ ہیں، ابوالقاسم عبدری، ابوبکر بن محمد بن غالب برقانی، حسین بن محمد یاسانی، حمزہ بن یوسف سہمی صاحب تاریخ جرجان۔ ابوعمرو عبدالرحمٰن بن محمد فارسی، عبدالواحد بن منیر معدل، ابوجعفر محمد بن احمد حجاجی، ابوبکر محمد بن ادریس

---

[1] کتاب الانساب، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و طبقات الشافعیہ ج ۲ [2] ایضاً [3] یہ اسماعیلی کے نواسے تھے، تذکرہ ج ۲

جرجانی، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم، ابوعلی محمد بن علی ابن سہل، ابوالحسن محمد بن علی طبری۔

حفظ وضبط حفظ وضبط میں ممتاز اور مشہور حفاظ میں شمار کئے جاتے تھے، بہت ساری کتابیں ان کو زبانی یاد تھیں، حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ میں ان کے کمال حفظ سے مبہوت ہوگیا اور میرا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ متقدمین کے علم وحافظہ کا متاخرین مقابلہ نہیں کر سکتے، ضبط واحتیاط کا یہ حال تھا کہ فن حدیث میں غیر معمولی امتیاز اور امام فن ہونے کے باوجود انھوں نے مستقل کتاب لکھنے کے بجائے مستخرج بخاری لکھنے پر اکتفا کیا۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ وہ رفع اسناد اور علوئے تفرد میں ممتاز تھے[1] حاکم کا بیان ہے کہ ان کے ضبط وثقاہت میں کوئی اختلاف نہیں کیا گیا ہے۔

حدیث میں درجہ اسماعیلی منقولات کے متبحر عالم اور کامل الفن محدث تھے، وہ حدیث میں امام مرجوع اور مقتدی کی حیثیت رکھتے تھے، حاکم نے ان کو شیخ المحدثین اور امام اہل جرجان کہا ہے۔ ان کی عظمت وبلند پایگی کا یہ عالم تھا کہ امام دارقطنی جیسے صاحب کمال اور جلیل القدر محدث نے کئی بار ان کی بارگاہ فضل وکمال میں حاضر ہونے کا قصد کیا لیکن مقدور نہ ہو سکا اور زندگی بھر اپنی اس محرومی پر حسرت وافسوس ظاہر کرتے رہے، حافظ حسن بن علی فرماتے ہیں کہ اسماعیلی اس پایہ کے محدث تھے کہ حدیث وسنن میں مستقل کتابیں لکھتے مگر انھوں نے مستخرج مرتب کرنے پر اکتفا کیا۔ ان کو اکثر کتابیں ازبر تھیں، اور اللہ تعالے نے علم وافر اور ذہن رسا سے نوازا تھا[2]

مسند درس اسماعیلی کے حدیث میں کمال کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ علم کی تکمیل کے بعد جب وہ مسند درس پر رونق افروز ہوئے تو ان کو بڑا عروج نصیب ہوا۔ اور ان کے درس میں طلبہ ومستفیدین کا ہم غفیر شریک ہوتا تھا۔ حمزہ سہمی اور علامہ سمعانی نے روزانہ کے شرکاء کی تعداد چالیس[4] اور پچاس[5] کے لگ بھگ بتائی ہے۔ یہ لوگ اسماعیلی کی زبان سے جو بات نکلتی تھی، اس کو قلمبند کر لیتے تھے[3]

---

[1] تذکرہ ج ۳ [2] تاریخ جرجان ص ۱۰ وکتاب الانساب ورق ۳۰ وتذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۵۹، و ۱۴۰ [3] ایضاً

کران کو خراج عقیدت پیش کیا۔[۱]

فقہی مسلک | اسماعیلی شافعی المذہب تھے۔ اور شوافع کے ائمہ میں خیال کئے جاتے تھے۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ وہ اپنے خطہ کے اکابر شافعیہ میں تھے۔[۲]

کلامی عقائد | وہ اہل سنت والجماعت اور محدثین کے ہمنوا تھے۔ اس لئے ان کے معتقدات بھی وہی تھے۔ ان کے بعض کلامی عقائد یہ ہیں۔

اہل حدیث کا مسلک یہ ہے کہ اللہ اس کے ملائکہ اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کا اقرار کیا جائے۔ کتاب اللہ اور حدیثوں کے منطوق کو قبول کیا جائے اور ان سے انحراف نہ کیا جائے۔ محدثین کا عقیدہ ہے کہ اللہ کو اس کے اچھے ناموں سے پکارنا اور ان صفتوں سے متصف ماننا چاہئے جن سے اس نے اور اس کے رسول نے اس کو متصف کیا ہے۔ مثلاً اللہ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں، وہ عرش پر متمکن ہے۔ وغیرہ ان ساری باتوں کو بلا کیف تسلیم کرنا ضروری ہے۔ ان کی حقیقت اور کیفیت معلوم کرنے کے درپے نہیں ہونا چاہئے۔[۳]

وفات | عام مورخین کے بیان کے مطابق ۹۴ سال کی عمر میں سنیچر کے دن غرہ رجب ۳۷۱ھ میں انتقال ہوا اور اتوار کو تدفین ہوئی۔ ان کے صاحبزادے ابونصر نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ ابن السبکی اور شذرات الذہب صاحب نے لکھا ہے کہ سفر ۳۷۱ھ میں وفات پائی۔[۴]

اولاد | انتقال کے وقت پانچ اولادیں تھیں۔ تین لڑکیاں اور دو لڑکے۔ ایک لڑکے کا نام ابونصر محمد اور دوسرے کا ابوسعد اسماعیلی تھا۔ دونوں علم و فضل میں اپنے والد کے جانشین تھے۔ ابونصر اپنے باپ کی موجودگی ہی میں مسند درس پر فروکش ہو چکے تھے اور دوسرے صاحبزادے ابوسعد اپنے زمانہ کے ممتاز فقیہ اور صاحب علم خیال کئے جاتے تھے۔[۵]

تصنیفات | امام اسماعیلی کی جن کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ مسند عمر۔ یہ دو جلدوں میں تھی اور حافظ ذہبی کی نظر سے گزری تھی۔ انھوں نے

۱؎ تاریخ جرجان تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ۲؎ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ۳؎ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ۴؎ ایضاً تاریخ جرجان کتاب الانساب ۵؎ طبقات الشافعیہ [illegible]

Marfat.com

اس کی تعلیق بھی لکھی تھی[1]

۲۔ مسند کبیر۔ یہ نہایت ضخیم کتاب اور تقریباً سو جلدوں پر مشتمل تھی، مگر اس کو زیادہ شہرت نہیں ملی۔

۳۔ مستخرج۔ اس کا نام صحیح اسماعیلی بھی ہے۔ یہ صحیح بخاری پر مستخرج ہے[2]۔ حافظ ابن کثیر کے اس بیان سے اس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ انھوں نے صحیح بخاری پر مستخرج لکھا، یہ بیشمار فائدوں اور معلومات پر مشتمل ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس کا انتخاب کیا تھا، جو منتقی ابن حجر کے نام سے مشہور ہے، اسماعیلی نے بخاری کی تعلیمات کو یکجا کر دیا تھا، لیکن حافظ نے ان کا جدا جدا ذکر کیا ہے[3]

معجم۔ اسماعیلی کی یہ اہم تصنیف ہے، اس کے متعلق حافظ ابن حجر نے مصنف کے حوالہ سے مجمع المؤسس میں یہ تصریح نقل کی ہے۔

میں نے جن شیوخ سے حدیثیں سنی اور لکھی ہیں یا جن کے سامنے قرات کی ہے ان کے ناموں کے حصر اور حروف معجمہ پر تخریج کے متعلق اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا تاکہ طلبہ کو اس سے سہولت ہو اور ناموں میں التباس واشکال کے وقت وہ اس کی جانب رجوع کر سکیں ہر شیخ کی صرف ایک ہی حدیث نقل کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے اس کا مقصد فی الواقع مفید حدیثوں کو جمع کرنا ہے، جن راویوں کے طرق میرے خیال میں کذب واتہام یا عام محدثین سے تفرد کی بناء پر ناپسندیدہ ہیں، ان کی حقیقت اس میں اچھی طرح واضح کر دی گئی ہے لیکن جن لوگوں کا قدح وطعن بالکل واضح اور ظاہر ہے۔ ان کی حدیث کی تخریج کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا میں نے تیمناً وتبرکاً اس کو احمد کے نام سے شروع کیا ہے اور جمادی الاولی ۳۶۱ھ میں اس کی جمع وتالیف کی ابتدا کی ہے[4]

---

[1] بستان المحدثین [2] مستخرج کی تعریف کے لئے ملاحظہ ہو، تذکرۃ المحدثین جلد اول [3] بستان المحدثین [4] ایضاً وانتحاف النبلاء المتقین

امام ابوالحسن دارقطنی

(متوفی ۳۸۵ھ)

نام ونسب | ابوالحسن کنیت، علی اور نسب نامہ یہ ہے۔ علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان بن دینار بن عبداللہ۔[1]

ولادت وطن | صحیح روایت کے مطابق امام دارقطنی ۵ ذوقعدہ ۳۰۶ھ کو بغداد کے ایک محلہ دارقطن میں پیدا ہوئے، یہ محلہ کرخ اور نہر عیسٰی بن علی کے درمیان واقع اور متعدد اکابر کا مولد تھا، لیکن بعد میں ویران ہوگیا، علامہ سمعانی کے بغداد تشریف لانے کے زمانہ میں یہ اجڑ چکا تھا۔[2]

اساتذہ | امام صاحب کے بعض مشہور شیوخ واساتذہ کے نام یہ ہیں:۔

قاضی ابراہیم بن حماد، ابن درید، ابن زیاد نیشاپوری، ابن نیروز، ابوبکر بن ابی داؤد سجستانی، ابوحامد بن ہارون حضرمی، ابوسعید عدوی، ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز، ابوجعفر احمد بن اسحٰق بن بہلول، احمد بن عیسٰی بن مسکین بلدی، احمد بن قاسم فرائضی، ابوطالب احمد بن نصر، عبدالوہاب بن ابی حیہ، علی بن عبداللہ بن بشر، فضل بن بشر، فضل بن احمد زبیدی، ابوعلی محمد بن سلیمان مالکی، محمد بن قاسم محاربی، محمد بن نوح جندیساپوری، ابوعمر محمد بن یوسف قاضی ازدی، یحیٰی بن محمد بن صاعد، یوسف بن یعقوب نیشاپوری۔[3]

تلامذہ | ان کے بعض مشہور تلامذہ کے نام حسب ذیل ہیں۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۲ [2] کتاب الانساب [illegible] [3] ایضاً وتذکرۃ الحفاظ ج ۳ ایضاً

Marfat.com

ابوبکر احمد بن محمد برقانی، ابوبکر بن بشران، ابوحامد اسفرائنی، ابوالحسن بن الآبنوسی، ابوالحسین بن مہتدی باللہ، ابوذر عبد بن احمد ہروی، ابوطالب بن عباری، ابوطاہر بن عبد الرحیم قاضی ابوالطیب طبری، ابوالقاسم بن بشران، ابوالقاسم بن محسن، ابومحمد جوہری، ابومحمد خلال ابونعیم اصفہانی صاحب حلیۃ الاولیاء ابوالقاسم ازہری تمام رازی صاحب فوائد مشہورہ، ابوعبداللہ حاکم صاحب المستدرک ابوالقاسم حمزہ بن محمد بن طاہر، ابوالقاسم حمزہ بن یوسف سہمی، ابوالقاسم عبدالصمد بن مامون ہاشمی، عبدالعزیز ازجی حافظ عبدالغنی ازدی منذری صاحب ترغیب وترہیب، ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمی[1]

طلب حدیث کے لئے سفر امام دارقطنی کو علم وفن خصوصاً احادیث نبوی سے غیر معمولی شغف تھا، وہ نہایت کمسنی میں اس فن کی تحصیل میں مشغول ہوگئے تھے، ابویوسف قواس کا بیان ہے کہ جب ہم بغوی کے پاس جاتے تھے، تو دارقطنی بہت چھوٹے تھے، ان کے ہاتھ میں روٹی اور سالن ہوتا تھا امام صاحب کے زمانہ میں بغداد علمی حیثیت سے نہایت ممتاز اور نامور علماء ومحدثین کا مرکز تھا، مگر وہ اپنی تشنگی علم کو بجھانے کے لئے بغداد کے علاوہ کوفہ، بصرہ، واسط، شام اور مصر وغیرہ متعدد مقامات میں تشریف لے گئے[2]

حفظ وذکاوت امام دارقطنی کا حافظہ غیر معمولی اور بے نظیر تھا، نہ صرف احادیث بلکہ دوسرے علوم کا بھی ان کا سینہ مخزن تھا، بعض شعراء کے دواوین ان کو ازبر تھے، قدیم عربوں کی طرح وہ تحریر وکتابت کے بجائے اکثر اپنے حافظہ ہی سے کام لیتے تھے، اپنے تلامذہ کو کتابیں زبانی املا کراتے تھے، تذکرہ نگاروں نے ان کو الحافظ الکبیر، الحافظ المشہور، کان عالماً حافظاً وغیرہ لکھا ہے، ذہبی نے ان کو حافظ الزمان کہا ہے، حاکم فرماتے ہیں کہ "وہ حافظہ میں یکتائے روزگار تھے"، سمعانی کا بیان ہے کہ دارقطنی کا حافظہ ضرب المثل تھا، علامہ ابن جوزی رقمطراز ہیں کہ "وہ حافظہ میں منفرد اور یگانۂ عصر تھے"، حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ بچپن ہی سے دارقطنی اپنے نمایاں اور غیر معمولی حافظہ کے لئے مشہور تھے[3] ابوالطیب طاہر طبری کا بیان ہے کہ بغداد میں جو بھی حافظ حدیث آتا وہ امام دارقطنی کی خدمت میں ضرور حاضر

[1] تاریخ بغداد ج ۱۲ [2] کتاب الانساب تذکرۃ الحفاظ ج ۳ [3] تذکرۃ الحفاظ ج

Marfat.com

ا، اور اس کے بعد اس کے لئے ان کی علمی بلند پائیگی اور حافظہ میں برتری اور تقدم کا اعتراف کرنا لازمی جاتا تھا، ان کے حافظہ اور ذہانت کا یہ حال تھا کہ ایک ہی نشست میں ایک ہی روایت کی بیسیوں ندیں برجستہ بیان کر دیتے تھے، حافظ ذہبی نے اس طرح کے ایک واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے اس کو دیکھکر دارقطنی کی بے پناہ ذہانت، قوت حفظ اور غیر معمولی فہم و معرفت کے سامنے سرنگوں ہو نا پڑتا ہے، شباب کے زمانہ میں ایک روز وہ اسماعیل صفار کے درس میں شریک ہوئے، وہ کچھ یثیں املا کرا رہے تھے، امام دارقطنی کے پاس کوئی مجموعۂ حدیث تھا، یہ بیک وقت اس کو نقل بھی کرتے اتے تھے، اور صفار سے حدیثیں بھی سن رہے تھے، اس پر کسی شریک مجلس نے ان کو ٹوکا اور کہا ارا سماع صحیح اور معتبر نہیں ہو سکتا، کیونکہ تم لکھنے میں مشغول ہو اور شیخ کی مرویات کو ٹھیک سے سمجھنے ر سننے کی کوشش نہیں کرتے، امام دارقطنی نے جواب دیا کہ املا کو سمجھنے میں میرا طریقہ آپ سے لف ہے، کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ حضرت شیخ نے اب تک کتنی حدیثیں املا کرائی ہیں؟ اس شخص نے نی میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا کہ اب تک اٹھارہ[۱۸] حدیثیں املا کرائی ہیں، شمار کرنے پر وہ واقعی ٹھارہ ہی نکلیں، پھر آپ نے ایک ایک حدیث کو بے تکلف بیان کر دیا، اور اسناد و متون میں وہی رتیب بھی قائم رکھی جو شیخ نے بیان کی تھی، پورا مجمع اس حیرت انگیز ذہانت اور غیر معمولی حافظہ کو دیکھ کر نگ رہ گیا، بعض مورخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شریک مجلس کے بجائے خود شیخ اسماعیل صفار نے ان کو تنبیہ فرمائی تھی۔

ابوبکر برقانی کا بیان ہے کہ میں اکثر ابو مسلم بن مہران کے سامنے دارقطنی کی تعریف کیا کرتا تھا، ایک دن انھوں نے کہا تم دارقطنی کی تعریف میں افراط اور غلو سے کام لیتے ہو، ذرا ان سے ضراس کی وہ حدیث دریافت کرو جو ابن مسعودؓ سے مروی ہے، میرے دریافت کرنے پر امام صاحب نے نہ صرف وہ حدیث بلکہ اس کے اختلاف وجوہ اور امام بخاری کی اس روایت کے بارے میں خطا بھی واضح کر دی اور میں نے اس کو بھی علل میں شامل کر لیا۔[۱]

---

[۱] تاریخ بغداد صفحات تذکرۃ الحفاظ ج ۳ بستان المحدثین

ثقاہت | حافظ کی طرح ان کی ثقاہت بھی مسلّم ہے۔ خطیب نے ان کے مناقب میں راست بازی، امانت اور عدالت کا ذکر کیا ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے اپنے دیباچہ میں امام دارقطنی کو اکابر محدثین اور متقین میں شمار کیا ہے۔

علل و اسماء الرجال | وہ روایت کی طرح درایت کے بھی ماہر اور جرح و تعدیل کے فن میں امام تھے۔ ان کا شمار مشہور نقادان حدیث میں کیا جاتا ہے۔ ممتاز محدثین اور ائمۂ فن نے ان کے اس کمال کا اعتراف کیا ہے۔ رجال کی تمام معتبر و متداول کتابوں میں ان کے نقد و جرح کے اقوال موجود ہیں۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ "امام کی عظمت و براعت شان دیکھنی ہو تو ان کی علل کا مطالعہ کرو، تم مبہوت ہو جاؤ گے۔" سعد بن علی زنانی سے چار ہمعصر محدثین بغداد کے دارقطنی، مصر کے عبدالغنی بن سعید، اصفہان کے ابوعبداللہ بن مندہ اور نیشاپور کے ابوعبداللہ حاکم کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ دارقطنی علل سے واقفیت میں ان سب سے فائق ہیں۔ خطیب کا بیان ہے کہ احادیث و آثار، علل حدیث، اسماء الرجال اور احوال رواۃ کا علم ان پر ختم ہو گیا۔" حافظ ابن جوزی کا ارشاد ہے کہ "امام دارقطنی کی علم حدیث، اسماء الرجال اور علل حدیث میں معرفت مسلّم ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے نہایت شاندار الفاظ میں ان کی ناقدانہ بصیرت و ژرف نگاہی کا اعتراف کیا ہے فرماتے ہیں "احادیث پر نظر اور علل اور جرح و تعدیل کے امام اور فن درایت میں مکمل دستگاہ رکھتے تھے۔" ان کے معاصر و شاگرد حاکم کا بیان ہے کہ "میں قیام بغداد کے زمانہ میں اکثر ان کی صحبتوں سے لطف اندوز ہوتا تھا، یہ واقعہ ہے کہ میں نے ان کی جس قدر تعریفیں سنی تھیں ان سے بڑھ کر ان کو پایا میں ان سے شیوخ، رواۃ اور علل حدیث کے متعلق سوالات کرتا تھا اور وہ ان کا جواب دیتے تھے۔ میری شہادت ہے کہ روئے زمین پر ان کی کوئی نظیر موجود نہیں۔"[1] شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ "فقہی احکام و مسائل اور حلال و حرام کی معرفت میں جو حیثیت مالک، سفیان ثوری، اوزاعی اور شافعی وغیرہ ائمہ فقہ کی راویوں اور راقموں کی ہے۔ وہی حیثیت رجال اور صحیح و ضعیف احادیث کے بارے میں یحییٰ بن معین، بخاری، مسلم،

---

[1] تدریب الراوی، تاریخ بغداد ج ۱۲ تذکرہ ج ۳ کتاب الانساب المنتظم ج ۷، البدایہ والنہایہ ج ۱۱

ابوزرعہ، نسائی، ابن عدی، اور امام دارقطنی وغیرہ جہابذہ محدثین و نقادانِ فن کے کلام کی سند ہے۔[1] ان کی عظمت کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ علل میں ان کی تصنیف سب سے بہتر اور جامع خیال کی جاتی ہے۔ اور اس فن میں ان کے بعض اولیات بھی ہیں۔ مثلاً مدبج اور روایت اقران کی ایجاد کا فخر ان ہی کو حاصل ہے۔ عراقی کا بیان ہے کہ میرے علم کے بموجب دارقطنی نے سب سے پہلے اس اصطلاح کو وضع کیا ہے۔[2]

ازہری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ کسی حدیث کی علت یا کسی راوی کے متعلق محمد بن ابی الفوارس کو جواب دیتے ہوئے فرمایا "اے ابوالفتح مشرق و مغرب کے درمیان اس فن کا جاننے والا میرے سوا کوئی نہیں" حمزہ بن محمد بن طاہر دقاق نے مندرجہ ذیل شعروں میں ان کے کمالِ فن کا اعتراف کیا ہے۔

جعلناک فیما بیننا ورسولنا — وسیطا فلم تظلم ولم تتحرب

فانت الذی لولاک لم یعرف الوری — ولو جهدوا ما صادق من مکذب

(ترجمہ) اے امام حدیث آپ ہمارے اور رسول اللہ کے درمیان بہترین اور عمدہ واسطہ ہیں اگر آپ کی پُرکمالات ذات نہ ہوتی تو لوگ انتہائی کوششوں کے باوجود بھی سچے اور جھوٹے راویوں اور صحیح و غلط حدیثوں میں تمیز نہیں کر سکتے تھے۔

حدیث و اسماء الرجال سے ان کی گہری واقفیت کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے جملوں میں معمولی غلطی بھی کرتا تو وہ فوراً اس کو تاڑ جاتے اور بروقت اس کی اصلاح کر دیتے تھے، ایک مرتبہ خلال نے یہ حدیث پڑھی اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی۔ اس میں انھوں نے عفو کو مخفف پڑھا تو امام صاحب نے فوراً ٹوکا کہ عفو مشدد ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں "علل حدیث و رجال کی معرفت میں یگانۂ روزگار اور عدیم المثال تھے۔ خطیب، حاکم اور اس فن کے دوسرے ممتاز ائمہ نے اس کا اعتراف کیا ہے۔[3]

حدیث میں درجہ امام دارقطنی کو اصل شہرت حدیث میں امتیاز کی بنا پر حاصل ہے۔ ان کے

[1] الرد علی البکری [2] تدریب الراوی [3] تاریخ بغداد ج و تذکرہ ج ۳ و بستان المحدثین

حفظ وضبط، ثقاہت واتقان، روایت ودرایت میں مہارت اور علل کی معرفت وغیرہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا، اس سے بھی ان کے حدیث میں کمال، بلند پایگی اور تبحر کا پوری طرح اندازہ ہوجاتا ہے، ائمہ فن اور نامور محدثین نے ان کے عظیم المرتبت اور صاحب کمال محدث ہونے کا اعتراف کیا ہے، خطیب کا بیان ہے کہ "احادیث وآثار کا علم ان پر ختم ہوگیا، وہ حدیث میں یکتائے روزگار، نابغۂ دہر اور امام فن تھے"۔ امام بخاری کی طرح امام دار قطنی کو بھی ان کے زمانہ میں امیر المومنین فی الحدیث (اقلیم حدیث کے تاجدار) کا خطاب ملا تھا۔ عبد الغنی بن سعید کا بیان ہے کہ "حدیث پر بحث وگفتگو میں تین اشخاص اپنے اپنے زمانہ میں نہایت ممتاز تھے، علی بن مدینی، موسیٰ بن ہارون اور علی بن عمر دار قطنی"۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں "وہ علم حدیث میں منفرد اور امام تھے۔ ان کے معاصرین میں کوئی اس رتبہ اور پایہ کا شخص نہیں گزرا"۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں، "روایت کی وسعت وکثرت کے اعتبار سے وہ امام دہر تھے"۔ ابن عماد حنبلی کہتے ہیں "حدیث اور اس کے متعلقہ فنون میں وہ منتہی تھے، اور اس میں امیر المومنین کہلاتے تھے"۔ ابوبکر بن ہبۃ اللہ صاحب طبقات الشافعیہ لکھتے ہیں کہ وہ اپنے دور میں حدیث کے امام تھے"۔ ابو الطیب طبری کا بیان ہے کہ امام صاحب کی مجلس میں ایک روز مس ذکر کی حدیث پڑھی جارہی تھی، امام صاحب نے اس کے بیشمار طرق جمع کرکے اس کے فوائد پر عمدہ تقریر کی اور اس کے بعد فرمایا کہ اگر امام احمد بھی اس وقت موجود ہوتے تو وہ اس معاملہ میں مجھ سے استفادہ کرتے"۔[1]

امام صاحب کے اس فن میں مقام ومرتبہ کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ صحاح ستہ کے مصنفین کے بعد جن مصنفین کو معتبر اور جن کی تصنیفات کو مستند اور زیادہ پرمنفعت خیال کیا گیا ہے ان میں ان کا نام نامی بھی ہے، ابن صلاح، نودی، صاحب مشکوٰۃ اور علامہ سیوطی نے اس حیثیت سے ان کا ذکر واعتراف کیا ہے۔[2]

فقہ وخلافیات | امام صاحب فقہ میں ممتاز فقہا کے مذاہب ومسالک کے نہایت واقف کار

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۲، ابن خلکان ج ۲ البدایہ ج ۱۱، طبقات الشافعیہ لابی بکر، شذرات الذہب ج ۳، کتاب الانساب [2] مقدمہ ابن صلاح تدریب الراوی مقدمہ مسکانی

Marfat.com

اور اخلاقیات کے بڑے ماہر تھے ان کی سنن بھی اس پر شاہد ہے۔ خطیب لکھتے ہیں کہ حدیث کے علاوہ مذاہب فقہا کی معرفت میں بھی ان کا درجہ نہایت بلند ہے، کتاب السنن کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو فقہ سے بڑا اعتنا و اشتغال تھا، کیونکہ کتاب کے محتویات و مشمولات کو وہی شخص جمع اور مرتب کر سکتا ہے۔ جس کو احکام و مسائل اور فقہاء کے اختلافات سے اچھی اور پوری طرح واقفیت ہو، اس فن کو انھوں نے ابوسعید اصطخری اور ایک روایت کے مطابق ان کے کسی خاص شاگرد سے حاصل کیا تھا، مورخین اور سوانح نگاروں کا متفقہ بیان ہے کہ وہ کان عارفا باختلاف الفقہاء۔[1]

فقہی مذہب | اگرچہ امام دارقطنی شافعی المذہب تھے، لیکن ان کا شمار اس مذہب کے صاحب وجوہ فقہا میں ہوتا ہے، صاحب وجوہ وہ فقہا کہلاتے تھے جنہوں نے اپنے ائمہ کے مذہب کی تکمیل اور ان سے منسوب مختلف روایتوں کے درمیان تطبیق و ترجیح اور ان کے وجوہ و علل واضح کئے ہیں اور جن مسائل کے متعلق ان کے ائمہ کی تصریحات موجود نہیں تھیں ان کو ان کے اصول و علل پر قیاس کرکے فتوی دیا ہے۔ ابن خلکان نے دارقطنی کو فقیہا علی مذہب الشافعی اور یافعی نے صاحب الوجہ فی المذہب لکھا ہے۔[1]

نحو، تفسیر، قرأت و تجوید | امام صاحب کو علم نحو، فن قرأت اور تجوید میں بھی خاص کمال اور تفسیری و قرآنی علوم سے بڑا شغف تھا، ابو الفداء کا بیان ہے کہ وہ قرأت کے امام تھے، خطیب کہتے ہیں کہ وہ نحاۃ و قراء کے امام اور تجوید و قرات میں بلند پایہ تھے، انھوں نے حروف و مخارج کی تحقیق و ادائگی کا علم بچپن میں ابو بکر بن مجاہد سے سیکھا اور محمد بن حسین نقاش طبری، احمد بن محمد دیباجی، ابو سعید قزاز وغیرہ ماہرین فن سے اس کی باقاعدہ تکمیل کی اور آخر عمر میں خود اس فن میں مرتبہ امامت و اجتہاد پر فائز ہو گئے، اور اس میں ایک رسالہ بھی لکھا، اس میں قدیم قراء کے متعلق ایک نیا طرز انھوں نے ایجاد کیا تھا، یہ طرز بعد میں مقبول ہوا، اور لوگوں نے اسے اختیار کیا۔[2]

---

[1] تاریخ ابن خلکان ج ۱ و مرآۃ الجنان ج ۲ [2] تاریخ ابوالفداء ج ۲ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ تاریخ بغداد ج ۱۲

شعر و ادب | امام دار قطنی شعر و ادب کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے، بعض شعرا کے دواوین ان کو زبانی یاد تھے۔ عربی زبان و ادب پر ان کو اس قدر قدرت اور کامل عبور تھا کہ ایک دفعہ مصر تشریف لے گئے تو وہاں علوی خاندان کے ایک شخص مسلم بن عبداللہ موجود تھے، یہ ادب، فصاحت و بلاغت اور زبان دانی کے بڑے ماہر تھے، ان کے پاس زبیر بن بکار کی کتاب الانساب تھی جس کی حسن بن داؤد نے ان سے روایت کیا تھا، اور جو انساب کے علاوہ اشعار اور ادبی حکایات و لطائف کا بھی بہترین مجموعہ تھی۔ لوگوں نے امام دار قطنی سے اس کی قرأت کی فرمائش کی۔ امام صاحب نے سب کے شدید اصرار کی وجہ سے اس کو منظور کر لیا، چنانچہ اس تقریب کے لئے ایک مجلس کا اہتمام کیا گیا، اس میں مصر کے نامور علماء و فضلاء اور اساطین شعر و ادب بھی شریک ہوئے تاکہ امام دار قطنی کی غلطیوں کی گرفت کر سکیں، لیکن ان لوگوں کو ناکامی ہوئی اور امام کے حیرت انگیز کمال کو دیکھ کر سب دنگ رہ گئے، خود مسلم کو بھی ان کے ادبی مذاق کی پختگی و بلندی اور عربی زبان پر غیر معمولی قدرت اور دسترس کا اعتراف کرنا پڑا۔[1]

جامعیت | ان گوناگوں کمالات سے ان کی جامعیت کا اندازہ ہوتا ہے، گو ان کو اصل شہرت حدیث میں امتیاز کی وجہ سے ہے تاہم وہ کسی فن میں بھی عاجز و قاصر نہ تھے، خطیب کا بیان ہے کہ حدیث کے علاوہ دیگر متعدد علوم و فنون میں ان کو درک و مہارت تھی۔ ازہری کا بیان ہے کہ امام دار قطنی بڑے ذہین و طباع تھے، ان کے سامنے کسی علم کا بھی تذکرہ کیا جاتا تو اس کے متعلق معلومات کا بیشتر ذخیرہ ان کے پاس ہوتا۔ محمد بن طلحہ نعالی ایک روز ان کے ساتھ کسی دعوت میں شریک تھے، جب کھانے پر گفتگو چھڑی تو دار قطنی نے اس کے اتنے واقعات و حکایات اور نوادر و عجیب بیان کئے کہ رات کا اکثر حصہ ختم ہو گیا، حاکم سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ نے دار قطنی کی طرح کوئی جامع کمالات شخص دیکھا ہے؟ تو انہوں نے نفی میں جواب دیا، ابو الفداء کا بیان ہے کہ وہ متعدد علوم میں جامع تھے۔[2]

---

[1] تذکرہ و تاریخ بغداد حوالہ مذکور [2] تاریخ بغداد ج ۱۲ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و تاریخ ابو الفداء ج ۲

ودانش | اللہ تعالیٰ نے ان کو فہم ودانش سے بھی سرفراز کیا تھا۔ حاکم کا بیان ہے کہ امام
لمی اس حیثیت سے بھی یکتائے روزگار تھے، خطیب نے ان کے فقہ وفہم کی تعریف کی ہے۔

ع وتقویٰ | حاکم کا بیان ہے کہ وہ ورع وتقویٰ میں بے مثال تھے، خلال کا بیان ہے ایک روز
اپنے ایک استاد کے یہاں گیا وہاں ابوالحسین بن منظفر، قاضی ابوالحسن جراحی اور امام دارقطنی وغیرہ
فن واصحاب کمالات موجود تھے، جب نماز کا وقت ہوا تو دارقطنی نے امامت کی، حالانکہ اس
ں میں ان سے زیادہ معمر مشائخ موجود تھے، امام صاحب دین کے معاملہ میں کسی مداہنت، نرمی اور
بنت کو پسند نہیں کرتے تھے، ان کے زمانہ میں شیعیت کا زور تھا، لیکن انھوں نے شیعوں سے
الرغم حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ سے افضل قرار دیا تھا۔

برت ومقبولیت | امام صاحب اپنے بیشمار کمالات کی وجہ سے نہایت مقبول ومحترم سمجھے
تے تھے، امام اور شیخ الاسلام ان کے نام کا جز ہوگیا تھا، جب مسند درس پر رونق افروز ہوتے
تشنگان علوم کا ہجوم اردگرد رہتا تھا، آپ کی مجلس درس نہایت باوقار اور پرہیبت ہوتی تھی
ور محدثین کو بھی احترام کی وجہ سے لب کشائی کی جرأت نہیں ہوتی تھی، ابن شاہین ایک مرتبہ ان
کے درس میں شریک ہونے تو ان پر اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ ایک کلمہ بھی زبان پر نہ لاسکے کہ
بادا کوئی غلطی ہوجائے، آپ کے تلامذہ ہمیشہ آپ کا نام عزت واحترام کے ساتھ لیتے تھے، بلکہ
وخود بھی نامور اور صاحب کمال محدث تھے، اور بقول برقانی دارقطنی کے بعد میں نے ان سے بڑا کوئی
حافظ حدیث نہیں دیکھا لیکن جب کبھی وہ دارقطنی کے حوالہ سے کوئی بات بیان کرتے تو قال لنا
معت استاذی وغیرہ ضرور کہتے، اس کا سبب دریافت کیا گیا تو نہایت فراخدلی کے ساتھ اعتراف
کیا کہ ہم نے یہ جو دو چار حروف سیکھے ہیں وہ ان ہی امام دارقطنی کا فیض ہے۔

لطائف وظرائف | امام صاحب بڑے پُر مذاق اور شگفتہ مزاج تھے، اس لئے لطف وتفریح
مزاح وتفنن اور دلچسپی کی باتیں بھی کرتے تھے، ایک روز ابوالحسن بیضاوی آپ کی خدمت میں

لہ تاریخ بغداد ج ۱۲ تذکرہ بحوالہ مذکور ۲ تاریخ بغداد ج ۱۲ ۳ ایضاً ص ۳۹ ۴ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۹۷

ایک شخص کو پیدا تانے اور آپ سے کچھ حدیثیں املا کرانے کی فرمائش کی امام صاحب نے ...
معذرت کی اور کہا مجھے فرصت نہیں ہے۔ لیکن جب بغدادی نے اصرار کیا اور کہا کہ یہ مساف...
اور دور دراز سے محض حدیث کی تلاش و تحصیل کے لئے آئے ہیں تو امام صاحب نے اسی
اپنی یادداشت سے ایک حدیث بیش طرق اور سندوں سے بیان کی، سب کا متن یہ تھ...
نعم الشیئ الھدیۃ امام الحاجۃ یعنی حاجت اور غرض پیش کرنے سے پہ...
ہدیہ کرنا بہت عمدہ بات ہے، جب دوسرے دن یہ صاحب پھر تشریف لائے تو اپنے سا...
کچھ مناسب ہدیہ بھی لائے۔ امام دارقطنی نے ان کو اپنے قریب بیٹھایا، اور ایک حدیث شرط...
سے زبانی املا کرائی۔ جس کا متن یہ تھا۔

اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ جب کسی قوم کا سردار یا شریف آدمی تمہا...
پاس آئے تو اس کی تعظیم کرو۔

ان کی شگفتگی مزاج کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک دن نفل پڑھ رہے تھے، اتفاقاً ان ...
پاس ہی ایک شخص کسی مجموعۂ حدیث کے مطالعہ میں مشغول تھا۔ اس نے ایک راوی نسیر (نون وسین
مصغر) کو بشیر (بائے موحدہ وشین معجمہ) پڑھا، امام دارقطنی نے نماز ہی میں ان کو متنبہ کرنے کے
لیے سبحان اللہ کہا۔ وہ سمجھ گئے لیکن دوبارہ بھی غلط ہی پڑھا اور نسیر کہنے کے بجائے یسیر (بصیغہ یا ...
وسین مصغر) کہا۔ امام صاحب نے پھر سبحان اللہ کہا۔ اب وہ خاموش ہو گئے۔ امام ...
صاحب نے دیکھا کہ اب بھی وہ صحیح نہیں پڑھ رہا ہے تو یہ آیت تلاوت کی ن والقلم وما
یسطرون، تب قاری نے سمجھا کہ یہ نسیر ہے۔[1]

اسی قسم کا ایک لطیفہ اور بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن وہ نفل ادا کر رہے تھے کوئی ...
کاتب نے عمرو بن شعیب کا نام غلطی سے عمرو بن سعید پڑھا، امام دارقطنی نے سبحان اللہ کہا قاری
سمجھ گیا کہ میں نے غلط پڑھا ہے، اس لیے سند دہرا کر خاموش ہو گیا امام صاحب نے اس کی تصحیح ...

[1] امام دارقطنی شافعی المذہب تھے۔ شوافع کے یہاں نماز میں اس طور پر تلقین کرنا جائز ہے مگر امام ابوحنیفہ کے یہاں یہ جائز نہیں تھا

کے لئے یہ آیت پڑھی "یاشعیب اصلوٰتک تامرک" ۔[۱]

یہ واقعات محض لطائف ہی نہیں ہیں بلکہ ان سے امام صاحب کی ذہانت، قوت حفظ، استحضار علم اور حدیث میں بالغ نظری اور مہارت کا پتہ چلتا ہے۔

اخلاق وعادات | امام صاحب کے اخلاق وعادات کا ذکر کتابوں میں نہیں ملتا لیکن بعض واقعات اور مورخین کے ضمنی بیانات سے ان کی طبعی شرافت اور حسن اخلاق کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً وہ فضول باتوں کو سخت ناپسند کرتے تھے اور خاموشی کو پسند کرتے تھے، طبیعت میں نرمی اور انکساری تھی، لوگوں کی دلآزاری سے پرہیز کرتے تھے، طلبہ کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ ان کی علمی امداد و اعانت بھی کرتے۔ امام صاحب کی شگفتہ مزاجی اور بذلہ سنجی سے بھی ان کے حسن اخلاق کا پتہ چلتا ہے۔

عقائد | وہ بڑے صحیح العقیدہ تھے، مذہبی و اعتقادی مسائل میں ان کا مسلک وہی تھا جو اہلسنت والجماعت کا ہے، مورخ خطیب لکھتے ہیں، وہ فہم و فراست، حفظ و ذکاوت، صدق و امانت اور ثقاہت و عدالت وغیرہ اوصاف کی طرح صحت اعتقاد اور سلامتی مذہب سے بھی متصف تھے۔[۲] دوسرے مورخین نے بھی ان کے عقیدہ کی صحت و درستگی کا ذکر کیا ہے، لیکن ان کے باوجود ان پر تشیع کا الزام عائد کیا جاتا ہے، اس پر آگے بحث کی جائے گی۔

وفات | مشہور روایت کے مطابق ان کا انتقال ۸ ذوالقعدہ ۳۸۵ھ کو ہوا، مشہور فقیہ ابو حامد اسفرائنی نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور مشہور بزرگ معروف کرخی کے مزار کے قریب باب حرب میں سپرد خاک کئے گئے۔ ابو نصر بن ماکولا کا بیان ہے کہ میں نے رمضان کی ایک رات میں خواب دیکھا کہ میں امام دارقطنی سے آخرت میں انجام کے بارے میں سوال کر رہا ہوں، اور وہ مجھے یہ جواب دے رہے ہیں کہ جنت میں دارقطنی امام کہلاتے ہیں۔[۳]

امام دارقطنی پر بعض اعتراضات | امام دارقطنی کی عظمت شان اور ان کے بلند علمی مرتبہ کے باوجود ان پر چند اعتراضات کئے گئے ہیں اس لئے ذیل میں ان کو نقل کر کے ان کا جواب تحریر

۱ تاریخ بغداد ج ۱۲ ۲ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ بستان المحدثین و اتحاف النبلاء المتقین ۳ تاریخ بغداد ج ۱۲ ۴ ابن خلکان ج ۱

کیا جاتا ہے۔

شیعیت کا الزام | ان پر سب سے بڑا الزام شیعیت کا لگایا گیا ہے، لیکن اس کی حقیقت صرف اس قدر بیان کی جاتی ہے کہ ان کو مشہور شیعی شاعر سید حمیری[1] کا دیوان زبانی یاد تھا، چنانچہ خطیب لکھتے ہیں کہ میں نے حمزہ بن محمد بن طاہر دقاق کو یہ کہتے سنا کہ ابوالحسن دارقطنی کو منجملہ اور دواوین کے سید حمیری کا دیوان بھی زبانی یاد تھا، اسی وجہ سے ان کی طرف شیعیت کی نسبت کی جاتی ہے۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ ان کو جن عرب شعرا کے دواوین یاد تھے ان میں سید حمیری کا دیوان بھی تھا، اس لئے ان پر شیعیت کا الزام لگایا گیا ہے۔[2] دوسرے مورخین نے بھی اسی چیز کو نقل کیا ہے، اس کے علاوہ امام صاحب کی شیعیت کا اور کوئی ثبوت نہیں بیان کیا گیا ہے۔

ظاہر ہے محض اتنی سی بات پر امام صاحب کو شیعیت سے متہم کرنا غلط اور سراسر خلاف انصاف ہے، پہلے گذر چکا ہے کہ ان کو زبان و ادب اور شعر و سخن کا عمدہ ذوق تھا، اپنے اس ذوق کی تکمیل کے لئے وہ ادب و محاضرات کی کتابوں اور شعرا کے دواوین کا دلچسپی سے مطالعہ کرتے تھے ان کا حافظہ نہایت قوی تھا، اس لئے اکثر چیزیں ان کے لوح قلب پر نقش ہو جاتی تھیں، سید حمیری یاوہ گو اور شیعی ہونے کے باوجود ایک باکمال شاعر تھا، اس کا کلام ادبی لطافت و رعنائی سے معمور ہوتا تھا، اس کی خوبیوں اور لطف زبان کی وجہ سے امام صاحب کو اس سے دلچسپی رہی ہوگی اور یہ ان کو زبانی یاد ہو گیا ہوگا، اس کا شیعیت سے کیا تعلق ہے؟ یہ تو درحقیقت فن اور اہل کمال کی قدردانی ہے، لیکن تاریخ اسلام میں جس طرح بیشمار مقدس اور برگزیدہ علمائے اسلام

---

[1] اس کا نام اسماعیل، کنیت ابوہاشم اور نسب نامہ یہ ہے، اسماعیل بن محمد بن یزید بن ربیعہ مفرغ حمیری، اس کی ماں قبیلہ ازد کی تھی، یہ بڑا مشہور یاوہ گو مگر پر گو شاعر تھا، لیکن نہایت دریدہ دہن، بدزبان اور غالی شیعہ تھا، یاوہ گوئی کے لئے مشہور تھا، یاد ... کیا جاتا ہے کہ ... اس کو قید کر دیا اور سخت سزائیں دیں، لیکن حضرت معاویہؓ نے اسے آزاد کر دیا، صحابہ کرامؓ اور ازواج مطہراتؓ کی شان میں طعن و تشنیع، سب و شتم اور گستاخی و دریدہ دہنی اس کا شعار بن گیا تھا، اللہ کی شان دیکھئے کہ اس کے کمالات کے باوجود اس کی یاوہ گوئی اور دریدہ دہنی کی وجہ سے اس کا نام و نشان اور کلام سب مٹ گیا (کتاب الاغانی ...)

[2] تاریخ بغداد ج ۱۲، تاریخ ابن خلکان

Marfat.com

بےبنیاد اعتراضات اور سراپا الزامات کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اسی طرح امام صاحب پر بھی یہ الزام ردیا گیا، اور اکابر پر ممکن ہے اس قسم کے الزامات کے کچھ وجوہ رہے ہوں لیکن امام دارقطنی کو ت سے متہم کرنے کی معمولی وجہ بھی موجود نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے اس الزام کا ذکر کرنے فوراً بعد ہی اس کی پرزور تردید بھی کی ہے۔ فالبعدہ من التشیع بھی ان کا شیعیت سے دور کا علق نہیں۔

امام صاحب کے حالات وواقعات زندگی سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے کیونکہ بعض صریح اور واضح شواہد موجود ہیں جن سے امام صاحب کی شیعیت سے بیزاری کا پتہ چلتا ہے مثلاً ابن طاہر کا بیان ہے کہ بغداد میں ایک بار تفضیل علی کے متعلق اختلاف ہوا تو لوگ امام دارقطنی مت میں استفسار کے لئے آئے۔ انھوں نے پہلے تو خاموشی اختیار کی مگر بعد [illegible] یہ ایک مذہبی و اعتقادی مسئلہ ہے [illegible] اس نے [illegible] فرمایا کہ حضرت عثمان افضل ہیں [illegible] سنت والجماعت کا [illegible] ات کہنا قوی [illegible]

امام دارقطنی کے [illegible] ہے۔ یہ اگرچہ جلیل القدر محدث ہیں لیکن ان کو شیعیت [illegible] رو ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ ایک وقت پر ان کے [illegible]

حافظ محدث وله [illegible] [illegible]

فی الدین یقوی [illegible] [illegible]

علی [illegible] [illegible]

لیکن [illegible] دارقطنی نے [illegible]

[illegible] الحفاظ ج ۳ ص ۲۰۰

الفاظ بھی کہے ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کانہ یشیر الی الرفض[1] (گویا اس سے ان کی تشیعیت کی طرف اشا...

ان واضح اور صریح واقعات کی موجودگی میں یہ باور کرنا مشکل ہے کہ ان کا تشیعیت ...
ادنیٰ تعلق بھی رہا ہوگا، ان کے فضل وکمال تدین وتقوی اور عقیدہ میں صحت وپختگی کا پہلے جو ذ...
چکا ہے اس کے بعد ان کے متعلق اس قسم کے الزام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

تدلیس | دوسرا اعتراض تدلیس کا ہے۔ ذہبی نے اس کی مثال دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اُن...
نے بغوی سے جو روایتیں نہیں سنی ہیں ان کو اس طرح بیان کرتے تھے، قرء علی البغوی ابی الق...
حدثکم فلان ... اس اعتراض کی بنیاد اس امر پر ہے کہ بغوی کی وفات ...
وقت امام صاحب کمسن تھے، ابو یوسف قواس کا بیان ہے کہ "ہم لوگ بغوی کے پاس جاتے تھے...
دار قطنی بھی ہمارے پیچھے پیچھے جاتے تھے، یہ اس وقت اتنے چھوٹے تھے کہ ان کے ہاتھ میں رو...
رسالن ہوتا تھا، لیکن اس بیان سے خود دار قطنی کی بغوی سے ملاقات اور سماع کا ثبوت ملتا ہے، ک...
جمہور روایت کے مطابق امام دار قطنی ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے اور ابو القاسم عبد اللہ بن محمد ابن عبد...
بغوی نے ۳۱۷ھ میں انتقال کیا، دوسرے ان دونوں بزرگوں کا وطن بغداد تھا، اس اعتبار ...
گیارہ سال کی عمر میں اپنے وطن کے شیخ سے سماع واستفادہ میں دشواری کی کوئی بات معلوم نہ...
ہوتی۔ رہ گیا تدلیس کا معاملہ تو اس کا ذہبی کے علاوہ کسی اور نے ذکر نہیں کیا ہے اگر تنہا ذہبی کی ...
صحیح مان لی جائے تو بھی محض نفس تدلیس ثقاہت کے لئے مانع نہیں ہے،

خودستائی | امام دار قطنی نے بعض مواقع پر خود اپنی ہی زبان سے اپنی تعریف کی ہے، اگر...
پہلے لکھا جا چکا ہے مگر ان کا جائزہ لینے کے لئے اس کو دوبارہ نقل کرنا ضروری ہے۔

ایک موقع پر آپ نے اپنے کو سب سے جامع اور افضل قرار دیا۔ ایک موقع پر کچھ حد...
کا املا کرانے اور ان کے فوائد پر تقریر کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر امام احمد بھی موجود ہوتے تو استفا...
کرتے، اسی طرح ایک دفعہ ایک حدیث کی علت کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے اپنی...

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۳ میزان الاعتدال ج ۱

وادں سے یہ کہا کہ شرق وغرب میں اس فن کا مجھ سے بہتر کوئی جاننے والا نہیں :

بلاشبہ اپنی تعریف خود ہی کرنا معیوب ضرور ہے ۔ لیکن اگر یہ خلاف واقعہ نہ ہو تو بعض حالات
سے تحدیث نعمت، طلبہ کی ترغیب وتشویق اور لوگوں کی خواہش واصرار یا اور کسی ضرورت و مجبوری کی
بر اس میں قباحت نہیں رہ جاتی ہے، دوسرے یہ کوئی ایسی معصیت نہیں ہے جس کی کسی حال
۔ بھی گنجائش نہ ہو ۔ امام صاحب کے جو اوصاف وکمالات پہلے بیان کئے گئے ہیں ان سے ظاہر
نا ہے کہ آپ نے اپنی جانب کوئی خلاف واقعہ بات منسوب نہیں کی ہے اور آپ کی عظمت و
پاکیزگی اور شان زہد وورع سے یہ بعید بھی ہے کہ بلا کسی خاص ضرورت اور گنجائش کے خواہ مخواہ
سے آپ کی زبان آلودہ ہوئی ہو ۔ چنانچہ اپنی جامعیت کا تذکرہ کرنے سے پہلے آپ نے سوال کو
لنے کی پوری کوشش کی، یہاں تک کہ قرآن مجید کی یہ آیت بھی پڑھی :

فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم — سو تم رہبت، اپنی پاکیزگی دجتایا، نہ کرو
بمن اتقی۔ (النجم ۔ ۳) — پرہیزگاروں کو وہی خوب جانتا ہے

لیکن اس پر بھی سائل خاموش نہ ہوا اور مصلحت داعی ہوئی تو آپ نے مناسب اور جائز و بضعفت
تذکرہ کیا ۔ اسی پر دوسرے مواقع کو بھی قیاس کرنا چاہیئے ۔

ہی کا اعتراض امام دارقطنی طلبہ کی حوصلہ افزائی اور اہل علم کے علمی و تصنیفی کاموں میں ان کی
اد کرتے تھے، ان کے شاگرد عبد الغنی کی کتاب المؤتلف والمختلف درحقیقت ان ہی سے استفادہ
نتیجہ تھی، اسی طرح کافور اخشیدی کے وزیر ابو الفضل جعفر المعروف بابن خنزابہ کے بارے میں
پ کو معلوم ہوا کہ وہ مسند تالیف کرنا چاہتے ہیں تو بغداد سے مصر تشریف لے گئے اور مسند کی تالیف
ے وہاں قیام پذیر رہ کر اس کی امداد فرماتے رہے ۔ ابو الفضل نے آپ کی خوب پذیرائی ۔ اور
اعزاز واکرام کیا اور روانگی کے وقت اس قدر مال ودولت آپ کے ہمراہ کیا کہ آپ کو ایک
تک فراغت میسر آگئی۔[۵]

تاریخ بغداد ج ۱۲ تذکرہ جلد ۳ ابن خلکان ج ۲ سے یہ واقعہ تمام کتابوں میں مذکور ہے ۔

بظاہر اس واقعہ میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے بلکہ یہ درحقیقت امام صاحب
علم دوستی کا ثبوت ہے، لیکن یافعی صاحب مرأۃ الجنان نے اس کو ان کی شان کے منافی ا
خلاف اولیٰ قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں: "امام صاحب نے اگرچہ ابن حنزابہ کو مسند کی تخریج میں
پہنچانے کے لئے یہ سفر کیا تھا، لیکن علمار متدینین کے لئے میں اس کو مناسب نہیں سمجھتا، اگر ا
قسم کا معاملہ وزرار وامرا کے بجائے اصحاب علم و دین کے ساتھ کیا گیا ہوتا۔ اور اس میں حصول دنیا کی کو
شامل نہ ہوتی تو البتہ یہ ایک اچھی بات ہوتی، اور اس کو اشاعت علم اور اعانت فی الخیر پر محمول کیا

اس اعتراض کا تجزیہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب نے مسند کی تالیف
مدد پہنچا کر دوسرے اپنے علم و فن کا معاوضہ قبول کیا، حالانکہ اولاً تو معاوضہ قبول کرنے کی اکثر
کے یہاں گنجائش ہے، دوسرے یہ معاملہ سرے سے معاوضہ میں داخل ہی نہیں ہے
کیونکہ امام صاحب نے پہلے سے اس قسم کا کوئی مطالبہ یا معاملہ نہیں کیا تھا، بلکہ اس نے اپ
بلاطلب آپ کی امداد کی تھی، امام صاحب کی معاشی حالت اچھی نہیں تھی، اس لئے آپ نے
اس کے انعام واکرام سے مستفید ہونا قبول کر لیا، کہیں اس قسم کی کوئی تصریح موجود نہیں ہے کہ
آپ نے حرص ولالچ کی وجہ سے یہ سفر کیا تھا۔

تعصب امام دارقطنی پر یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ وہ متعصب تھے، شافعی مذہب
ان کو غیر معمولی غلو تھا، اور اس کے برعکس وہ حنفی مذہب سے سخت عناد رکھتے تھے۔ پہلی بات
کے ثبوت میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے مصر کے لوگوں کی فرمائش پر ایک رسالہ
تحریر کیا۔ اس میں انھوں نے جہری نمازوں میں زور سے بسم اللہ پڑھنے کے متعلق حدیثیں
تھیں، لیکن جب ان حدیثوں کی صحت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے اعتراف
کیا کہ جہر بالبسملہ کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے، البتہ صحابہ
سے اس کے متعلق صحیح اور ضعیف دونوں قسم کی روایتیں ملتی ہیں۔[۲]

---

[۱] مرأۃ الجنان ج ۲ [۲] فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ و نصب الرایہ ج ۱ بکیری ص ۳۰۱

Marfat.com

اس واقعہ سے امام دارقطنی پر دو شبہات عائد ہوتے ہیں :-

(۱) انھوں نے جان بوجھ کر ضعیف اور غیر ثابت حدیثیں جمع کیں۔

(۲) اس علم و واقفیت کے باوجود بھی کہ صحیح حدیثوں سے جہر بالبسملہ کی تائید نہیں ہوتی انھوں نے اس سے رجوع نہیں کیا۔

پہلے شبہہ کا جواب یہ ہے کہ امام صاحب کا مقصد اس باب کی تمام احادیث کا استقصا اور ایک جامع رسالہ تالیف کرنا تھا، اس لئے انھوں نے اس میں ضعیف حدیثیں بھی درج کر دی ہیں چنانچہ سنن میں تحریر فرماتے ہیں :-

"ان لوگوں کے علاوہ جن کا یہاں ہم نے نام لیا ہے صحابۂ کرام اور ازدواج مطہرات کی ایک جماعت نے جہر بالبسملہ کی حدیثیں بیان کی ہیں۔ ان کی اس نوعیت کی حدیثوں کو ہم مستقلاً کتاب الجہر میں لکھ چکے ہیں۔ یہاں اختصار کی وجہ سے ان ہی چند لوگوں کی روایتوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اس رسالہ میں ان صحابہ و تابعین کے مرویات بھی جمع کئے گئے ہیں۔ جو بسم اللہ زور سے پڑھنے کے قائل ہیں اور ان کے بھی جو ان کے مخالف یعنی آہستہ سے پڑھنے کے قائل ہیں[1]"

اس کا جماعتی عصبیت سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر امام دارقطنی کے پیش نظر جماعتی عصبیت ہوتی تو وہ اس میں اور سنن میں صرف جہر کی موید حدیثیں ہی شامل کرتے۔ لیکن انھوں نے موید کے ساتھ مخالف حدیثیں بھی درج کر کے درحقیقت انصاف اور حقیقت پسندی کا ثبوت دیا ہے۔ اس معاملہ میں انھوں نے مصر کے جو شوافع کا مرکز تھا لوگوں کی خواہش اور مرضی کی بھی کوئی پرواہ نہ کی۔ جو چاہتے تھے کہ امام صاحب صرف جہر کی موید حدیثیں جمع کریں۔ مگر امام صاحب نے استقصار جامعیت کے پیش نظر ہر قسم کی حدیثیں جمع کیں اور لوگوں کے سوال پر صاف صاف اقرار بھی کر لیا کہ جہر کے متعلق کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں، اسی طرح سنن میں بھی اس نوعیت کی بعض حدیثوں کے ضعف و وہن کی وضاحت کی ہے۔

---

[1] سنن دارقطنی ج ۱ ص ۱۱۰

رہا رجوع کا معاملہ تو وہ خالی از امکان نہیں، کیونکہ امام صاحب نے جس وقت یہ رسالہ تالیف کیا تھا، ممکن ہے اس وقت زیر بحث مسئلہ ان کی نگاہ میں منقح نہ رہا ہو لیکن بعد میں جب رسالہ کے بارے میں سوالات کیے گئے، اور امام صاحب کو اس معاملہ میں زیادہ توجہ سے غور کرنے کا موقع ملا تو اس وقت یہ مسئلہ ان کی نگاہ میں منقح ہو گیا، جیسا کہ ان کے جواب سے معلوم ہوتا ہے، اس تنقیح کے بعد ممکن ہے۔ انھوں نے رجوع بھی کر لیا ہو لیکن اس کی کوئی تصریح موجود نہیں ہے، اس لئے محض امکان وقیاس کی بنیاد پر اس کو تسلیم کرنا محال ہے۔ لیکن رجوع نہ کرنے سے یہ خیال کرنا کہ ان کی رائے ضد اور عصبیت پر مبنی ہے صحیح نہیں، کیونکہ امام صاحب اور ان لوگوں کے جو جہری نمازوں میں زور سے بسم اللہ پڑھنے کے قائل ہیں۔ متعدد دلائل موجود ہیں۔ ان سے تعرض کرنے کا یہ محل نہیں ہے، فقہی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ ان دلائل سے کسی کو اتفاق ہو یا اختلاف لیکن ان کی گنجائش سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ امام صاحب کے غلو اور بیجا عصبیت کا اس واقعہ سے کوئی پتہ نہیں چلتا، ان کا شافعی مذہب کی طرف میلان ضرور تھا، لیکن وہ مجتہد فی المذہب تھے، مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم لکھتے ہیں کہ

"امام دارقطنی شافعی مذہب کی طرف مائل تھے، مگر وہ مجتہدین اور ائمہ حدیث وسنت میں تھے ان کا حال اپنے مابعد کے اکابر محدثین کی طرح نہیں تھا جو سوائے چند گنے چنے مسائل کے عموماً تقلید کو لازمی سمجھتے تھے، امام دارقطنی فقہ واجتہاد اور علم میں ان لوگوں سے فائق و برتر تھے"[1]

اعتراض کے دوسرے جزو یعنی حنفی مذہب سے تعصب وعناد کے سلسلہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے امام ابوحنیفہ پر طعن کیا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے سنن میں امام صاحب پر حدیث میں ضعف، تفرد اور ثقہ راویوں کی مخالفت وعدم متابعت کا الزام لگایا ہے،

بلاشبہ امام دارقطنی کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کا پایہ فقہ واجتہاد کی طرح روایت وحدیث میں

---

[1] مقدمہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۱ بحوالہ توجیہ النظر

بلند نہیں تھا۔ اور انھوں نے سنن میں ان کو ضعیف بھی کہا ہے، اور مشہور حدیث "من کان لہ
م فقرأۃ الامام ...... قرأۃ لـــہ" کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ تمام معتبر و ثقہ راویوں نے
ت جابرؓ کا نام لئے بغیر اس کو مرسل روایت کیا ہے لیکن امام ابو حنیفہ نے اس کو مسند بیان کیا
، اور اس کے سلسلہ اسناد میں حضرت جابرؓ کا بھی ذکر کیا ہے۔[1]

اسی طرح دوسری جگہ وہ کہتے ہیں کہ وضو میں حضرت خالد بن علقمہ کے واسطہ سے تین دفعہ
مسح کرنے کو صرف امام ابو حنیفہ نے بیان کیا ہے۔ جب کہ دوسرے ثقہ راویوں نے خالد بن
ہی کے واسطہ سے اس میں صرف ایک دفعہ مسح کرنے کو بیان کیا ہے۔

اس موقع پر امام دارقطنی نے امام صاحب پر ایک اعتراض اور کیا ہے اور وہ یہ کہ تین دفعہ
سنے کی روایت بیان کرنے کے باوجود وہ ایک ہی دفعہ مسح کرنے کو مسنون سمجھتے ہیں۔[2]

لیکن ان سب اعتراضات میں امام دارقطنی منفرد نہیں ہیں۔ بعض اور محدثین کا بھی یہی
ہے اور وہ بھی امام ابو حنیفہ کو ضعیف الحدیث سمجھتے تھے۔ اور مذکورہ بالا حدیثوں کے سلسلہ میں
بانے بھی امام صاحب پر ثقہ راویوں کی مخالفت کا الزام لگایا ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کو ضعیف
ث سمجھنا غلط فہمیوں کا نتیجہ ہے۔ مگر ان غلط فہمیوں کے بعض وجوہ و اسباب بھی تھے۔ جن کی تفصیل
ل نہیں ہے۔ اس لئے محدثین کو ان اسباب کی بنا پر معذور سمجھنا چاہئے۔ وہ کسی غلط جذبہ
، مخالفت اور تعصب کی وجہ سے امام صاحب سے سوئے ظن نہیں رکھتے تھے بلکہ ایک اعتبار
، درحقیقت اس سے ان لوگوں کی صاف گوئی اور حق پسندی کا پتہ چلتا ہے کہ بڑے بڑے
علم و فضل اور زہد و اتقا بھی ان کی حق پسندی میں مانع نہ ہوا اور انھوں نے اس رائے کو جسے
ح سمجھتے تھے دیانتداری کے ساتھ ظاہر کر دیا۔

لیکن امام ابو حنیفہ کو ضعیف الحدیث قرار دینے والے محدثین بہت تھوڑے ہیں۔ اکثر ائمہ فن
ان کی تعریف و توثیق منقول ہے۔ علامہ ابن عبد البر کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ کو ثقہ قرار دینے

---

[1] سنن دارقطنی ج ۱ ص ۔ [2] ایضاً

والوں کی تعداد زیادہ ہے ۔[1]

رہیں وہ حدیثیں جن کے سلسلہ میں امام صاحب پر عدم متابعت اور ثقہ راویوں کی ... کا الزام لگایا گیا ہے، تو چونکہ ان کی ثقاہت محدثین کی ایک بڑی جماعت کے نزدیک مسلّم ہے ... ان کا اضافہ مقبول و معتبر ہوگا۔

پہلی حدیث من کان لہ امام الخ کے سلسلہ میں امام صاحب کی جانب سے ... جواب دیا گیا ہے کہ اس کو محمد بن منیع نے اپنی مسند اور امام محمد نے موطا اور کتاب آثار میں ... کیا ہے اور ابن ہمام کا بیان ہے کہ ان کی سندیں صحیحین کے شرائط کے مطابق صحیح ہیں اور محمد بن ... روایت میں سفیان و شریک نے جو صحیحین کے رجال میں ہیں حضرت جابرؓ کا نام لینے اور حدیث ... بیان کرنے میں امام ابو حنیفہ کی متابعت کی ہے ۔[2]

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو حضرت جابرؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ... عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انس بن مالک رضی ... نے بھی روایت کیا ہے اور گو بعض کے طرق میں ضعف بھی ہے تاہم صحیح اور تعداد و کثرت ... نے اس کو قوی کر دیا ہے ۔[3]

تثلیث مسح کے متعلق بھی امام ابو حنیفہ کی زیادتی کو ثقہ کی زیادتی سمجھ کر قبول کیا جائے گا ... اس حدیث کے بھی شواہد و متابعات موجود ہیں۔ اور ان میں سے بعض کو خود امام دارقطنی ... بھی بیان کیا ہے، اس لئے اس کے بارے میں بھی امام دارقطنی کا اعتراض بے معنی معلوم ہوتا ...

رہا یہ سوال کہ امام ابو حنیفہؒ نے جب خود ہی تین دفعہ سر کا مسح کرنے کی روایت کی ... ان کے نزدیک ایک دفعہ مسح کرنا کیوں مسنون ہے، گو امام دارقطنی کا یہ اعتراض صحیح ہے لیکن کسی ... کی روایت کر دینے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ خود راوی اس کے مطابق عمل اور فتویٰ بھی ... امام دارقطنی اور دوسرے محدثین نے کتنی ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جن کے مطابق ...

---

[1] حواشی سنن دارقطنی ج ۱ [2] حاشیہ نصب الرایہ ج ۲ و حاشیہ معانی الآثار طحاوی ج ۱ و فیض الباری ج ۲ [3] نصب الرایہ

عمل نہیں ہے۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوگیا کہ امام دارقطنی کو امام ابو حنیفہؒ سے کوئی عناد اور تعصب نہ تھا، انھوں نے نہایت فراخدلی سے حنفی مذہب کے ایک اہم رکن امام محمد کو ثقہ محدثین میں شمار کیا ہے[۱]، البتہ بعض اور اکابر محدثین کی طرح وہ امام صاحب کا پایۂ حدیث میں زیادہ بلند نہیں سمجھتے تھے اور اپنی حق پسندی کی وجہ سے انھوں نے امام صاحب کی عظمت و جلالت کے باوجود اپنی اس رائے کو جسے وہ صحیح سمجھتے تھے۔ بیان بھی کردیا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی رائے غلط فہمی پر مبنی ہے، لیکن اس میں وہ معذور تھے اور ان کی عظمت و شان سے اس قسم کا تعصب بعید ہے، جو بیان کیا جاتا ہے۔

تصنیفات امام دارقطنی نے بیشمار کتابیں یادگار چھوڑیں جو سب مفید، بلند پایہ اور حسن تالیف کا نمونہ ہیں[۲] ان میں سے اکثر حدیث، اصول حدیث اور رجال کے موضوعات پر لکھی گئی تھیں، مگر اب زیادہ تر نایاب ہیں۔ ذیل میں ان کی تصنیفات کے نام اور بعض کے بارے میں مختصر معلومات تحریر کئے جاتے ہیں۔

(۱) کتاب الرویۃ (پانچ جزوں میں) (۲) کتاب المتبادر (۳) کتاب معرفۃ مذہب ...[۳] (۴) غریب اللغۃ محمد بن طاہر مقدسی المعروف بابن القیسرانی (م ۵۰۷ھ) نے اس کے اطراف لکھے تھے[۴]

(۵) اختلاف الموطآت۔ اس میں موطا امام مالک کی روایتوں اور اس کے مختلف نسخوں پر بحث کی گئی ہے[۵]

(۶) غرائب مالک۔ اس میں امام مالک کی ان غریب حدیثوں کا ذکر ہے جو موطا میں شامل نہیں ہیں، ممکن ہے یہ وہی کتاب ہو جو امام دارقطنی کی جانب کتاب الغرائب کے نام سے

---

[۱] امام ابن ماجہ اور علم حدیث از عبدالرشید نعمانی بحوالہ غرائب مالک دارقطنی [۲] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و البدایہ [۳] کشف الظنون ج ۲ [۴] کشف الظنون ج ۲ [۵] حیات مالک مولانا سید سلیمان ندوی

Marfat.com

منسوب ہے ابن عبدالہادی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضخیم کتاب تھی [۱]

(۷) الاربعین۔ نام سے ظاہر ہے کہ اس میں چہل حدیثیں درج ہوں گی، یہ اس فن کی قد[یم]
کتابوں میں ہے [۲]

(۸) کتاب الضعفاء۔ یہ دراصل امام دارقطنی کے ان حواشی پر مشتمل ہے جو علامہ ابن حبان
کی کتاب الضعفاء پر انھوں نے لکھے تھے [۳] اس میں ضعیف راویوں کا حال اور ان کی معرفت کا ذکر
ہے، رجال کی اکثر کتابوں میں امام دارقطنی کے جو اقوال درج ہیں وہ غالباً اسی سے ماخوذ ہوں
اس لحاظ سے یہ اہم کتاب ہے۔

(۹) اسماء المدلسین۔ اس موضوع پر امام حسین بن علی کرابیسی (م ۲۴۵ھ) اور امام نسائی
(م ۳۰۳ھ) نے پہلے کتابیں لکھی تھیں، یہ غالباً اس فن کی تیسری مشہور کتاب ہے [۴]

(۱۰) اسئلۃ الحاکم۔ اس میں ان سوالات کا جواب دیا گیا ہے جو غالباً حاکم صاحب مستدرک
نے دارقطنی سے حدیث و رجال وغیرہ کے بارے میں کئے ہوں گے۔ زین الدین قاسم بن قطلوبغا حنفی
(م ۸۷۹ھ) اس کو جمع کیا تھا [۵]

(۱۱) باب القضاء بالیمین مع الشاہد۔ حدیث کی بعض کتابوں میں صرف ایک ہی باب کی روایتیں
شامل ہوتی ہیں۔ یہ کتاب اسی قسم کی ہے اور اس میں صرف ایک ہی باب کی حدیثیں درج ہیں

(۱۲) کتاب الجہر۔ یہ بھی اسی نوعیت کی کتاب ہے۔ اس میں نماز میں بسم اللہ کے زور او[ر]
آہستہ سے پڑھنے کے بارے میں حدیثیں اور آثار درج ہیں [۶]

(۱۳) رسالۂ قرأت۔ فن قرأت پر ایک مختصر اور جامع رسالہ ہے، اس کے شروع میں اس
فن کے اصول و قواعدے اور پھر فنی بحثیں تحریر کی گئی ہیں، اس کی ترتیب و تبویب اور طریقہ تالیف
کو اتنا پسند کیا گیا کہ بعد کے مصنفین نے اسی ڈھنگ پر اپنی کتابیں مرتب کیں ابن الجزری طبقات

---

[۱] الرسالۃ المستطرفہ [۲] کشف الظنون ج [۳] تدریب الراوی والرسالۃ المستطرفہ [۴] کشف الظنون ج ا [۵] کشف الظنون ج ا [۶] مقدمہ تحفۃ الاحوذی الرسالۃ المستطرفہ ص ۲۲ [۷] سنن دارقطنی

القراء میں لکھتے ہیں کہ اس کی قدر و قیمت کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔[1]

(۱۴) الرباعیات۔ اس میں مشہور محدث ابوبکر محمد بن عبداللہ بن ابراہیم عبدربہ بزار (م ۳۵۴ھ) کی تصنیف رباعیات کی جو غیلانیات کے نام سے مشہور ہے کی تخریج کی گئی ہے اور امام بخاریؒ کی رباعیات کو علیحدہ ایک رسالہ میں مرتب کیا گیا ہے، یہ ایک زمانہ میں بہت متداول تھی۔[2]

(۱۵) کتاب المجتبیٰ من السنن الماثورہ۔ یہ غالباً امام دارقطنی کی شہرۂ آفاق سنن کا انتخاب ہے۔ کتب خانہ خدیویہ مصر میں اس کی دوسری جلد کا قلمی نسخہ موجود ہے جو کتاب الزکوٰۃ سے آخر تک کے ابواب پر مشتمل ہے۔ کاتب کا نام عبداللہ بن محمد بن حسن موصلی المعروف بابن ترکیہ اور سنہ کتابت ۶۳۸ھ ہے۔[3]

(۱۶) کتاب الاخوۃ[4]۔ اس فن میں امام دارقطنی سے پہلے اور ان کے بعد متعدد کتابیں لکھی گئیں، اس کو اہم اور مفید کتابوں میں خیال کیا جاتا ہے۔

(۱۷) کتاب الافراد[5]۔ یہ کتاب بڑی جامع اور سو اجزا پر مشتمل ہے، ابوالفضل بن طاہر نے اس کے اطراف لکھے تھے۔[6]

(۱۸) کتاب التصحیف[7]۔ اس فن میں یہ ایک مفید اور جامع کتاب ہے، علامہ سیوطیؒ کا بیان ہے۔

اورد الدارقطنی فی کتاب التصحیف کل تصحیف وقع للعلماء حتی فی القرآن[8]	امام دارقطنی نے کتاب التصحیف میں ان سب تصحیفات کا ذکر کیا ہے جو علماء کو پیش آئی ہیں یہاں تک کہ حدیث کے علاوہ قرآن کی تصحیف بھی بیان کی ہے

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۲ حاشیہ العبر جلد ۳ [2] کشف الظنون جلد اول [3] الاعلام ج ۲ و فہرست کتب خانہ خدیویہ مصر [4] اس فن [illegible] علی بن مدینی، امام نسائی اور ابوالعباس سراج وغیرہ متقدمین کی کتابیں اہم ہیں اس کو ضبط کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دو شخصوں کی ولدیت میں اشتراک کی وجہ سے ان کو حقیقی بھائی نہ خیال کیا جائے، مقدمہ ابن صلاح و تدریب الراوی [5] یہ بڑا اہم اور مشکل موضوع ہے اس فن میں امام محدثین نے کتابیں لکھی ہیں ارباب فن کے نزدیک فرد کی دو قسمیں ہیں مطلق اور نسبی اول الذکر میں ایک شخص تمام رواۃ سے تفرد کرتا ہے اور موخر الذکر میں کسی خاص پہلو و حیثیت سے تفرد ہوتا ہے [illegible] [6] [illegible] ۴۴۴ [7] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ والرسالۃ المستطرفہ [8] تصحیف اور [illegible] [illegible]

(۱۹) کتاب المؤتلف والمختلف[۱] اس فن میں ابن ماکولا کی کتاب الاکمال زیادہ اہم اور مشہور ہے. تاہم دارقطنی کی کتاب بھی جامع اور پراز معلومات ہے، سیوطی کا خیال ہے کہ اس موضوع پر پہلی کتاب دارقطنی کے شاگرد عبدالغنی بن سعید نے لکھی اور امام دارقطنی کی کتاب اس کے بعد لکھی گئی. لیکن نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ "ابو عبداللہ محمد بن علی کا بیان ہے کہ عبدالغنی نے المؤتلف والمختلف لکھنے کے بعد جب اس کو امام دارقطنی کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے عبدالغنی سے پڑھنے کے لئے کہا، عبدالغنی نے کہا" میں اسے کیا پڑھوں میں نے تو اس کو آپ ہی سے استفادہ کر کے لکھا ہے" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالغنی کی تصنیف درحقیقت امام دارقطنی کے افادات پر مشتمل ہے، اس لحاظ سے گویا اس فن میں تقدم و اولیت کا شرف ان ہی کو ہے امام دارقطنی کی کتاب کی اہمیت سے بھی ظاہر ہے کہ اس کے بعد اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے اکثر کی اساس و بنیاد اسی پر ہے. علاوہ ازیں اس کے مختلف ذیول و استدراکات بھی لکھے گئے ہیں[۲]

(۲۰) کتاب العلل[۳] یہ کتاب اس موضوع پر متقدمین کی کتابوں کا نچوڑ اور بڑی جامع ہے" ابو عبد[اللہ] حمید اندلسی کا بیان ہے کہ فن حدیث کی تین اہم چیزوں میں ایک العلل بھی ہے اور اس میں سب سے عمدہ کتاب امام دارقطنی کی ہے[۴]. ابن کثیر فرماتے ہیں کہ "اس میں صحیح و غلط، متصل و مرسل اور منقطع و معضل وغیرہ کی وضاحت کی گئی ہے" اس کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں علل کے طرق کی کثرت و تعدد کو جمع کیا گیا ہے، یہ مسانید کی ترتیب پر ہے، امام دارقطنی نے اس کا املا کرا[یا]

(بقیہ حاشیہ ص ۹۳) یہ (؟) اور دونوں دونوں میں ہوتی ہے اسناد کی مثال یہ ہے کہ یحییٰ بن معین نے عوام بن مزاحم (المراوا لجیم) کو مزاحم کر دیا اور متن کی مثال یہ ہے کہ ابن لہیعہ نے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم احتجر فی المسجد میں حجر کو احتجم کر دیا تھا (تدریب الراوی) تدریب الراوی [۱] اگر راویوں کے نام تحریر و کتابت میں یکساں اور ہم شکل ہوں لیکن تلفظ اور تکلم میں مختلف ہوں تو اسے اصطلاح میں مؤتلف و مختلف کہا جاتا ہے (مقدمہ ابن صلاح)
[۲] مقدمہ ابن صلاح تدریب الراوی و اتحاف النبلاء المتقین [۳] معلل ان مسند حدیثوں کو کہا جاتا ہے جن کے متن یا اسناد میں کوئی ایسی پوشیدہ علت اور مخفی عیب ہوتا ہے جن کی صحت بآسانی نہ ہو سکے تاوقتیکہ مو سندوں اور صحیح متن کا ٹھیک طور پر پتہ نہ [چلے] (تدریب الراوی، حواشی ص ہذا) [۴] مقدمہ ابن اصلاح.

Marfat.com

اور ان کے شاگرد ابوبکر برقانی نے اس کو جمع و ترتیب دیا تھا[1]

حافظ ابن حجر کے ہاتھ کا لکھا ہوا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ جرمنی کے کتب خانہ میں موجود ہے[2]۔ اور بخش لائبریری پٹنہ میں بھی اس کا مخطوطہ ہے، جو تین جلدوں پر مشتمل ہے[3]۔ ہر جلد کے متعلق علیحدہ علیحدہ مندرجہ ذیل تعارفی نوٹ درج ہیں:۔

المجلد الثانی۔ اس میں مسند احادیث کی خامیوں اور نقائص کو نمایا کیا ہے۔ یہ حدیثیں اکابر صحابہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف، عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل اور حضرت ابوذر رضوان اللہ علیہم اجمعین، وغیرہ سے مروی ہیں اور تھوڑی حدیثیں جو حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ ہیں، ان میں بھی کچھ نقائص وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔۔۔۔ یہ قلمی نسخہ بہت نایاب ہے۔ اور کسی کتب خانہ کی فہرست میں نہیں پایا گیا خط نسخ میں خوشخط لکھا ہوا ہے۔ اس پر کوئی تاریخ وغیرہ نہیں ہے مگر آٹھویں صدی ہجری کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

المجلد الثالث۔ یہ علل الحدیث کی تیسری جلد ہے، باقی ماندہ مسند حدیث جو حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہیں، ان کی خامیوں اور نقائص پر بحث کی گئی ہے، ۱۲۰۹ھ کا لکھا ہوا نسخہ ہے۔

المجلد الخامس۔ کتاب علل الحدیث کا یہ آخری حصہ ہے اس میں ان مسند حدیثوں پر تنقید کی گئی ہے جو آنحضرت صلعم کے کچھ اصحاب و صحابیات سے مروی ہیں۔ کاتب نے اس نسخہ کے آخر میں تحریر کیا ہے کہ یہ نسخہ اس نے ۱۲۰۹ھ کے ایک مکتوبہ نسخے سے نقل کیا ہے۔ مگر اپنا نام نہیں لکھا ہے، یہ نسخہ اور اس کے اور سب حصے جن کا ذکر ہو چکا ہے، ایک ہی کاتب کے تحریر کردہ معلوم ہوتے ہیں[4]۔ تیسری اور پانچویں جلدوں کے مخطوطے کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ المنتظم ج ۷، وتدریب الراوی ۸۸ و ۸۹ و ۹۱ و رسالہ مستطرفہ ۲۳ [2] مقدمہ تحفۃ الاحوذی [3] فہرست خدابخش خان لائبریری [4] نوادر خدابخش لائبریری

بھی پائے جاتے ہیں، تیسری جلد ۱۳۱۰ھ کی لکھی ہوئی ہے اسی طرح مکتبہ سکندریہ میں بھی
کا نسخہ ہے۔

(۲۱) کتاب الاسخیاء۔ اس میں جود و سخاوت کی فضیلت اور اسخیا کے محامد و
کے متعلق حدیثیں اور بعض واقعات سنداً بیان کئے گئے ہیں۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ۶۰۰ھ کا
لکھا ہوا خدا بخش لائبریری میں موجود تھا۔ ۱۹۳۴ء میں مولانا سید وجاہت حسین صاحب استاد مدرسہ
کلکتہ نے اس کو تصحیح و مقابلہ کے بعد حواشی اور مقدمہ کے ساتھ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال سے
کیا ہے۔ مقدمہ میں امام دارقطنی کے حالات و کمالات اور اس کتب کے بارے میں مفید معلو
لکھی گئی ہیں۔

(۲۲ و ۲۳) کتاب الالزامات والتتبع۔ صحیحین کی اہمیت و مقبولیت مسلم ہے، لیکن بعض
سے ان پر محدثین کی ایک جماعت نے کچھ ایرادات بھی کئے ہیں، ان لوگوں میں امام دارقط
زیادہ ممتاز ہے، ان کی علل حدیث سے گہری واقفیت اور دقت نظر اہل فن کو اعتراف
ان کے اعتراضات اور شکوک دو طرح کے ہیں، پہلے کو انھوں نے کتاب الالزامات میں
ہے۔ اس کے متعلق وہ خود تحریر فرماتے ہیں:

مما اخرجہ البخاری ومسلم	امام بخاری و مسلم دونوں یا ان میں
او احدھما من حدیث	ایک بزرگ نے کسی تابعی کی ایک
بعض التابعین وترکا من حدیثہ	کی تخریج کی ہے اور اسی تابعی کی دو
شبیھا بہ ولم یخرجاہ او من	حدیث کو چھوڑ دیا یا بعض ایسی حد
حدیث نظیر لہ من التابعین	کی تخریج نہیں کی ہے جو ثقہ تابعین
الثقات، یلزم اخراجہ علی	مروی تھیں، حالانکہ ان حضرات کے اص
شرطھما ومذھبھما فیما	و شرائط کے مطابق ان کی تخریج لا

لہ فہرست کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد ج ۱ ۔ ۲ہ فہرست کتب خانہ خدا بخش لائبریری جلد اول

Marfat.com

تذکرہ انشاء اللہ ۔ تھی، انشاءاللہ آگے ہم اس پر گفتگو کریں گے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں:-

الزم الامام الحافظ ابوالحسن علی
بن عمر الدارقطنی رحمہ اللہ
وغیرہ البخاری ومسلما رضی اللہ
عنہما اخراج احادیث ترکا
اخراجہا مع ان اسانیدھا اسانید
قد اخرجا لرواتہا فی صحیحہما بہا
وذکر الدارقطنی وغیرہ ان جماعۃ
من الصحابۃ رضی اللہ عنہم رووا عن
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ورویت احادیثہم من وجوہ
صحاح لا مطعن فی ناقلیہا ولم
یخرجا من احادیثہم شیئا
فیلزمہما اخراجہا علی
مذھبیہما ؎

امام دارقطنی نے امام بخاری و امام مسلم پر
یہ اعتراض کیا ہے کہ ان دونوں بزرگوں
نے بہت سی ایسی حدیثیں چھوڑ دی ہیں
جن کے راویوں کی سندوں سے خود انہوں نے
صحیحین میں روایت کی ہے۔ امام دارقطنی
وغیرہ کا بیان ہے کہ ان حضرات نے ایسی
حدیثیں بھی نظر انداز کی ہیں جن کو صحابہ کی
ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے بیان کیا ہے اور جو چند وجوہ سے
صحیح طریقہ سے بیان کی گئی ہیں اور
ان کے راویوں میں کسی قسم کا کوئی طعن
بھی نہیں پایا جاتا۔ حالانکہ ان لوگوں کے
اصول و مذہب کے مطابق ان کی تخریج
لازم تھی۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام دارقطنی نے اپنے اس رسالہ میں ان صحیح حدیثوں کو جمع کیا ہے جو صحیحین کی شرطوں کے مطابق ہونے کے باوجود ان میں شامل نہیں ہیں۔ اس حیثیت سے اس کی وہی نوعیت ہے۔ جو حاکم کی المستدرک کی ہے۔

دوسرے رسالہ کتاب التتبع میں امام بخاری و مسلم پر نقد و تعقب کیا گیا ہے۔ صاحب

؎ دیباچہ کتاب الالزامات ؎ مقدمہ مسلم نووی

Marfat.com

کشف الظنون کا بیان ہے :۔

وھو ما اخرج فی الصحیحین ولہ علۃ
یہ رسالہ صحیحین کی ان حدیثوں کا مجموعہ ہے جن کے اندر علت پائی جاتی ہے ۔

یعنی اس میں امام بخاری و مسلم کے اوہام و علل پر بحث و گفتگو کی گئی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان حدیثوں کی جن کو امام دارقطنی نے موضوع بحث بنایا ہے تعداد ایک سو دس (۱۱۰) بتائی ہے۔ ان میں بتیس حدیثیں متفق علیہ ہیں اور اٹھتر (۷۸) صرف صحیح بخاری کی ہیں ۔

عام طور سے علمائے فن نے امام دارقطنی کے اعتراضات کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں کتاب التتبع کی ہر ہر حدیث پر مفصل اور محققانہ بحث کر کے امام دارقطنی کے اعتراضات کا جواب دیا ہے امام نووی نے بھی شرح مسلم اور شرح بخاری کے مقدمے میں ان شبہات کا ازالہ کیا ہے جن کو امام دارقطنی نے تحریر کیا ہے، اسی طرح علامہ عینی اور قسطلانی کی شرح بخاری میں بھی دارقطنی کے الزامات کا جواب دیا گیا ہے، ان محققین کے جوابات کا ماحصل یہ ہے کہ امام بخاری و مسلم کی کتابوں کو صحیح حدیثوں کا مجموعہ اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کی سب حدیثیں صحیح اور منقح ہیں، باقی جو صحیح روایتیں ان میں شامل نہیں ہیں، اس کی وجہ سے ان پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا کیونکہ ان دونوں کتابوں کا مقصد تمام صحیح حدیثوں کا حصر نہیں ہے،

لیکن یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ ان حضرات نے امام دارقطنی کے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ تمام تر درست ہی ہے، اور ان کے سارے اعتراضات بالکل ہی بے معنی ہیں، کیونکہ جواب میں بعض جگہ تکلف سے بھی کام لیا گیا ہے، مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں۔

"امام دارقطنی نے سو (۱۰۰) سے زیادہ مقامات میں امام بخاری پر تعاقب کیا ہے، لیکن ان کا نقد و کلام محض اسانید کے وصل و ارسال تک محدود ہے، سوائے ایک جگہ یعنی (اذا جاء احدکم والامام یخطب فلیصل رکعتین ولیتجوز فیھما) کے یہاں انھوں نے حدیث

لہ کشف الظنون ج ۲

کے متن پر بھی کلام کیا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ دارقطنی محدثین کے مرتب قاعدوں پر چلنے کے عادی ہیں اور اسی حیثیت سے وہ اعتراض بھی کرتے ہیں، لیکن امام بخاری کی شان اس سے بہت بلند ہے۔ وہ اپنی بصیرت، اجتہاد اور وجدان پر اعتماد کرتے ہیں۔ قاعدے تو ناواقفین، اور عوام کے لئے بنائے گئے ہیں تاکہ غیر محدود کو محدود کیا جاسکے، اور امام بخاری و مسلم کا مرتبہ سب سے بڑھ کر ہے۔"[1]

امام دارقطنی کی ایرادات کے بے نتیجہ اور بلا وزن نہ ہونے کا ثبوت یہ بھی ہے کہ ان کی بنا پر صحیحین کی اس قسم کی حدیثوں کا قطعی الصحت ہونا محتمل قرار دیا گیا ہے، چنانچہ علامہ ابن صلاح لکھتے ہیں:۔

القول بان ما انفرد به البخاری او مسلم مندرج فی قبیل ما یقطع بصحته لتلقی الامة کل واحد من کتابیهما بالقبول علی الوجه الذی فصلناه عن حالهما فیما سبق سوی احرف یسیرة تکلم فیها بعض اهل النقد من الحفاظ کالدارقطنی وغیره وهی معروفة عند اهل هذا الشان واللّٰه اعلم[2]

امام بخاری یا امام مسلم نے تنہا جن حدیثوں کو بیان کیا ہے وہ بھی قطعی الصحت حدیثوں میں شامل ہیں۔ کیونکہ امت میں ان دونوں کتابوں کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔ جیسا کہ پہلے اس کی تفصیل گزرچکی ہے، بجز ان چند حدیثوں کے جن پر نقادانِ فن اور ائمہ حدیث جیسے دارقطنی وغیرہ نے [illegible] ہے۔ اور یہ حدیثیں ماہرینِ فن کے نزدیک مشہور و معروف ہیں۔

---

[1] مقدمہ فیض الباری [2] مقدمہ ابن صلاح مگر علامہ ابن صلاح کے اس بیان کے پہلے حصہ یعنی بخاری یا مسلم کی حدیثوں کا قطعی الصحت ہونا بھی [illegible] قابل تسلیم نہیں ہے، چنانچہ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ جمہور علمائے محققین نے ابن صلاح کے قول سے اختلاف کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ [illegible]

درحقیقت امام دارقطنی کے اعتراضات کی وہی حیثیت ہے جو حاکم صاحب مستدرک کے استدراکات کی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک حیثیت سے صحیح اور دوسری حیثیت سے غلط ہیں[1]۔ صحیح اس حیثیت سے ہیں کہ امام دارقطنی کی حدیثیں شیخین کے رجال اور شرائط کے مطابق ہیں۔ لیکن غلط اس بنا پر ہیں کہ شیخین اسی حدیث کو ذکر کرتے ہیں۔ جس کی صحت پر بحث مباحثے کے بعد ان کے شیوخ کا اجماع ہوگیا ہے اور مشائخ وائمہ حدیث نے اس کی صحت تسلیم کرلی ہے، پس صحیحین کی خصوصیت اور امتیاز یہ ہے کہ وہ صرف قاعدہ اور اصول سے حدیث کی صحت تسلیم نہیں کرتے بلکہ ہر ہر حدیث کے وصل وانقطاع، رفع وارسال، شذوذ ونکارت وغیرہ پر مستقل طور سے بحث کرکے صحت کا فیصلہ صادر کرتے ہیں، اور

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۵) اگر حدیث متواتر نہ ہو تو اس سے قطعیت کے بجائے صرف ظن کا فائدہ حاصل ہوگا" البتہ حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن حجر اور مولانا انور شاہ کشمیری علامہ ابن صلاح کے ہمنوا ہیں، شاہ صاحب لکھتے ہیں

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۶، ۱۰۷۔

واختلفوا فی ان احادیث الصحیحین هل تفید القطع ام لا فالجمهور الی انها لا تفید القطع وذهب الحافظ الی انها تفید القطع والیه جنح شمس الائمة السرخسی من الحنفیة والحافظ ابن تیمیة من الحنابلة والشیخ عمرو بن صلاح وهولاء وان کانوا اقل عددا الا ان رأیهم هو الرای.... ثم صرح الحافظ رضی اللہ عنہ ان افادتها القطع نظری (مقدمہ فیض الباری)	صحیحین کی حدیثوں کے مفید قطعی ہونے میں اختلاف ہے، جمہور ان کو مفید قطعی نہیں مانتے لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان سے قطعیت کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ حنفیہ میں امام سرخسی اور حنابلہ میں حافظ ابن تیمیہ نیز شیخ عمرو بن صلاح کا رجحان اسی جانب ہے۔ ان لوگوں کی تعداد اگرچہ کم ہے، لیکن یہی رائے صحیح ہے ..... پھر حافظ ابن حجر نے تصریح کی ہے کہ یہ مفید قطعی نظری ہوتی ہیں۔

Marfat.com

ی حدیثوں کو صحیحین میں نقل کرتے ہیں جن کی صحت پر پہلے کے محدثین نے تحقیقات کے بعد فاق کر لیا ہے، لیکن امام دارقطنی وغیرہ محض اصول و قواعد ہی کی بنا پر حدیث کو صحیح قرار ے دیتے ہیں۔

امام دارقطنی کے اعتراضات اہم ہوں یا نہ ہوں لیکن ان کی وقت نظر، کثرت تدبر اور خلاص و نیک نیتی کا ثبوت ضرور ہیں۔ امام بخاری کے ایک بڑے مداح مولانا عبدالسلام مبارک پوری لکھتے ہیں۔

"امام دارقطنی بڑے پایہ کے ناقد حدیث تسلیم کئے گئے ہیں، انھوں نے صحیح کو بلا تقلید احد رفاً حرفاً جانچا اور بلا تردد دل کھول کر لیکن دیانت سے جو شکوک ان کے ذہن میں آئے سب کو سالہ کی صورت میں جمع کیا، خواہ وہ شکوک متن سے لگاؤ رکھتے ہوں، سلسلۂ اسناد سے یا راویوں سے"[1]

امام دارقطنی کے یہ دونوں رسالے کمیاب تھے۔ اور عموماً ان کو ایک ہی کتاب خیال کیا جاتا ہے، یدر آباد کے کتب خانہ صفیہ اور بہار شریف کے مکتبہ علم وحکمت میں ان کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ مولانا بو سلمہ شفیع بہاری استاذ مدرسہ عالیہ کلکتہ کی مہربانی سے بہار شریف کے نسخہ کی نقل دار المصنفین کے تب خانہ میں بھی ہے، یہ خود مولانا کے قلم سے شعبان المعظم ۱۳۵۶ھ میں نقل ہوا ہے لیکن اصل نسخہ اسنہ تحریر معلوم نہیں ہو سکا، پہلا رسالہ بڑی تقطیع کے آٹھ اور دوسرا ۲۰ صفحے پر مشتمل ہے، خر میں ۱۳ صفحے کا ایک اور رسالہ بھی ان کے ساتھ شامل ہے، یہ امام دارقطنی کے معاصر ابو مسعود محمد بن ابراہیم بن عبید اللہ دمشقی (م ۴۰۱ھ) کی تالیف ہے، انھوں نے امام دارقطنی کے بعض تعقبات کو صحیح تسلیم کیا ہے لیکن اکثر کو غلط اور بعض کو غور وفکر کی کمی کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ ایک حدیث کے بارے میں امام دارقطنی نے لکھا ہے کہ اس کی امام مسلم نے تخریج کی ہے لیکن دمشقی کا بیان ہے کہ اس کی امام نے سرے سے تخریج ہی نہیں کی ہے[2] تلاش کے بعد دمشقی کا بیان صحیح معلوم ہوا۔

(۲۴) سنن دارقطنی۔ یہ امام دارقطنی کی سب سے اہم اور شہرۂ آفاق تصنیف ہے۔ ذیل میں

---

[1] سیرت البخاری ص ۲۹۶ [2] رسالہ دمشقی قلمی۔

Marfat.com

اس کی اہمیت اور خصوصیات بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سنن کی اہمیت اور کتب حدیث میں اس کا درجہ

صحاح ستہ کے بعد جو کتابیں شہ... وقبول اور وثوق واعتبار کے لحاظ سے ممتاز اور اہم مانی جاتی ہیں، ان میں سنن دارقطنی بھی ہے، بعض اہل علم نے اس کو تقریباً صحاح ستہ ہی کے ہم پایہ قرار دیا ہے، صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں۔

"فن حدیث میں بیشمار کتابیں لکھی گئی ہیں مگر علمائے سلف وخلف کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح اور معتبر کتاب صحیح بخاری ہے، پھر صحیح مسلم اور موطا امام مالک ہیں، ان کے بعد امام ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارقطنی کی کتابوں اور مشہور مسانید کا درجہ ہے[1]"

صحاح ستہ میں تمام صحیح حدیثوں کا حصر واستقصار نہیں ہے۔ ان کے علاوہ جو کتابیں صحیح اور مستند حدیثوں کے لئے مشہور خیال کی جاتی ہیں، ان میں سنن دارقطنی کا نام سرفہرست ہے علامہ ابن صلاح فرماتے ہیں۔

"صحیحین پر وہ صحیح اضافے مقبول ہیں جن کو امام ابوداؤ، ترمذی، نسائی، ابن خزیمہ اور دارقطنی و... میں سے کسی نے اپنی مشہور ومعتبر کتاب میں بیان کیا ہو اور اس کی صحت کی تصریح کی ہو[2]"

یہی خیال علامہ نووی اور سیوطی کا بھی ہے[3] سیوطی اور امام بغوی نے اپنی کتابوں میں صحاح او... مستند کتب حدیث کی طرح سنن دارقطنی کی حدیثوں کی بھی تخریج کی ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ سنن دارقطنی کا درجہ صحاح سے کمتر ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے ... کو حدیث کے تیسرے طبقہ کی کتابوں میں شمار کیا ہے[4] البتہ اس طبقہ کی کتابوں میں اس کو یک گونہ خصو... ضرور ہے، چنانچہ ابن صلاح، نووی اور سیوطی نے مصنفین صحاح کے بعد کے جن سات نامور محدثین ... تصنیفات کو عمدہ اور زیادہ نفع بخش بتایا ہے ان سب میں امام دارقطنی کا نام سرفہرست گنایا ہے[5]۔ د... حدیثوں کی جمع وترتیب کا زیادہ اہم اور مبارک زمانہ تیسری صدی ہجری کا ہے، اس عہد میں روایا... کی چھان بین اور راویوں کے نقد وتحقیق کا جو اعلیٰ اور بلند معیار قائم کیا گیا، اس کی مثال بعد کے دور...

---

[1] کشف الظنون ج اول [2] مقدمہ ابن صلاح [3] تدریب الراوی [4] عجالہ نافعہ مع فوائد [5] مقدمہ ابن صلاح وتدریب الراوی

Marfat.com

نہیں ملتی لیکن تیسری صدی ہجری کا یہ امتیاز مجموعی اعتبار سے ہے کیونکہ اس کے بعد بھی حدیث کے ایسے مجموعے تیار کیے گئے جو صحاح ستہ سے کمتر ہونے کے باوجود اس دور کی دوسری کتابوں کے برابر یا ان سے بڑھ کر ہیں، سنن دارقطنی چوتھی صدی ہجری کی ایسی ہی اہم اور مشہور کتاب ہے جو بعض حیثیتوں سے صحاح کے بعد حدیث کی سب سے اہم کتاب ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں "دارقطنی کی یہ مشہور کتاب اس فن کی بہترین کتابوں میں ہے"[1]

خصوصیات

سنن کی بعض اہم خصوصیات یہ ہیں:۔

(۱) امام دارقطنی کو کثرت و تعدد طرق میں بڑا کمال حاصل تھا۔ سنن میں اسانید و طرق کا انھوں نے استقصاء کیا ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے سنن کے شروع میں قلتین والی حدیث کے طرق و اسانید میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔ چنانچہ اس کی چون سندیں بیان کی ہیں اس سے ان کی قوت حفظ اور وسعت نظر کا پتہ چلتا ہے[2]۔

اسی طرح دباغ میتہ کے متعلق ستائیس[3] اور ماء بحر کے متعلق سولہ[3] سندوں اور طرق سے حدیث بیان کی ہے[3]۔

(۲) وہ فن جرح و تعدیل کے امام تھے، علل اور رجال حدیث پر ان کی نظر بڑی گہری تھی اس لئے سنن نقد و جرح کے متعلق اقوال کا عمدہ اور مفید ذخیرہ ہے، امام دارقطنی نے حدیثوں کے اکثر طرق و اسانید بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر مفصل کلام کر کے ان کی قوت و ضعف کا فیصلہ، حدیث کے درجہ و مرتبہ کی تعیین، اس کے حسن، صحیح، مرفوع و مسند یا ضعیف، سقیم، موقوف، مرسل، غریب اور منکر ہونے کی تصریح اور ایک قسم کی متعدد حدیثوں میں مرجح اور راجح مانی الباب کی نشاندہی کی ہے۔ راویوں اور حدیثوں کے بیان کے فرق و اختلاف، کمی بیشی، متابعت و عدم متابعت اور راوی کے متروک، مجہول، منکر، غیر ثابت، واضع، کذاب، سیئ الحفظ، مضطرب الحدیث اور ناقابل حجت ہونے یا ثقہ و ثابت، قوی و حجت اور عادل و ضابط ہونے کی تصریح، ان کے تفرد، دوسرے سے عدم ملاقات و عدم سماع، تمسک،

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ [2] بستان المحدثین [3] سنن دارقطنی ص ۱۲

اضطراب، اختلاط اور حدیث کے متن یا سند میں وہم و خطا پر مفصل کلام کیا ہے۔ اور اس بارے میں اہل علم اور ارباب فن کے اقوال بھی بیان کئے ہیں۔ اس طرح سنن ترمذی کی طرح اس سے بھی حدیث کا صحیح، حسن اور ضعیف ہونا معلوم ہو جاتا ہے، علامہ ابن صلاح نے اس کی اس خصوصیت کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:۔

ونص الدارقطنی فی سننہ علی کثیر من ذلک [1] — امام دارقطنی نے سنن میں اکثر حدیثوں کے حسن یا ضعیف ہونے کو واضح کر دیا ہے،

(۳) امام دارقطنی فقہ و خلاف کے ماہر تھے اس لئے اس کتاب سے فقہی آراء و مذاہب اور اجتہادی مسائل بھی معلوم ہو جاتے ہیں۔

(۴) راوی کے نام و کنیت، بلاد و اماکن اور بعض مشکل و غریب الفاظ کی مختصر وضاحت اور تفسیری بحثیں بھی گئی ہیں۔

(۵) روایت کے حسن و قبح کے ضمن میں واقعات اور تاریخی حالات بھی زیر بحث آگئے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے لیلۃ الجن میں شریک نہ ہونے کا ذکر ہے [2]۔

(۶) سنن دارقطنی چوتھی صدی ہجری کے نصف آخر کی تصنیف ہے، اس لئے اس کی سب سے اعلیٰ اور عمدہ سند خماسی ہے [3]

سنن کے نسخے امام دارقطنی سے جن لوگوں نے سنن کی روایت کی تھی ان کے نام یہ ہیں:۔

(۱) ابوبکر محمد بن عبدالملک بن بشران (۲) ابوطاہر محمد بن احمد بن محمد بن عبدالرحیم کاتب (۳) ابومنصور محمد بن محمد توقانی (۴) ابوبکر محمد بن احمد بن غالب برقانی (م ۴۲۵ھ) (۵) ابوالطیب طاہر بن عبداللہ بن طاہر طبری (م ۴۲۲ھ) (۶) شریف ابوالحسن محمد بن علی بن عبداللہ بن عبدالصمد بن مہتدی باللہ (م ۴۶۵ھ)

اس طرح سنن کے چھ نسخے تھے مگر اول الذکر تین اشخاص کے نسخے زیادہ مقبول ہوئے، ہندوستان میں ابن بشران کا نسخہ متداول ہے، متداول نسخوں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ معمولی ہے یعنی تقدیم

---

(۱) مقدمہ ابن صلاح (۲) سنن دارقطنی (۳) بستان المحدثین (۴) مقدمہ حاشیہ سنن دارقطنی از مولانا شمس الحق عظیم آبادی

Marfat.com

خیریا بعض راویوں کے نسب و نسبت کی کمی و بیشی کا کہیں کہیں الفاظ میں بھی قدرے اختلاف ہے، لیکن نفس حدیث میں فرق و اختلاف نہیں ہے۔ ابن عبدالرحیم کے نسخہ میں کتاب السبق ج نہیں ہے[1]

سنن کے قلمی نسخے متعدد کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں ۱۳۱۰ھ میں دہلی کے مطبع انصاری سے یہ ۵۴۴ صفحات میں شائع ہوئی ہے، متن کے ساتھ حاشیہ میں مولانا شمس الحق عظیم آبادی صاحب غایۃ المقصود و عون المعبود کی تعلیقات بھی ہیں اور آخر میں مولانا حسین بن محسن انصاری یمانی کے دو مختصر رسالے ہیں ایک میں شاذ و معلل حدیثوں کی تحقیق اور ان کے درمیان فرق کی وضاحت اور دوسرے میں صرف داہنے ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو مسنون ثابت کیا گیا ہے۔

سنن کے حواشی، تعلیقات اور زوائد سنن دارقطنی کے ساتھ علمائے فن کے شغف و اعتنا سے بھی اس کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

۱۔ علامہ بغوی اور حافظ سیوطی نے اس کی حدیثوں کی تخریج کی ہے۔

۲۔ حافظ ابن حجر نے اتحاف المہرۃ باطراف العشرۃ میں اس کے اطراف لکھے ہیں۔

۳۔ ابو الفضل بن طاہر نے سنن کے غرائب و افراد کے اطراف حروف معجم کی ترتیب پر لکھے ہیں۔

۴۔ علامہ ابن ملقن اور عراقی نے اس کے رجال کی بحث و تحقیق کی ہے۔

۵۔ شیخ زین الدین قاسم بن قطلوبغا حنفی نے ایک جلد میں اس کے زوائد جمع کئے ہیں[2]

۶۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادی نے سنن کی مختصر شرح اور تعلیق لکھی ہے جو سنن کے ساتھ حاشیہ پر چھپی ہے۔ اس میں حدیثوں کی تحقیق و تنقید، ان کے علل، مصالح، مطالب اور بعض مشکل مقامات کو حل کیا گیا ہے اور ائمہ فقہ و اجتہاد کے مذاہب و مسالک، راوی کے ناموں، کنیتوں اور بلاد و اماکن کی وضاحت اور لغوی و تفسیری مباحث پر بھی ان فنون کی اہم کتابوں کے حوالے بقدر ضرورت گفتگو کی ہے، حواشی کی ابتدا میں سنن و صاحب سنن کا تعارف، اس کے نسخوں اور مولف کتاب تک اپنی

---

[1] بستان المحدثین، اتحاف النبلاء [2] تدریب الراوی و الرسالۃ المستطرفہ

Marfat.com

سند کا سلسلہ بیان کیا گیا ہے۔

سنن پر اعتراض اوپر سنن کی اہمیت اور بلند پایگی پر مختصر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ آخر میں اس پر ایک اعتراض کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔

سنن دارقطنی پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں ضعیف، غریب، موضوع اور منکر حدیثیں بھی شامل ہیں۔ علامہ ابن عبدالہادی کا بیان ہے۔

الدارقطنی یجمع فی کتابہ غرائب السنن ویکثر فیہ من روایۃ الاحادیث الضعیفۃ والمنکرۃ بل والموضوعۃ [1]

امام دارقطنی نے اپنی سنن میں غریب حدیثیں اور ضعیف و منکر بلکہ موضوع روایتیں تک بھی کثرت سے جمع کی ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں۔

وقد روی فی مسندہ احادیث سقیمۃ و معلولۃ و منکرۃ و غریبۃ و موضوعۃ [2]

انھوں نے اپنی مسند میں سقیم، معلل، منکر، غریب اور موضوع حدیثیں بیان کی ہیں۔

اسی خیال کو علامہ زیلعی نے بھی نصب الرایہ میں نقل کیا ہے [3]

لیکن یہ اعتراض اس وقت صحیح ہوتا جب سنن دارقطنی کو تمام تر صحیح، منتخب اور مستند حدیثوں کا مجموعہ مانا جاتا مگر اس کا دعویٰ تو خود امام دارقطنی نے بھی نہیں کیا ہے، بلکہ انھوں نے جا بجا سنن کے اندر احادیث کی نوعیت اور اس کی صحت و سقم کی حقیقت واضح کر دی ہے۔ نیز علمائے فن نے بھی اس کو صحاح ستہ سے کم تر اور تیسرے طبقہ کی کتابوں میں شامل کیا ہے، اس طبقہ کی کتابوں کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ "یہ صحیح" حسن، ضعیف، معروف، منکر، غریب، شاذ، خطاء و صواب، ثابت و مقلوب ہر قسم کی حدیثوں پر مشتمل ہیں [4]

---

[1] الصارم المنکی فی الرد علی السبکی ص ۱۲ طبع مصر [2] البنایہ فی شرح الہدایہ ج ۱ ص ۹۰۷ [2] امام دارقطنی کی کتاب سنن کے نام سے مشہور ہی معلوم نہیں علامہ عینی نے اس کو مسند کیوں لکھا ہے [3] نصب الرایہ ج ۱ ص [4] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۰۷۔

Marfat.com

نیز شاہ عبدالعزیز صاحبؒ لکھتے ہیں: "اس طبقہ کے مصنفین نے دوسرے طبقہ کے مصنفین کی سی صحت کا التزام نہیں کیا ہے اور نہ ان کی کتابیں شہرت و قبول اور وثوق و اعتبار کے لحاظ سے دوسرے طبقہ کی کتابوں کے برابر ہیں۔ تاہم دارقطنی علوم حدیث میں تبحر، ضبط و وثوق اور ثقاہت و عدالت سے متصف تھے، لیکن ان کی کتابوں میں صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع ہر قسم کی حدیثیں شامل ہیں اور ان کے کچھ رجال تو عدالت سے متصف ہیں لیکن بعض مستور و مجہول ہیں"[1]

انصاف کی بات یہ ہے کہ خود صحاح ستہ بھی ضعیف حدیثوں سے خالی نہیں ہیں اس لئے یہ اعتراض امام دارقطنی کی طرح دوسروں پر بھی عائد ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے کثرت اسناد، تعدد طرق اور شواہد و متابعت وغیرہ کے خیال سے ہر طرح کی حدیثیں نقل کی ہیں مگر ان کی نوعیت و حقیقت بھی واضح کر دی ہے۔ شواہد و متابعات کے لحاظ سے امام مسلم اور ارباب صحاح نے بھی ضعیف اور غریب حدیثیں نقل کی ہیں۔

رہا یہ شبہ کہ اس طرح کی حدیثوں کی سنن دارقطنی میں زیادتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حدیثوں کا ضخیم مجموعہ ہے۔ اور امام صاحب نے کثرت و تعدد طرق اور متابعات و شواہد کو درج کرنے کا خاص طور پر اہتمام کیا ہے اس لئے اس میں ضعیف و غریب حدیثوں کی تعداد نسبۃً زیادہ ہو گئی ہے پھر بھی صحیح حدیثوں کے مقابلہ میں ان کی تعداد بہت کم ہے۔

اس توجیہہ کے بعد نہ اس اعتراض کی کوئی اہمیت دی جاتی ہے اور نہ سنن کے مرتبہ میں کوئی فرق آتا ہے۔

---

[1] عجالہ نافعہ مع فوائد جامعہ ص ۵۔

Marfat.com

امام ابوسلیمان حمد خطابی

(متوفی ۳۸۸ھ)

نام ونسب حمد نام، ابوسلیمان کنیت اور نسب نامہ یہ ہے:۔ حمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب[1]
بعض ارباب سیر وتذکرہ نے ان کا نام احمد لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، علامہ ذہبی نے اس
کو وہم قرار دیا ہے، اور علامہ مقدسی و ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ابوسلیمان کا نام احمد بھی بیان کیا گیا ہے
لیکن صحیح حمد ہے، حاکم نے ابوالقاسم ظفر بن طاہر بن محمد بستی فقیہ سے اس بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے
کہا کہ میں نے خود خطابی سے سنا ہے کہ میرا اصلی نام حمد ہے لیکن بعض لوگ احمد بھی کہتے ہیں، میں نے ان
لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا۔[2]

ولادت و وطن وہ ماہ رجب ۳۱۹ھ میں کابل کے مشہور شہر بست میں جو غزنین اور ہرات کے
درمیان واقع ہے پیدا ہوئے[3]

نسبتیں امام ابوسلیمان اپنے وطن کی نسبت سے بستی کہلاتے ہیں، لیکن ان کی مشہور نسبت خطابی
ہے، جو ان کے پردادا خطاب کے نام کی طرف ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام صاحب کا
خاندانی تعلق خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے بھائی زید بن خطاب سے ہے اور یہ نسبت اسی کی جانب
ہے مگر اکثر لوگوں کے نزدیک پہلا قول صحیح ہے۔[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ [2] ایضاً و کتاب الانساب مقدسی ص تاریخ ابن خلکان ج ۱ ص [3] ایضاً و کتاب الانساب سمعانی

[4] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ تاریخ ابن خلکان ج ا و کتاب الانساب سمعانی

اساتذہ | ان کے اساتذہ و شیوخ کی تعداد زیادہ ہے، حافظ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ انھوں نے بیشمار لوگوں سے حدیثیں سنیں لیکن متداول تذکروں میں چند ہی اساتذہ کا نام مذکور ہے۔

ابوبکر بن داسہ، ابوسعید بن اعرابی اور ابوالعباس اصم سے علم حدیث ابوعلی بن ابی ہریرہ اور قفال شاشی سے فقہ وافتا اور ابوجعفر رزاز، ابوعلی اسماعیل صفار اور ابوعمر زاہد وغیرہ سے لغت وعربیت کی تحصیل کی۔

تلامذہ | امام خطابی کے بعض تلامذہ کے نام یہ ہیں:۔

ابوحامد اسفرائنی، ابوعبداللہ حاکم، ابومسعود حسین بن محمد کرابیسی، ابوذر عبد بن احمد ہروی، ابوعبید ہروی، عبدالغفار بن محمد فارسی، ابوالقاسم عبدالوہاب بن ابی سہل خطابی، ابونصر محمد بن احمد بن سلیمان بلخی، ابوعمر و محمد بن عبداللہ رزجاہی[۱]

رحلت و سفر | امام خطابی کے زمانہ میں عراق، حجاز، خراسان اور ماوراءالنہر وغیرہ دینی علوم خصوصاً حدیث و روایت کا مرکز تھے، انھوں نے علم و فن کی تکمیل اور احادیث کی تحصیل کے لئے ان سب مراکز کا سفر کیا، نیشاپور میں طویل عرصہ تک قیام کر کے وہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے، اور طلبہ و شائقین علوم کو فیضیاب بھی کیا[۲]

جامعیت | امام خطابی بڑے جامع کمالات تھے۔ ان کو اپنے زمانہ کے تمام علوم میں کامل دستگاہ تھی۔ مورخین کا بیان ہے کہ وہ جامعیت کے اعتبار سے ابوعبید قاسم بن سلام کی طرح تھے، دونوں علم و ادب، زہد و ورع، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں ممتاز تھے علاوہ ازیں امام خطابی کو یہ امتیاز بھی حاصل تھا کہ وہ اچھے شاعر تھے[۳]

اعتراف کمالات | مورخین نے ان کی جامعیت، وفور علم اور کمالات کا پوری طرح اعتراف کیا ہے، علامہ ذہبی نے ان کو علامہ، محقق اور علم کا خزانہ، سمعانی نے فاضل، کبیرالشان اور جلیل القدر

---

۱ بعض مورخین نے ان کا نام عبدالغافر لکھا ہے ۲ کتاب الانساب سمعانی ورق ۱۸۱ تاریخ ابن خلکان ج ۱ ص ۱۶۶ و طبقات الشافعیہ ج ۲ ۳ کتاب الانساب تذکرۃ الحفاظ ج ۳ تاریخ ابن خلکان ج ۱

Marfat.com

لکھا ہے۔ حافظ ابن جوزی کا بیان ہے کہ ان کا علم نہایت وافر تھا۔ اور ابن سمعانی کا بیان ہے کہ علم میں عظیم حیثیت اور بلند مرتبہ کے مالک تھے۔ ابن عماد نے ان کو ان کے تمام معاصرین سے فائق قرار دیا ہے۔

حدیث میں درجہ | گو امام خطابی کو گوناگوں علوم میں کمال حاصل تھا۔ لیکن ان کا اصلی او امتیازی فن علم حدیث ہے۔ ان کا شمار اس فن کے ائمہ اور نامور محدثین میں کیا جاتا ہے، حفظ و ضبط عدل و اتقان اور فہم و درایت میں ان کا درجہ بلند تھا۔ علامہ ذہبی نے ان کو ثقہ و متثبت، سمعانی نے حجت و صدوق اور علامہ ابن سبکی نے امام حدیث لکھا ہے[1]

فقہ | فقہ و اجتہاد کی معرفت میں بھی بے نظیر تھے، مورخین نے ان کو فقیہ لکھا ہے، اور حافظ ابن کا بیان ہے کہ "وہ فقہائے مجتہدین میں تھے"

لغت و عربیت | لغت و عربیت۔ نحو و ادب اور معانی و بیان وغیرہ میں بھی صاحب کمال حافظ ابن جوزی نے لغت و معانی میں ان کی معرفت کا اور دوسرے مورخین نے ادب و عربیت میں مہ کا ذکر کیا ہے[2] اسی لئے ادبا، نحاۃ اور اہل لغت کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں بھی امام خطابی کا تذکرہ موجود ہے۔

شعر و سخن | ان کو شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی، اور وہ خود مشقِ سخن بھی کرتے تھے، چند اشعا درج ذیل ہیں:

کم معشر سلموا، لم یوذھم سبع	وما نری بشرا لم یوذہ بشر
کتنے لوگ درندوں کے ضرر سے محفوظ رہتے ہیں	لیکن ہم نے آدمی کو آدمی کی اذیت سے محفوظ نہیں دیکھا
وما غمۃ الانسان فی شقۃ النوی	ولکنھا واللہ فی عدم الشکل
وانی غریب بین بست واھلھا	وان کان فیھا اسرتی وبھا اھل

انسان کی کلفت اور پریشانی مسافرت اور غریب الوطنی میں نہیں ہے بلکہ ہم مذاق اور ہم جنسوں کے نہ ہونے

---

[1] ایضاً و کتاب الانساب ورق تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و العبر ج ۳ و المنتظم ج ۷ و طبقات الشافعیہ ج ۲ [2] ایضاً

Marfat.com

میں ہے۔ اسی لیے میں بست اور اہل بست کے درمیان رہ کر بھی غریب الوطن ہوں۔ حالانکہ یہ میرا وطن ہے اور یہاں میرے اہل وعیال اور اعزہ واقارب موجود ہیں۔

لعمرك ما الحياة وان حرصنا عليها غير ريح مستعارة

وما للريح دائمة هبوب ولكن تارة تجري ومارة

زندگی جس پر ہم اس قدر ریجھے ہوئے ہیں، بہ ہر اس مستعار ہوا کی طرح ہے جو ہمیشہ نہیں چلتی بلکہ کبھی کبھی چلتی ہے۔

تغنم سكون الحادثات فانها وان سكنت عما قليل تحرك

وبادر بايام السلامة انها رهون وهل للرهن عندك مترك

حوادث کے رکنے کو غنیمت سمجھو کیونکہ یہ جلد ہی متحرک بھی ہو جاتے ہیں، اور سکون وسلامتی کے دنوں کو غنیمت سمجھو کیونکہ یہ تمہارے پاس رہن ہیں۔ اور جو چیز رہن ہو وہ تمہارے پاس چھوڑی نہیں جا سکتی۔

تسامح ولا تستوف حقك كله وابق فلم يستقص قط كريم

ولا تغل في شيء من الامر واقتصد كلا طرفي قصد الامور ذميم[۱]

ترجمہ: نرمی اور آسانی سے کام لو اور اپنا حق پورا لینے کے بجائے کچھ باقی رکھو کیونکہ شریف آدمی کبھی آخری حد کو نہیں پہنچتا۔ کسی معاملہ میں غلو سے کام نہ لو بلکہ میانہ روی اختیار کرو کیونکہ اعتدال کے دونوں سروں (افراط وتفریط) پر مذمت ہوتی ہے۔

ارض للناس جميعا مثل ما ترضى لنفسك

انما الناس جميعا كلهم ابناء جنسك

فلهم نفس كنفسك ولهم حس كحسك[۲]

ترجمہ: اپنے لئے جو کچھ پسند کرتے ہو وہی سب لوگوں کے لئے بھی پسند کرو، تمام لوگ تمہارے ہی جنس کے ہیں، تمہاری طرح وہ بھی صاحب نفس واحساس ہیں۔

زہد واتقاء | علمی کمالات کی طرح ورع وتقویٰ میں بھی ممتاز تھے۔ مؤرخین نے ان کے زہد واتقاء کا ذکر کیا ہے۔

---

۱ یتیمۃ الدہر ... معجم الادباء ... ۲ مقدمہ معالم السنن

امامت و مرجعیت ان گوناگوں کمالات اور مختلف النوع خصوصیات کی وجہ سے ان کی
لوگوں کا مرکز بن گئی تھی۔ اور وہ امام و مقتدیٰ کہلاتے تھے۔ ابن سمعانی لکھتے ہیں کہ وہ لائق ا
اور ائمہ سنت و حدیث میں تھے [1]

مسلک امام خطابی گو خود اجتہادی بصیرت اور فقہی ژرف نگاری میں ممتاز تھے تاہم و
شافعی کے مسلک پر کاربند تھے۔

اخلاق و عادات ان کے اخلاق و عادات کے ذکر سے کتابیں خاموش ہیں۔ مگر ان کی س
و فیاضی اور فہم و دانش کا اعتراف کیا گیا ہے، وہ اپنی کمائی کا بیشتر حصہ اپنے دوستوں اور
لوگوں پر خرچ کر ڈالتے تھے، ان سے متعدد حکیمانہ اقوال بھی منسوب ہیں، اور ان کے شعروں
بھی حکمت و اخلاق اور فہم و دانائی کی باتیں ملتی ہیں۔

پیشہ امام خطابی تجارت پیشہ تھے، اور اپنے زہد و ورع کی وجہ سے ہمیشہ حلال اور طیب
کماتے تھے۔

انتقال مشہور اور صحیح قول کے مطابق بروز شنبہ ۲، ربیع الآخر ۳۸۸ھ کو وفات پائی۔ بعض
مورخین نے ۱۶، ربیع الآخر اور بعض نے ربیع الاوّل کا مہینہ لکھا ہے، ایک قول کے مطابق ان
کی وفات ۳۸۶ھ میں ہوئی [2]

تصنیفات امام خطابی کو تصنیف و تالیف کا بڑا عمدہ ذوق تھا، اور چونکہ ان کو گوناگو
علوم سے مناسبت اور اشتغال تھا، اس لئے ان کی کتابوں کے موضوعات میں بڑا تنوع ہ
اُن سے بے شمار کتابیں یادگار رہیں، اور ان میں اکثر کتابیں بیش قیمت اور حسن تالیف اور
طرز تصنیف کا نمونہ ہیں، ذیل میں ان کی تصنیفات کی فہرست اور بعض کے متعلق مختصر م
پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) کتاب الجہاد (۲) کتاب شان الدعا یا بیان الدعا (۳) کتاب الشجاج یا کتاب بیان

[1] کتاب الانساب و طبقات الشافعیہ ج ۲ [2] ایضاً و تذکرۃ الحفاظ و بستان المحدثین

Marfat.com

(۴) کتاب شرح الادعیۃ الماثورہ (۵) کتاب شرح دعوات لابی خزیمہ (۶) کتاب العروس (۷) کتاب العزلہ (۸) کتاب الغنیہ عن الکلام واہلہ (۹) کتاب اصلاح الغلط (بعض نے اس کا نام اصلاح غلط المحدثین لکھا ہے)

(۱۰) کتاب تفسیر اسامی الرب عزوجل۔ غالباً شرح الاسماء الحسنیٰ اور شرح اسماء اللہ الحسنیٰ بھی اسی کتاب کے نام ہیں، اس موضوع پر علمائے اسلام کی متعدد تصنیفات کی فہرست صاحب کشف الظنون نے تحریر کی ہے، امام خطابی کی تصنیف اہم کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔

(۱۱) اعلام السنن، اسی کا نام اعلام الحدیث اور شرح البخاری بھی ہے۔ اس میں بخاری شریف کی حدیثوں کی شرح کی گئی ہے۔ امام صاحب جب سنن ابی داؤد کی شرح لکھ چکے تو اہل بلخ کی فرمائش پر انہوں نے بخاری شریف کی بھی ایک جلد میں شرح لکھی جو لطیف نکات اور مفید مطالب پر مشتمل ہے، لیکن یہ معالم السنن کی طرح طویل نہیں ہے۔ بلکہ اس میں اختصار سے کام لیا گیا ہے، امام محمد تیمی اور ابوجعفر احمد بن سعید داؤدی نے اپنی شرحوں میں ان چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کو امام خطابی نے نظر انداز کر دیا ہے۔ ان کتابوں میں خطابی کے بعض مسامحات کا بھی ذکر ہے۔

اعلام السنن کا ایک نسخہ موصل کے جامع سلطان اویس میں ہے۔ داؤد چلپی نے مخطوطات موصل کے صفحہ ۴۹ پر اس کا ذکر کیا ہے۔ حلب کے کتبہ شیخ محمد سلطان مرحوم میں اس کتاب کا نصف آخر موجود ہے جو ۴۰۰ھ کا لکھا ہوا ہے۔

(۱۲) غریب الحدیث۔ اس کا شمار امام خطابی کی مشہور اور اہم کتابوں میں ہوتا ہے، ان سے پہلے اور بعد میں اس فن میں متعدد کتابیں لکھی گئیں، جن میں ابوعبیدہ، ابن قتیبہ اور امام خطابی کی کتابیں بہت اہم اور بہتر خیال کی جاتی ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ امام خطابی کی کتاب کا پایہ ان سب میں بلند ہے۔ انہوں نے ابن قتیبہ کی کتاب کا ذیل بھی لکھا ہے اور ان کی غلطیوں اور اوہام کی نشاندہی بھی کی ہے۔ ابوالحسن عبدالغافر نے ان سے اس کتاب کی روایت کی تھی۔ غالباً یہ بیش قیمت اور اہم کتاب اب معدوم ہے۔

Marfat.com

معالم السنن۔ یہ ان کی سب سے اہم اور مشہور کتاب ہے۔ اس میں سنن ابی داؤد کی حدیثوں کی شرح، اس کے اہم مطالب کی توضیح اور اس کے مشکلات کو نہایت عالمانہ و محققانہ انداز اور دلنشیں و دلکش پیرایہ میں حل کیا گیا ہے۔ اس کی چار جلدیں اعلام النبلاء کے فاضل مصنف محمد راغب طباخ نے بعض مخطوط نسخوں کی مدد سے ایڈٹ کر کے مطبع علمیہ حلب سے ۱۳۵۱ھ تا ۱۳۵۲ھ میں شائع کیا تھا۔ اور اس کے شروع میں امام ابوداؤد اور امام خطابی کے حالات و کمالات بھی تحریر کئے ہیں، ان چاروں جلدوں کے صفحات کی مجموعی تعداد تقریباً ڈیڑھ ہزار ہے شہاب الدین ابومحمود احمد بن محمد بن ابراہیم مقدسی (م ۷۶۹ھ) نے عجالۃ العالم میں کتاب العالم کے نام سے اس کی تلخیص کی تھی[1] اس شرح کی بعض اہم خصوصیات[2] یہ ہیں۔

(۱) یہ سنن ابوداؤد کی سب سے اہم، مستند اور قدیم شرح ہے۔ اس کے بعد جو شرحیں لکھی گئیں وہ زیادہ تر اسی سے ماخوذ ہیں۔

(۲) احادیث کی تشریح و تفسیر اور بحث و تحقیق کا معیار نہایت بلند اور طرز استدلال بہت دلکش اور دلنشیں ہے۔ جن چیزوں سے عموماً لوگ سرسری طور پر گزر جاتے ہیں، امام صاحب نے ان سے بڑے دقیق مسائل، گہرے معانی و حقائق اور دلچسپ نتائج و نکات مستنبط کئے ہیں۔ اس ضمن میں احادیث کے اندر پیدا ہونے والے شکوک و اعتراضات کا بھی بہت مفصل اور عالمانہ جواب دیا گیا ہے۔

(۳) امام خطابی کا شمار ان علمائے اسلام میں ہوتا ہے جو شرعی احکام کے علل و مصالح بیان کرنے میں زیادہ ممتاز سمجھے جاتے ہیں، اس لئے انہوں نے معالم السنن میں حدیثوں کے اسرار و حکم بیان کرنے پر خاص توجہ کی ہے۔

(۴) حدیثوں کے باہمی اختلاف و تضاد کو رفع کرنے اور ان میں جمع و تطبیق دینے کی پوری کوشش کی ہے۔

---

[1] کشف الظنون [2] اس شرح کی خصوصیات پر راقم نے تین نمبروں (دسمبر ۶۹ تا فروری ۷۰ء) میں ایک مفصل مضمون لکھا

Marfat.com

(۵) امام خطابی کا پایہ جرح و تعدیل میں بھی نہایت بلند تھا۔ اس لئے معالم السنن میں حدیث کی فنی بحثوں اور اصول حدیث پر بڑی ماہرانہ گفتگو کی گئی ہے۔

(۶) معالم السنن فقہی حیثیت سے بھی نہایت اہم کتاب خیال کی جاتی ہے۔ امام صاحب فقہ و خلاف میں ممتاز اور خود بھی صاحبِ تفقہ و اجتہاد تھے۔ چنانچہ اس میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور اس زمانہ تک کے تمام ائمہ مجتہدین کے آراء و مسالک کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور مختلف اقوال میں محاکمہ کر کے مرجح قول کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں بعض مسائل سے امام صاحب کی فقہی ژرف نگاہی اور اجتہادی بصیرت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

(۷) وہ لغت و عربیت میں بھی ممتاز تھا، اس لئے لغوی، نحوی و صرفی بحثیں کلام کی بلاغت طرز ادا اور اسلوب بیان کی بھی اس میں وضاحت کی گئی ہے۔

غرض حدیثوں کی تفسیر، ان کے مواقع استنباط، وجوہ معانی کی دلالت، مشکل الفاظ دقیق متون کی شرح، فقہی مباحث، احکام و مسائل کے استنباط اور علماء کے اقوال و اختلافات کی تفصیل وغیرہ کے لحاظ سے یہ بے نظیر اور متعدد گوناگوں فوائد، مختلف النوع مباحث اور حدیث سے متعلق اہم تحقیقات پر مشتمل نہایت جامع و مدلل کتاب ہے۔

Marfat.com

امام ابن جمیع

(متوفی سنہ ۴۰۲ھ)

نام ونسب محمد نام، ابوالحسین کنیت، نسب نامہ یہ ہے:۔ محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن عبدالرحمٰن بن یحییٰ بن جمیع[1]، اپنے جد امجد جمیع کے نام پر ابن جمیع کے لقب سے مشہور ہوئے

ولادت، خاندان ووطن امام ابن جمیع کا قبیلہ، ازد کی مشہور شاخ غسان سے جو شام میں آباد تھی خاندانی تعلق تھا، اور وطن شام کا ایک شہر صیدا ہے، یہیں ۳۰۵ھ میں وہ پیدا ہوئے علامہ سمعانی نے سنہ ولادت ۳۰۶ھ لکھا ہے[2]

وطن کی نسبت سے صیدادی اور صیدانی اور خاندان کی نسبت سے غسانی کہلاتے تھے۔

رحلت وسفر اس عہد کے دستور کے مطابق امام ابن جمیع نے علم کی تحصیل اور احادیث کی طلب کے لئے مختلف اسلامی ملکوں اور شہروں جیسے دمشق، بغداد، مکہ، بصرہ، کوفہ، عراق، مصر اور فارس وغیرہ کا سفر کیا، اور ان مرکزی مقامات کے علماء ومحدثین سے اکتساب فن کیا، کثرت سفر کی وجہ سے ابن جمیع "الجوال" اور ذوالرحلۃ الکثیرۃ"، یعنی بہت بڑے سیاح کہلاتے تھے[3]

اساتذہ ابن جمیع کے چند نامور شیوخ کے نام یہ ہیں:۔

ابوسعید بن الاعرابی، ابوالعباس بن عقدہ، ابوعبداللہ محاملی اور ابوروق ہزانی۔

تلامذہ بعض ممتاز شاگردوں کے نام یہ ہیں:۔

---

[1] بستان المحدثین [2] کتاب الانساب [3] ایضاً وبستان المحدثین۔

Marfat.com

حافظ عبدالغنی بن سعید، تمام رازی صاحب فوائد، محمد بن علی صوری، ابوسعد احمد بن محمد بن عبداللہ مالینی، ابونصر عبدالرحمٰن بن ابی عقیل الصوری، ابونصر حسین بن محمد بن احمد خطیب دمشقی اور حسن بن جمیع وغیرہ۔[۱]

حفظ وضبط اور حدیث میں درجہ ومرتبہ ابن جمیع کے حفظ وضبط، عدالت وثقاہت اور حدیث میں بلند پائیگی کے علمائے فن اور محدثین معترف ہیں، الحافظ ان کا لقب تھا، اور خطیب بغدادی وغیرہ نے ان کی توثیق وتعدیل کی ہے۔ خطیب کا بیان ہے کہ ھو اسند من بقی من الشام حدیث میں ان کے کمال اور رسوخ کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسند الشام ومحدثہ یعنی شام کے محدث ومسند کے نام سے موسوم کئے جاتے تھے۔[۲]

مداومت عمل اور ذوق عبادت ابن جمیع کے عام حالات وواقعات معلوم نہیں ہو سکے، اس لئے ان کی سیرت وکردار اور عام اوصاف وخصائل کے متعلق بھی کچھ نہیں لکھا جا سکتا۔ تاہم ان کے ذوق بندگی، کثرت عبادت اور معمولات وغیرہ میں اہتمام اور پابندی کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اٹھارہ سال کی عمر سے انہوں نے مسلسل روزے رکھنا شروع کئے تو کبھی عمر بھر ان کے روزے فوت نہ ہوئے، اور نہ اس معمول میں کوئی فرق آیا۔[۳]

وفات ۹۷ سال کی عمر میں ماہ رجب ۴۰۲ھ کو انتقال کیا۔[۴] لیکن علامہ سمعانی کا بیان ہے کہ ۳۷۴ھ کے بعد ان کا انتقال ہوا۔[۵]

مسند یا معجم ابن جمیع کی صرف ایک تصنیف کا پتہ چلتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کا نام مسند اور بعض نے معجم بتایا ہے، غالباً اس میں مسند ومعجم دونوں کی خصوصیات موجود تھیں، اس کا مکمل قلمی نسخہ حافظ ابن حجر کے ہاتھ کا لکھا ہوا جرمنی کے کتب خانہ میں موجود ہے اور ان کے قلم سے اس پر مفید حواشی بھی تحریر ہیں۔[۶] اس معجم کے ایک قدیم مستند اور نایاب نسخے کا

---

[۱] ایضاً وبستان المحدثین [۲] ایضاً والجرح ۳ [۳] العبر ج ۳ وبستان المحدثین [۴] ایضاً [۵] کتاب الانساب [۶] مقدمہ تحفۃ الاحوذی۔

Marfat.com

ایک جزو جو سات حدیثوں پر مشتمل ہے، خدا بخش لائبریری پٹنہ میں بھی ہے، اس کے خاتمہ کے ایک نوشتہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس اصل نسخہ سے نسخہ نقل کیا گیا ہے، اس سے بعد میں عبارت لفظ بلفظ ملا کر دیکھ لی گئی ہے، ایک اور کرم خوردہ عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ اس نسخہ کا چند محدثین نے اپنے نسخوں سے بھی موازنہ کیا ہے۔ یہ جزو ۶۰۲ھ یا اس سے قبل کا نوشتہ ہے[1]

---

[1] نوادر خدا بخش لائبریری۔

Marfat.com

امام ابوعبداللہ حاکم

(متوفی ۴۰۵ھ)

نام و نسب

محمد نام، ابوعبداللہ اور ابن بیع کنیت اور حاکم لقب ہے۔ پورا نسب نامہ یہ ہے:

محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم بن حکم[1]

امام ابوعبداللہ کے اجداد میں کوئی بزرگ تجارتی کاروبار کرنے کی بنا پر بیع (بیوپاری) کہلاتے تھے اس نسبت سے امام صاحب کو ابن بیع کہا جاتا ہے، منصب قضا پر فائز ہونے کی وجہ سے حاکم کے لقب سے ملقب کئے گئے[2] ابوالفدا نے ابن الحاکم لقب سے تحریر کیا ہے[3] یہ غالباً اس لئے کہ ان کے جد امجد کا نام حاکم تھا، ممکن ہے بعد میں ابن حذف ہو کر صرف حاکم رہ گیا ہو۔

ولادت

امام صاحب دوشنبہ ۳ ربیع الاول ۳۲۱ھ کو نیشاپور میں پیدا ہوئے[4]

خاندان و وطن

امام صاحب کے مرزبوم ہونے کا فخر عراق عجم کے مشہور مردم خیز شہر نیشاپور کو حاصل ہے، اس لئے وہ نیشاپوری کہلاتے ہیں، لیکن ضبی اور طہانی کی نسبتوں سے ان کا عربی قبائل سے خاندانی تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ "حاکم کی دادی

---

[1] تاریخ بغداد ج ۵، ابن خلکان ج ۲، المنتظم ج ۵، تبیین کذب المفتری، الطبقات الکبریٰ ج ۳

[2] ابن خلکان ج ۲، بستان المحدثین   [3] تاریخ ابوالفدا ج ۲

[4] الطبقات الکبریٰ ج ۳، تبیین کذب المفتری   [5] تذکرۃ الحفاظ ج ۳

Marfat.com

سبطہ، عیسیٰ بن عبدالرحمٰن ضبی کی صاحبزادی تھیں۔ طہمانی کی نسبت ابراہیم بن طہمان کی جانب ہے جو صاحب فضل وکمال تھے۔[1]

امام صاحب ایک علمی خانوادے کے چشم وچراغ تھے، ان کے والد اور ماموں علم وفن کے دلدادہ تھے، ان دونوں بزرگوں کے فیض توجہ سے وہ بچپن ہی میں علم وفن کی تحصیل میں مشغول ہو گئے تھے اور سب سے پہلے اپنے والد ماجد سے اکتساب فیض کیا۔ اُن کے والد بزرگوار کو امام مسلم کو دیکھنے کا شرف بھی حاصل تھا۔[2]

اساتذہ

مورخین کا بیان ہے کہ امام صاحب کو تقریباً دو ہزار فضلاء اور محدثین سے استفادہ کرنے کا موقع ملا تھا۔ خاص نیشاپور کے اساتذہ کی تعداد ایک ہزار بتائی جاتی ہے، اپنے والد کے علاوہ جن ممتاز محدثین سے انہوں نے حدیثوں کی روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:۔

ابن ابی سبرہ، ابن درستویہ، ابوحامد بن حسنویہ مقری، ابوسہل بن زیاد، ابوبکر احمد بن سلمان نجاد، حسن بن یعقوب بخاری، ابوعلی حسین بن علی الحافظ نیشاپوری، ابوصالح خلف بن محمد بن اسمٰعیل خیام، ابومحمود علیج بن احمد سجزی، ابومحمد عبدالرحمٰن بن حمدان جلاب، ابوعمرو عثمان بن محمد بن سماک، علی بن محمد بن عقبہ شیبانی، ابوالعباس محمد بن احمد بن محبوب التاجر محبوبی، ابوجعفر محمد بن صالح بن ہانی، محمد بن عبداللہ صفار اصبہانی، ابوجعفر محمد بن علی بن رحیم شیبانی، محمد بن علی بن عمر، ابونصر محمد بن یوسف، العباس محمد بن یعقوب الاصم، ابوعبداللہ محمد بن یعقوب بن الاخرم شیبانی

فقہ کی تحصیل اس زمانہ کے مشہور فقہاء ابوسہل محمد بن سلیمان صعلوکی، ابوعلی بن ابی ہریرۃ، ابوالولید حسان بن محمد اور ابوبکر احمد بن اسحٰق ضبی وغیرہ سے کی۔ قرأت کا فن محمد بن ابومنصور صرام، ابن امام، علی بن علی نقارکونی اور ابوعیسیٰ بکار بغدادی وغیرہ قراء سے سیکھا اور تصوف واسرار دین کی تکمیل کے لئے ابوعمرو بن نجید، ابوالحسن بوشنجی، ابوسعید احمد بن یعقوب ثقفی، ابونصر صفار، ابوالقاسم رازی، جعفر بن نصیر، ابوعمرو الزجاجی جعفر بن ابراہیم حذا، شیخ ابوعثمان مغربی اور ابوعمر بن محمد بن جعفر خلدی وغیرہ مشائخ وصوفیہ کی صحبت اختیار کی۔[3]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۳، الطبقات الکبریٰ ج ۳ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۳

تلامذہ

امام حاکم کے بعض مشہور تلامذہ کے نام حسب ذیل ہیں:۔

ابوذر ہروی، ابوصالح مؤذن، ابویعلی الخلیلی، ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، ابوبکر احمد بن علی بن خلف شیرازی، ابوعثمان اسمٰعیل بن عبدالرحمن صابونی، زکی عبدالحمید بحیری، ابوالقاسم بن عبداللہ ابن احمد ازہری، ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، عثمان بن محمد جمحی، ابوالفتح محمد بن احمد بن ابی الفوارس، محمد بن احمد بن یعقوب، ابوبکر محمد بن علی بن اسمٰعیل قفال شاشی اور ابوالعلاء محمد بن یعقوب واسطی۔

ان کے شیوخ میں امام ابوالحسن دارقطنی، احمد بن ابوعثمان حیری اور ابواسحٰق مزکی نے بھی ان سے سماع کیا تھا۔ امام دارقطنی سے ان کی برابر مصاحبت اور ہم نشینی رہتی تھی، خطیب بغدادی ایک واسطہ سے حاکم کے شاگرد ہیں۔

شوق علم

امام حاکم بچپن ہی میں تعلیم و تعلم میں مشغول ہو گئے تھے اور نو سال کی عمر میں باقاعدہ حدیث کا سماع کیا۔ علم سے شغف کا یہ حال تھا کہ ان کو اپنے سے کمتر اور کمسن لوگوں سے بھی روایت کرنے میں کسی طرح کا عار نہ ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کے اساتذہ کی تعداد بے شمار ہے۔

رحلت و سفر

اپنے علمی ذوق کی تسکین کے لئے انہوں نے سب سے پہلے اپنے وطن نیشاپور کے جو اس وقت علمائے فن اور محدثین کا مرکز بنا ہوا تھا، ارباب کمال کی جانب رجوع کیا، بیس سال کے ہونے تو دوسرے علمی شہروں اور مراکز حدیث کا رُخ کیا، اور عراق، بغداد، مکہ، کوفہ مرو، بخارا، ماوراء النہر، ہمدان اور اصبہان وغیرہ تشریف لے گئے، اسفار کی کثرت کی وجہ سے مؤرخین ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ طاف الآفاق، رحل الکثیر، بغداد دو بار گئے تھے۔ پہلی بار عین شباب کے زمانہ میں اور دوسری دفعہ گئے تو ان کا سن زیادہ ہو چکا تھا۔[۱]

حدیث و روایت میں کمال و امتیاز

علم حدیث میں غیر معمولی کمال و امتیاز کی بنا پر وہ الحافظ الکبیر اور امام المحدثین وغیرہ کے القاب سے یاد کئے جاتے تھے۔ ابوحازم عبدوی کا بیان ہے کہ حاکم اپنے زمانہ میں محدثین کے امام تھے۔ یافعی لکھتے ہیں "حدیث اور اس کے متعلق علوم کی معرفت میں ان کو بڑی مہارت حاصل تھی"۔ علامہ ذہبی فرماتے

[۱] تاریخ بغداد ج ۵

Marfat.com

ہیں "نہ صرف خراسان بلکہ ساری دنیا میں اقلیم حدیث کی تاجداری ان پر ختم ہوگئی" علامہ ابن صلاح اور حافظ نودی نے صحاح ستہ کے مصنفین کے بعد جن سات محدثین کو نہایت صاحب کمال قرار دیا ہے، اُن میں امام دارقطنی کے بعد دوسرا نام حاکم ہی کا بتایا ہے۔ ان کے زمانہ کے جن چار محدثین کو خصوصیت سے سرآمد روزگار سمجھا جاتا تھا، اُن میں ایک یہ بھی تھے" عبدالغافر کہتے ہیں وہ اپنے زمانہ میں اہل حدیث کے امام اور فن حدیث سے بخوبی واقف تھے۔

حفظ وثقاہت

حدیث میں ان کے کمال کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے حفظ ضبط اور ثقاہت وعدالت پر تمام ائمہ فن اور محدثین کا اتفاق ہے۔ اہل سیر نے الحافظ الکبیر، من اہل الحفظ اور من اکابر حفاظ الحدیث وغیرہ کہہ کر ان کے حافظ کی توثیق کی ہے۔ ابوعبدالرحمن سلمی کا بیان ہے کہ میں نے امام دارقطنی سے حاکم اور ابن مندہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ابن بیع حافظ میں زیادہ مستند اور اتقن ہیں۔

کلامی مذہب

کلام وعقائد میں اشاعرہ کے ہمنوا تھے، ابن سبکی نے ان کے اشعری المذہب ہونے کی تصریح کی ہے، اور علامہ ابن عساکر نے تبیین میں اشاعرہ کے دوسرے طبقہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ اس طبقہ میں ان لوگوں کے ترجمے درج ہیں جو امام ابوالحسن اشعری کے تلامذہ کے صحبت یافتہ اور ان کے اصول پر کاربند تھے۔

تدین وتقویٰ

وہ زہد واتقار اور دیانت وامانت میں ممتاز تھے، حافظ ابن کثیر کا بیان ہے کہ "حاکم متدین، امین صاحب خرم وورع اور اللہ کی جانب مائل ومتوجہ رہتے تھے" حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے تھے، تصوف سے اشتغال اور اکابر صوفیہ ومشائخ سے وابستگی بھی ان کے تدین کا ثبوت ہے۔

ل تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ، تاریخ ابن خلکان ج ۲ ، ومراۃ الجنان ج ۳ ، العبر ج ۳

ل البدایہ والنہایہ ج ۱۱

Marfat.com

سیاسی و اجتماعی مشاغل

پہلے گذر چکا ہے کہ امام صاحب عہدۂ قضاء پر متمکن ہونے کی بنا پر حاکم کہلاتے تھے، بعض مؤرخین نے ان کو سا کا لیکن اکثر نے نیشاپور قاضی بتایا ہے، یہ ۳۵۹ھ کا واقعہ ہے۔ اس زمانہ میں دولت سامانیہ کی طرف سے نیشاپور میں ابوالنصر محمد بن عبد الجبار عتبی کی ولایت قائم تھی، امام صاحب محکمۂ قضاء کے فرائض سے اس قدر خوش اسلوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے کہ دوبارہ ان کو جرجان کا عہدۂ قضاء پیش کیا گیا لیکن انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا مگر بعض مؤرخین نے ان کے جرجان کے قاضی مقرر کئے جانے کی تصریح کی ہے۔

امام صاحب پر دولت سامانیہ اور اس کے امراء و حکام کو بڑا اعتماد تھا، امیر ابوالحسن ان سے مشورے طلب کرتا تھا، اور بنی بویہ کے پاس سفارت کے لیے بھیجتا تھا، امام صاحب نے بنی بویہ اور سامانی حکومت کے درمیان سفارتی فرائض بڑی اچھی طرح انجام دیئے۔

ان کو ملی و اجتماعی کاموں سے بھی یک گونہ دلچسپی تھی، ایک زمانہ میں مدرسہ دار السنت کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری انہی کے سپرد تھی، ان کے استاد احمد بن اسحٰق ضبعی نے اپنی وفات کے وقت مدرسہ کے امور و معاملات کی نگرانی اور اوقاف کی تولیت و اہتمام کے بارے میں ان کو وصیت کی تھی[۱]

مقبولیت و مرجعیت

امام صاحب اپنے گوناگوں کمالات کی وجہ سے مسلمانوں کے منتہائے امام اور ان کی عقیدت و توجہ کا مرکز بن گئے تھے، اور خواص و عوام سب میں یکساں مقبول اور ہر دلعزیز تھے، علامہ ابن سبکی کا بیان ہے کہ ان کی عظمت شان، جلالت قدر اور امامت فن پر سب کا اتفاق ہے، وہ ان ائمہ اعلام میں تھے جن کے ذریعہ اللہ نے اپنے دین مبین کی حفاظت کا کام لیا ہے، لوگ دور دراز سے ان کی خدمت میں آکر اپنی علمی تشنگی بجھاتے تھے وہ جس بزم میں پہنچ جاتے اُس کی رونق بڑھ جاتی، لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے اور شایان شان استقبال کرتے، اکابر محدثین و نامور ائمہ فن کے مجمع میں بھی تشریف لے جاتے تو لوگوں کو اپنے علمی تبحر اور خوش کلامی سے متاثر کر دیتے تھے، عبد الغافر امام حاکم کی مدح و ستائش میں نہایت

۱؎ تاریخ ابن خلکان ج ۲، والطبقات الکبریٰ ج ۳ و تبیین کذب المفتری و تذکرۃ الحفاظ ج ۳

رطب اللسان رہتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ہمارے اساتذہ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کے اکثر فضلاء و ارباب کمال جیسے صعلوکی اور ابن فورک وغیرہ ان کو اپنے سے فائق اور مقدم سمجھتے تھے اور ان کے حفظ و معرفت حدیث میں انفرادیت کی بنا پر ان کی فضیلت و برتری کے معترف اور ان کی عزت احترام کا پورا خیال رکھتے تھے۔ ان کی تصنیفات، طرق حدیث میں ان کے علم و نظر، علمی مباحث امالی وغیرہ میں ان کے تصرفات و کمالات کا جو جائزہ لے گا وہ ان کے فضل و کمال کا ضرور اعتراف کرے گا اور اس کو اندازہ ہو جائے گا کہ وہ اپنے سے پہلے کے علماء پر بھی فوقیت رکھتے تھے، حاکم اپنے کمالات کی وجہ سے اس بلند مقام پر فائز تھے، جہاں پہنچنا دوسروں کے لیے ممکن نہیں تھا۔ وہ اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔ ان کی موت سے خلا ہوا ہے وہ پُر نہیں ہو سکتا[1]

وفات امام صاحب نے اپنے وطن نیشاپور میں منگل یا بدھ ۳ صفر ۴۰۵ھ کو دفعۃً انتقال کیا حمام سے غسل کر کے نکل رہے تھے، اور صرف تہمد باندھے ہوئے تھے کہ ایک آہ کھینچی اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ عصر بعد تجہیز و تکفین کی گئی، قاضی ابوبکر حیری نے جنازہ کی نماز پڑھائی خلیل بن عبداللہ نے ارشاد میں ۴۰۳ھ سنہ وفات لکھا ہے، لیکن علامہ ابن سبکی وغیرہ نے اس کی تردید کی ہے۔

حسن بن اشعث قرشی نے خواب دیکھا کہ حاکم نہایت اچھی وضع قطع میں ایک گھوڑے پر سوار ہو کر کہہ رہے ہیں کہ مجھے نجات مل گئی۔ میں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ حدیث کی تحریر و کتابت کی وجہ سے اللہ نے مجھ کو نجات دی ہے[2]

تصنیفات امام ابوعبداللہ حاکم کی تصنیفات کمیت و کیفیت دونوں حیثیتوں سے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کا خود بیان ہے کہ "میں نے زمزم کا پانی پی کر خدا سے حسن

---

[1] تاریخ ابن خلکان ج ۲۔ والطبقات الکبری ج ۳، تبیین کذب المفتری تذکرۃ الحفاظ ج ۳

[2] ایضاً

Marfat.com

تصنیف کی دعا کی تھی۔ ان کی دعا مقبول ہوئی ارباب سیر کا اتفاق ہے کہ تصنیفی حیثیت سے ان کا مرتبہ نہایت بلند تھا، سعد بن علی زنجانی سے جب چار ہمعصر محدثین کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے ہر ایک کی جداجدا خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ان سب میں حاکم سب سے بہتر تصنیف والے تھے، علامہ ابن خلکان فرماتے ہیں کہ "حاکم نے علوم حدیث میں بے نظیر تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں" سمعانی کا بیان ہے کہ انہوں نے علوم حدیث اور دیگر فنون میں بڑی عمدہ کتابیں لکھیں، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ لکھتے ہیں "حاکم اور فن تصنیف و ترتیب دخل تمام بود"

ان کی تصنیفات کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے، بعض لوگوں نے پانچ سو بعض نے ایک ہزار اور بعض نے ڈیڑھ ہزار جزکے بقدر تعداد بتائی ہےؔ لیکن قدما کی طرح ان کی بھی اکثر کتابیں اب معدوم اور ناپید ہیں، جن کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) الاربعین (۲) الامالی (۳) امالی العشیات (۴) تراجم الشیوخ (۵) تراجم المسند علی شرط الصحیحین (۶) التلخیص (۷) فضائل الامام الشافعی (۸) فضائل العشرة المبشرہ (۹) فضائل فاطمہ (۱۰) فوائد الخراسانیین (۱۱) فوائد الشیوخ (۱۲) فوائد العراقیین (۱۳) ماتفرد باخراجہ کل واحد من الامامین (۱۴) کتاب المبتدا من اللآلی (۱۵) مناقب الصدیق۔

(۱۶) کتاب العلل، علل میں امام مسلم اور دارقطنی کی کتابیں اہم سمجھی جاتی ہیں، حاکم کی کتاب کا بھی ان ہی کے ساتھ نام لیا جاتا ہے۔

(۱۷) تفسیر القرآن، علامہ سیوطی اور صاحب کشف الظنون نے تیسری اور چوتھی صدی ہجری کی اہم کتب تفسیر میں اس کو شمار کیا ہے۔ سیوطی لکھتے ہیں "پھر ابن ابوحاتم، ابن ماجہ، حاکم، ابن مردویہ، ابن حبان اور ابن منذر وغیرہ کی تفسیریں ہیں، ان میں صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے آثار سنداً بیان کئے گئے ہیں"

لہ تاریخ ابن خلکان ج ۲، و الطبقات الکبری ج ۳، تذکرۃ الحفاظ ج ۳، و بستان المحدثین

لہ الاتقان ج ۲

(۱۸) تخریج الصحیحین ۔ اس کا نام المدخل الی معرفۃ الصحیحین بھی ہے ۔ اور غالباً حاکم نے رسالہ المد
میں اسی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ " حجاز، عراق اور شام کے لوگ صحیح حدیثوں کی معرفت میں
خراسان کی برتری اور تقدم کے معترف ہیں ۔ اس کی وجہ شیخین (بخاری و مسلم رحمہما اللہ) کی اس فن میں مہ
وانفرادیت ہے ، اللہ ان دونوں بزرگوں کو اسلام کی اس خدمت کی جزائے خیر عطا کرے ۔ میں ۔
ان کی کتابوں کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے ، اس میں ان کی صحیح و سقیم حدیثوں کی متفق علیہ ا
اور مختلف فیہ شرطوں کا ذکر ہے[1] ۔ اس کی ابتدا میں حدیثوں کے حفظ و اشاعت کے بارے میں حدیث
اور آثار اور جھوٹی حدیثیں گھڑنے کے متعلق وعیدیں بیان کی گئی ہیں ، پھر ان لوگوں کے نام تحریر ک
گئے ہیں ، جن کا صحیحین یا ان میں سے کسی ایک کے اندر ذکر ہے ، اس کے بعد ان اشخاص کا ذ
ہے جن سے امام بخاریؒ نے روایتیں کی یا سنی ہیں ۔ حافظ محمد طاہر مقدسی نے اس کتاب کے ا
مباحث الجمع بین رجال الصحیحین میں درج کئے ہیں ۔

(۱۹) مزکی الاخبار ۔ معرفۃ علوم الحدیث کے بعض قلمی نسخوں میں اس کا نام کتاب المز
لرواۃ الاخبار لکھا ہوا ہے ۔ حاکم خود اس کے متعلق لکھتے ہیں " اس میں راویوں کے دس طبقوں
ذکر ہے ، ہر طبقہ میں ایک دور کے چار بلند پایہ روایت شامل کئے گئے ہیں ، اس طرح کل چالیس ر
حدیث کا اس میں ذکر ہے ۔ پہلے طبقہ میں حضرت ابوبکر و عمر ، علی اور زید بن ثابت (رضی اللہ عنہم) کا
ذکر ہے ، کیونکہ ان بزرگوں نے راویوں کی جرح و تعدیل اور روایات کی صحت و سقیم کی بحث و
تحقیق کی ہے ، دسویں طبقہ میں ابو اسحٰق ابراہیم بن حمزہ اصبہانی ، ابو علی نیشاپوری ، ابوبکر محمد بن عمر
سالم بغدادی اور ابو القاسم حمزہ بن علی کنانی مصری کا ذکر ہے[2] "

(۲۰) کتاب الاکلیل ۔ بعض مصنفین نے اس کا نام اکلیل فی الحدیث لکھا ہے ، یہ کتاب امام صاحب
نے بعض امراء کی فرمائش پر لکھی تھی ، اس کے بعد انہوں نے اصول حدیث میں المدخل الی الاکلیل کے

---

[1] ۔ المدخل الی علم الحدیث [2] معرفۃ علوم الحدیث

نام سے بھی ایک رسالہ لکھا، اس کے آخر میں وہی باتیں مذکور ہیں، جو اکلیل میں بیان کی گئی ہیں، یعنی صحیح حدیثوں کے رموز و طبقات وغیرہ، شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں کہ "یہ بڑی مفید کتاب ہے اور مفسر[2] کو اس کے بغیر چارہ نہیں"[1] علامہ ابن عساکر نے حاکم کی ایک کتاب کا نام "الاکلیل فی دلائل النبوۃ" بھی بتایا ہے، غالباً یہ کوئی اور کتاب ہوگی یا ممکن ہے، نام میں تصحیف ہوگئی ہو۔

(۲۱) **المدخل الی علم الحدیث**: المدخل الی معرفة الصحیح والسقیم من الاخبار اور المدخل الی علم الصحیح بھی اسی کے نام یہ ہیں اور غالباً علامہ ابن صلاح اور صاحب کشف الظنون نے المدخل الی الاکلیل بھی اسی کا نام تحریر کیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب الاکلیل کا مقدمہ ہے، خود امام صاحب کے بیان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں: میں نے اس کو امیر منتظر کی استدعا پر کتاب الاکلیل کی صحیح وسقیم حدیثوں کی نشاندہی کے لیے لکھا تھا[3] اس میں پہلے علم اسناد و روایت کی اہمیت، محدثین کی فضیلت اور کتب حدیث کے بعض طبقات کا اجمالاً ذکر کرنے کے بعد صحیح حدیث کی دس قسمیں بیان کی گئی ہیں، ان میں پانچ قسمیں متفق علیہ اور پانچ مختلف فیہ ہیں، پھر نقد و جرح پر گفتگو کی گئی ہے اور آخر میں اکلیل کی حدیثوں کے متعلق ان امور کا ذکر ہے، جن سے ان کی صحت و ضعف کا پتہ چل جاتا ہے، لیکن حاکم نے اس میں متفق علیہ اور مختلف فیہ حدیثوں کے سلسلہ میں تسامح کیا ہے، بعض علماء نے اس پر اعتراضات کئے ہیں، شیخ محمد راغب طباخ نے مطبع علمی حلب سے جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ میں اس مفید رسالہ کو شائع کیا ہے۔

(۲۲) **تاریخ نیشاپور**: یہ بڑی ضخیم کتاب ہے، اس میں خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد کی طرح علماء و مشاہیر فن کے تراجم درج نہیں اور حوادث و واقعات کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے[4] اس نے

---

[1] کشف الظنون ج ۱ [2] مفسر کا لفظ یہاں کتابت کی غلطی معلوم ہوتا ہے صحیح محدث ہوگا [3] المدخل الی علم الحدیث [4] کشف الظنون ج ۱

اس کا نام تاریخ علماء نیشاپور بھی ہے، علامہ ابن سبکی لکھتے ہیں کہ "حاکم کے اس عظیم الشان کارنامہ کے سامنے نامور محدثین و فقہا کو سرنگوں ہو جانا پڑا، جو اس کا بغور مطالعہ کرے گا۔ اس کو ان کے گوناگوں کمالات اور مختلف علوم میں جامعیت کا پورا اندازہ ہو جائے گا۔" ابوالفضل بن فلکی ہمدانی فرماتے ہیں کہ "میرے نیشاپور کا سفر کرنے اور وہاں اقامت اختیار کرنے کی ایک وجہ حاکم کی اس تاریخ کو دیکھنا بھی تھا۔"

عبدالغافر بن اسمٰعیل فارسی نے اس کا ذیل لکھا تھا، اس میں ۵۱۸ھ تک وفات پانے والے لوگوں کا ذکر ہے۔ اور علامہ ذہبی نے "مختصر تاریخ حاکم" کے نام سے اس کا اختصار لکھا تھا۔[1]

(۲۲) **معرفۃ علوم الحدیث** - یہ علوم حدیث پر ایک اہم اور مفید کتاب ہے۔ امام حاکم کو اپنے زمانہ میں بدعتوں کی کثرت، سنن سے عام ناواقفیت اور حدیثوں کے ضبط و تحریر میں اہمال اور لاپرواہی کی وجہ سے اس کی ترتیب و تصنیف کا خیال ہوا تھا۔[2] اس سے پہلے علوم حدیث میں جو کتابیں لکھی گئی تھیں، ان کی حیثیت متفرق اجزاء کی تھی، ابو محمد حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد رامہرمزی (م ۳۶۰ھ) کی کتاب المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، اس موضوع کی پہلی باقاعدہ کتاب ہے، لیکن اس میں مکمل استیعاب و استقصا نہیں کیا گیا تھا۔[3] حاکم کے بعد خطیب بغدادی اور علامہ ابن صلاح کی کتابیں فوائد و معلومات کے لحاظ سے اہم ہیں، حاکم کا شرف و تقدم مسلم ہے، مگر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ "حاکم اپنی کتاب کی باقاعدہ ترتیب و تہذیب نہیں کر سکتے تھے۔"[4] لیکن یہ بیان محل نظر ہے، علامہ ابن خلدون رقم طراز ہیں کہ "علوم حدیث میں لوگوں نے متعدد کتابیں لکھی ہیں، لیکن اس فن کے یگانۂ روزگار ائمہ و علمائے فحول میں ابوعبداللہ حاکم ہیں، ان کی کتابیں مشہور رہیں، انہوں نے اس فن کو باقاعدہ مرتب و مہذب کیا، اور اس کے محاسن اچھی طرح منقح اور نمایاں کئے"[5] اور ملا چلپی لکھتے ہیں کہ "اس فن کی جانب سب سے پہلے ابوعبداللہ حاکم

---

[1] کشف الظنون ج ۱ [2] مقدمہ حاکم [3] تدریب الراوی و نخبۃ الفکر فی شرح نزہۃ النظر [4] ایضاً [5] مقدمہ ابن خلدون

Marfat.com

نے اختیار کیا. اس کے بعد علامہ ابن صلاح نے علوم الحدیث کے نام سے بڑی اہم اور قابل
قدر کتاب لکھی، جو مقدمہ ابن صلاح کے نام سے مشہور ہے، اس میں انہوں نے بعض انواع
کا مفید اضافہ کیا ہے، لیکن حاکم کی حیثیت متقدم و متبوع کی ہے، اور ابن صلاح ان کے
تابع ہیں، انہوں نے اکثر چیزیں حاکم کے حوالہ سے لکھی ہیں؎

اس تفصیل سے ثابت ہو گیا کہ اس موضوع پر یہ دوسری باقاعدہ اور پہلی مکمل و جامع کتاب
ہے جو پانچ اجزاء اور باون انواع پر مشتمل ہے. اس میں مصنف نے حدیث کے اسناد و
متون وغیرہ گوناگوں انواع و اقسام اور راویوں کے مختلف درجات و طبقات. ان کے
مراتب اور اصول حدیث کے مہمات مسائل پر سیر حاصل اور عمدہ بحثیں کی ہیں. ہر مبحث کی تعریف
اہمیت، نوعیت اور ضرورت کو مثالوں سے واضح کیا گیا ہے. اس سلسلہ میں متقدمین کے
کاموں کا ایک حد تک ذکر بھی آ گیا ہے، ہر بحث میں پہلے احادیث و آثار سنداً بیان
کئے گئے ہیں. اور آخر میں ان سے مصنف نے جو حقائق اور معنی خیز نتائج اخذ کئے ہیں
ان کا ذکر ہے. ضمناً اکثر صحابہ در اویان حدیث کے بعض خصوصیات. سنین وفات اور ان
کے بارے میں دوسری مختلف النوع معلومات بھی تحریر کی گئی ہیں.

معرفۃ علوم الحدیث کے قلمی نسخے یورپ. ترکی. مصر. شام اور ہندوستان کے متعدد
کتب خانوں میں موجود ہیں. ان سب کی مدد اور مقابلہ و تصحیح کے بعد ڈھاکہ یونیورسٹی
کے شعبۂ اسلامیات و عربی کے سابق صدر، ڈاکٹر سید معظم حسین نے اس کو ایڈٹ کیا تھا.
جو ۱۹۳۷ء میں مصر سے دائرۃ المعارف حیدر آباد کے اہتمام میں شائع ہوا ہے. اس میں
مصنف کے حالات، کارنامے اور اصول حدیث کی امہات کتب کا تذکرہ کیا گیا ہے
اور حواشی میں نسخوں کے فرق و اختلاف اور کمی بیشی کی تصریح کی ہے.

لہ کشف الظنون ج ۲

حافظ ابونعیم اصبہانی نے اس پر مستخرج لکھا تھا۔ اور علامہ طاہر جزائری نے توجیہ ا
میں اس کا ملخص شامل کیا ہے ؎

المستدرک علی الصحیحین۔ یہ حاکم کی سب سے اہم اور شہرۂ آفاق کتا
ہے، ذیل میں اس کے متعلق ضروری معلومات پیش کی جاتی ہیں۔

مستدرک کی تعریف محدثین کی اصطلاح میں حدیث کی وہ کتابیں مستدرک کہلا
ہیں، جن میں ان حدیثوں کو نقل کیا جاتا ہے جو حدیث
کسی اور کتاب کی شرط کے مطابق ہونے کے باوجود اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہ
اس طرح کی حدیث کی جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں ابو عبداللہ حاکم کی المستدرک علی الصحیحین
مشہور و متداول ہے، جیسا کہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صحیح بخاری اور صحیح مس
پر مستدرک ہے، یعنی اس میں ان حدیثوں کو شامل کیا گیا ہے، جو حاکم کے خیال میں صحیحین کے
معیار و شرائط کے مطابق ہونے کے باوجود ان میں شامل نہیں کی گئی ہیں۔

مستدرک کی تالیف کی وجہ حاکم نے مستدرک کے شروع میں اس کی جمع و تالیف کا
سبب، مقصد اور ان حالات کا ذکر کیا ہے، جو اس کی
ترتیب و تصنیف کا باعث ہوئے تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"ائمہ حدیث میں ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل جعفی ابوالحسین، مسلم بن حجاج مشیری نے
صحیح حدیثوں کے دو نہایت عمدہ اور بیش قیمت مجموعے مرتب کئے ہیں۔ ان
دونوں کتابوں کی چار دانگ عالم میں شہرت ہے، لیکن دونوں بزرگوں
میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ بجز ان حدیثوں کے جن کی
انہوں نے تخریج کی ہے، اور کوئی حدیث صحیح نہیں ہے مگر ہمارے زمانہ

لہ مقدمہ مسلم۔ ؎ مقدمہ تحفۃ الاحوذی

Marfat.com

کے بعض مبتدعین اور اہل اہوا جو محدثین پر سب وشتم کرنے میں بہت جری واقع ہوئے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ صحیح حدیثوں کی تعداد دس ہزار سے زیادہ نہیں ہے، رہے وہ اسانید جو ایک ہزار یا اس سے کچھ کم و بیش اجزا پر مشتمل ہیں سب کے سب سقیم اور غیر صحیح ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر اس شہر کے کچھ اعیان و مشاہیر اہل علم نے مجھ سے خواہش کی کہ میں ایک ایسی کتاب مرتب و مدون کروں جو ان حدیثوں پر مشتمل ہو جن کے اسانید اسی طرح کے ہوں جس طرح کے اسانید کو شیخین نے صحیح اور قابل احتجاج قرار دیا ہو اس لیے کہ جو حدیث علت قادحہ سے خالی ہو اس کو "صحیح" سے خارج کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔[۱]

مستدرک کی اہمیت

مستدرک کا شمار حدیث کی مشہور اور اہم کتابوں میں ہوتا ہے اور بعض حیثیتوں سے اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے کتب حدیث کے تیسرے طبقہ میں اس کو محسوب کیا ہے۔[۲] اس طبقہ میں مسند دارمی، سنن دارقطنی، مسند ابوداؤد طیالسی اور مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ جیسی اہم اور بلند پایہ کتابیں ہیں، بعض محدثین نے اس کا پایہ صحیح ابن حبان کے قریب قریب بتایا ہے[۳] اور اس کا نام بھی صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان کے ساتھ لیا جاتا ہے، حافظ ابن صلاح اور علامہ نووی نے صحاح کے بعد حدیث کی جن کتابوں کو زیادہ اہم، قابل اعتماد اور پُراز منفعت قرار دیا ہے، ان میں امام دارقطنی کی سنن کے بعد اسی کا نام لیا ہے۔[۴]

مستدرک کی حدیثوں کی نوعیتیں

اوپر حاکم کا جو بیان گذرا ہے، اس سے اور حاکم کی دوسری تصریحات سے مستدرک

---

[۱] المستدرک ج ۱ [۲] عجالۂ نافعہ مع فوائد جامعہ [۳] مقدمہ تحفۃ الاحوذی [۴] مقدمہ ابن صلاح و تدریب الراوی

کی حدیثوں کی مندرجہ ذیل نوعیتوں کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔ مستدرک میں شیخین ۔ (امام بخاری و امام مسلم) کی ان متروک حدیثوں کو جو ان کے معیار و شرائط کے مطابق ہیں جمع کیا گیا ہے۔ (۲) دونوں بزرگوں میں سے صرف ایک کی متروک حدیثوں کو بھی درج کیا گیا ہے۔

(۳) مستدرک میں ایسی حدیثیں بھی شامل ہیں، جو صحیحین کے اصول و شرائط کے مطابق نہیں ہیں، لیکن امام حاکم کی تحقیق میں وہ صحیح اور علل واسقام سے پاک ہیں[1]

(۴) حاکم کے بیان[2] کے مطابق بعض ایسی حدیثیں بھی مستدرک میں ہیں جن پر کلام کیا گیا ہے اور وہ ان کے معیار و شرائط کے مطابق بھی نہیں ہیں، لیکن انہوں نے ان کو شواہد و متابعات کی حیثیت سے یا اور کسی خاص اضطرار وغیرہ کی بناء پر نقل کیا ہے۔

حاکم نے مستدرک میں کہیں کہیں ایک مقدمہ کا حوالہ دیا ہے، جس میں انہوں نے ان اصول و خصوصیات اور شرائط کا مفصل ذکر کیا تھا۔ جن کو مستدرک تالیف و ترتیب میں مد نظر رکھا تھا، لیکن یہ مقدمہ مستدرک کے مطبوعہ نسخے میں شامل نہیں ہے، وہ یا تو محفوظ نہیں رہا، یا حاکم نے اس کو مرتب ہی نہ کیا ہو اور اس بناء پر کہ اس کو لکھنے کا ارادہ تھا اس کا حوالہ دے دیا ہو۔ اگر یہ مقدمہ موجود ہوتا تو اس سے مستدرک کے اصول و شرائط اور اس کی حدیثوں کی نوعیت اور خصوصیات معلوم کرنے میں بڑی آسانی ہوتی تاہم جہاں انہوں نے اس کے حوالے دیئے ہیں، ان سے بھی مستدرک کی حدیثوں کی نوعیت و خصوصیت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے اس لیے ذیل میں مستدرک کی حدیثوں کی بعض نوعیتیں ان حوالوں کی مدد سے لکھی جاتی ہیں:۔

---

[1] مقدمہ ابن صلاح [2] یہ حاکم کا خود بیان ہے ورنہ عام اہل فن نے تو مستدرک میں ضعیف اور موضوع حدیثوں کی کثیر تعداد بتائی ہے۔

Marfat.com

(۵) مستدرک میں ایک صحابی کی حدیث دوسرے صحابی سے بشرطیکہ وہ صحیح طرق سے ثابت ہو درج کی جائے گی[1]

(۶) اگر کسی صحابی سے کسی ایک ہی معروف تابعی کی روایت کا پتہ چل سکا ہو تو اس کو بھی مستدرک میں بطور حجت پیش کیا جائے گا، اور اس کو صحیح قرار دیا جائے گا[2]

(۷) ثقات کے تفرد اور اضافے کی تخریج بھی کی جائے گی۔ بشرطیکہ وہ مرتب کے خیال میں علتوں سے خالی ہوں، کیونکہ ثقہ کا اضافہ مقبول ہوتا ہے[3]

(۸) کسی موصول و مسند حدیث کو اگر ارسالاً اور موقوفاً بھی روایت کیا گیا ہو تو موصول و مسند حدیث کو محض دوسری حدیث کے وقف و ارسال کی وجہ سے نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ہمارے اصول اور قاعدے کے مطابق ایسی صورت میں مسند و موصول روایت کرنے والے کی حدیث قابل قبول ہوگی[4]

(۹) حلال و حرام کے متعلق احادیث میں زیادہ احتیاط اور سختی برتی جائے گی۔ مگر فضائل اعمال کے سلسلہ کی حدیثوں میں زیادہ سختی سے کام نہ لیا جائے گا۔ اس اصول کے متعلق انہوں نے کتاب الدعوات میں شیخین کی متروک حدیثوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ابوسعید عبدالرحمٰن بن مہدی کا یہ قول بھی تحریر کیا ہے کہ

"ہم لوگ جب رسول اللہ کی حلال و حرام سے متعلق حدیثیں روایت کرتے ہیں تو اسانید و رجال کو پرکھنے میں زیادہ شدت برتتے ہیں، اور پوری احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہیں، مگر فضائل اعمال اور ثواب، مباحات و دعوات سے متعلقہ روایات کے اسانید میں تساہل سے کام لیتے ہیں"[5]

---

[1] المستدرک ج ۱ [2] ایضا [3] ایضا ج ۱ [4] مستدرک ج ۱
[5] ایضا

Marfat.com

المدخل میں اس قول کے ساتھ امام احمدؒ کا بھی اسی طرح کا ایک قول نقل کیا ہے:

"جب ہم لوگ رسول اللہ کے مرویات بیان کرتے ہیں تو حلال وحرام اور سنن و احکام کے سلسلہ میں تشدد سے اور فضائل اعمال اور غیر احکامی حدیثوں میں لینت اور نرمی سے کام لیتے ہیں[۱]"

تلاش و تفحص امام ابو عبداللہ نے ان ہی اصول و شرائط کے مطابق مستدرک میں حد[یثیں] جمع کی ہیں، اور جو حدیثیں ان کے مطابق نہیں ہیں، ان کو نقل کرنے سے احتراز کیا ہے، چنانچہ کہیں کہیں مستدرک میں اس کی تصریح و توضیح کی ہے، اس سے مستدرک کی جمع و تالیف اور ترتیب و تدوین میں ان کی تلاش، محنت اور چھان بین کا پتہ چلتا ہے۔ بعض مواقع پر انہوں نے خود بھی اس تلاش و تحقیق کا ذکر کیا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"میں نے مشہور حدیث" من سئل عن علم فکتمه جیئ به یوم القیامة وقد الجم بلجام من نار" کے متعلق جو متعدد طرق و اسانید سے مروی ہے، امام دارقطنی سے دریافت کیا کہ عطا کی روایت کے متعدد اسناد میں کوئی سند صحیح ہے، انہوں نے جواب دیا کہ نہیں میں نے وجہ دریافت کی تو کہا کہ عطا نے حضرت ابوہریرہؓ سے سماع نہیں کیا ہے، لیکن جب میں نے اس کی مزید تحقیق کی تو متعدد لوگوں کے بارے میں معلوم ہوا کہ انہوں نے ابوہریرہؓ سے عطاء کے سماع کا ذکر کیا ہے، اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ حدیث صحیح سندوں سے مروی ہے اور اس میں کوئی سقم نہیں ہے، میری اس تحقیق کو امام دارقطنی نے بھی پسند کیا، اور اس بارے میں وہ میرے معترف اور ہمنوا ہو گئے[۲]"

---

[۱] المدخل [۲] المستدرک ج ۱

ایک جگہ لکھتے ہیں :-

" زکوٰۃ کی تفسیر و توضیح کرنے والی حدیثوں کی تخریج میں جس قدر ممکن ہو سکا ہے میں نے اپنی غیر معمولی محنت و کاوش صرف کر دی ہے ، اور ان کی صحت کے بارے میں خلفاء اربعہ ، صحابہ اور تابعین کے صحیح اسناد ان کے تعامل اور شہرت و قبول سے استدلال بھی مہیا کر دیا ہے ، جو غور و فکر کرنے والوں کے لئے کافی ہے "[1]

حاکم کی کاوش کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے مستدرک میں ایسی حدیثیں جمع کی ہیں جن سے حدیث کی دوسری کتابیں خالی ہیں ۔

مستدرک کی خصوصیات

مستدرک کی بعض اہم خصوصیات یہ ہیں :

(۱) حاکم نے اس کی ترتیب ، ابواب کی تبویب اور احادیث کے نقل و انتخاب میں حسن و موزونیت کے علاوہ بعض مقامات میں جدت و اختراع سے بھی کام لیا ہے ، اس سے ان کی محنت اور جانفشانی کا اندازہ بھی ہوتا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :-

" جہاں تک تلاش و اجتہاد نے میری رسائی کی ہے میں نے خلفائے اربعہ کے فضائل سے متعلق وہ تمام حدیثیں جمع کر دی ہیں جو صحیح سندوں سے مروی ہیں اور جن کو شیخین نے ترک کر دیا ہے ، پھر میں نے اس کتاب کے نظم و ترتیب کے لحاظ سے یہ مناسب سمجھا کہ ان بزرگوں کے مناقب کے بعد دیگر صحابہ کے فضائل وفیات کی ترتیب پر جمع کروں "[2]

عام محدثین کے برخلاف انہوں نے کتاب الفتن والملاحم کے بعد کتاب الاہوال کا بھی ایک علیحدہ باب علامہ ابن خزیمہ کے تتبع میں قائم کیا ہے ، اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

[1] المستدرک ج ۱ ۔ [2] المستدرک ج ۳

Marfat.com

"میرے مبلغ علم کے مطابق آخری زمانہ کے فتن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ مروی تھا، وہ سب میں نے اس کے اندر بہتر سندوں کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ شیخین نے قیامت اور حشر و نشر کے احوال کی حدیثیں کتاب الفتن ہی میں شامل کر دی ہیں، لیکن میں نے اس سلسلہ میں ابوبکر بن محمد بن اسحٰق بن خزیمہ کے انداز پر اس کو باب الفتن سے علیحدہ ذکر کیا ہے[1]"

امام بخاری وغیرہ محدثین نے کتاب البیوع میں متعدد مستقل ابواب مثلاً کتاب السلم، شفعہ اور اجارہ وغیرہ قائم کئے ہیں لیکن حاکم نے کتاب البیوع کے جامع عنوان ہی میں ان سب ابواب کو بھی جمع کر دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"میں نے اسی کتاب (کتاب البیوع) کے ضمن میں ان کتب کو بھی درج کر دیا ہے، جن کے لیے امام بخاری نے کتاب البیوع کے آخر میں مستقل عنوانات قائم کئے ہیں یہ وضاحت اس لئے کر دی گئی تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ میں نے کتاب البیوع کو ان ابواب سے خالی رکھا ہے"[2]

فضائل صحابہ میں صرف صحابہ کے مناقب و فضائل ہی بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے ان کے سنن اور مختصر حالات بھی تحریر کئے ہیں۔

(۲) دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ امام بخاری و امام مسلم کی کتابوں کی بھی بعض خصوصیات و اصول اور اس کے متعلق مفید معلومات اس سے معلوم ہو جاتے ہیں، مثلاً

(الف) شیخین نے بعض غیر معلل حدیثوں کو نقل کرنے سے اس لئے احتراز کیا ہے کہ ان کے رواۃ میں کوئی راوی قلیل الروایت رہا ہو، چنانچہ ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں

"اس حدیث کے از اول تا آخر تمام رواۃ سے بجز یوسف بن ابی بردہ کے

---

[1] المستدرک ج ۴ [2] المستدرک ج ۳

شیخین نے حجت قائم کی ہے اور جو کچھ اس سلسلہ میں مجھ کو معلوم ہے وہ یہ کہ ان دونوں حضرات نے کسی جرح وضعف کی وجہ سے ان کو نہیں چھوڑا ہے بلکہ ان کی قلت روایت کی وجہ سے[1]"

(ب) شیخین نے بعض صحیح حدیثوں کو کسی ایک راوی کے تفرد یا اس حدیث کے دوسرے رواۃ کی کسی مخالفت و عدم متابعت کی وجہ سے اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔ حاکم اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت عثمانؓ سے وضو کے متعلق جو حدیث مروی ہے، اس کے طرق کی تخریج پر شیخین نے بھی اتفاق کیا ہے لیکن ان کی روایات میں داڑھی کے تین بار خلال کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، حالانکہ یہ بھی صحیح اسناد سے ثابت ہے، اور ان دونوں بزرگوں نے عامر بن شقیق کے سوا اس کے تمام رواۃ سے حجت قائم کی ہے لیکن عامر کے متعلق مجھ کو کسی طعن کا کوئی علم نہیں[2]"

(س) شیخین کے غیر معمولی حزم و احتیاط کی بناء پر روایت ترک کر دینے کا اصول بھی اس سے معلوم ہوتا ہے، مثلاً لکھتے ہیں:

"یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن ان دونوں بزرگوں نے عبداللہ بن محمد بن عقیل ابن ابی طالب کے تفرد اور ان کی جانب سوء حفظ کی نسبت کی وجہ سے اس کی تخریج نہیں کی ہے، مگر ہمارے ائمہ متقدمین کے نزدیک وہ ثقہ و مامون شخص ہیں[3]"

(ج) شیخین کے کسی راوی سے استشہاد کا حال معلوم ہوتا ہے۔

(د) شیخین یا ان میں سے ایک کے بارے میں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے حاکم کے کن کن رواۃ سے احتجاج کیا ہے۔

---

[1] المستدرک ج ۱ [2] ایضاً [3] ایضاً

حدیثوں کے شیخین کے شرائط کے مطابق ہونے کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے [کہ] بعض حدیثوں کو انھوں نے مکمل یا مختصر صورت میں یا قدرے فرق و اختلاف کے ساتھ ن[قل] کیا ہے، چنانچہ کتاب العلم کی ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"اس کو شیخین نے مفصل و مختصر دونوں طرح ذکر کیا ہے، میں نے اس کا اعادہ اس وجہ سے کیا ہے کہ اس کے سوا مجھے ان کے یہاں اجماع کی حجیت ثابت کرنے والی اور کوئی حدیث نہیں ملی، باقی ان ابواب میں اس موقع پر میں نے متعدد ایسی حدیثیں نقل کی ہیں جن کی ان لوگوں نے تخریج نہیں کی ہے[1]"

(۳) مستدرک میں فقہی مسائل سے کم تعرض کیا گیا ہے تاہم ان کے ذکر سے بکسر بھی خ[الی] نہیں ہے اور حاکم نے بعض فقہی اختلافات میں مرجح دلائل کی نشاندہی بھی کی ہے جس [سے] ان کی اجتہادی بصیرت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

(۴) مستدرک کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بعض حدیثوں کے مراجع و مصادر کی نشاند[ہی] بھی کی ہے، اس سلسلہ میں جامع بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، موطا ا[مام] مالک، المسند امام شافعی اور صحیح ابن خزیمہ کے نام لئے ہیں، لیکن بعض کتب م[سانید] و عدان کا نام لئے بغیر بھی ذکر کیا ہے۔

(۵) بعض ابواب او رمضامین کی حدیثوں کو جمع کرنے میں بڑا اہتمام کیا ہے، اور بعض حدیثو[ں] کے اسناد و طرق کو جمع کرنے میں بڑے استقصاء سے کام لیا ہے، اسی لیے مستدر[ک] میں بکثرت ایسی حدیثیں ہیں، جن سے دوسری کتب حدیث خالی ہیں۔

(۶) حدیثوں کی تصحیح و تصریح، ان کے قوی و عزیز، ضعیف و شاذ اور غریب ہو[نے] ک[ی]

---

[1] المستدرک ج ا

تفاذہی، وقف وارسال، رفع واتصال اور علوئے اسناد کی تصریح، حفظ وضبط اور اتقان کے لحاظ سے اس کے اولیٰ واحسن ہونے اور علت وضعف اور سقم وعیب سے خالی ہونے کا ذکر، راویوں کی توثیق، دو روایتوں اور راویوں میں باہمی موازنہ، راوی کے شک ووہم، اس کے تفرد، مخالفت، عدم متابعت اور سماع ولقاء یا عدم سماع ولقاء کی توضیح اور بعض حدیثوں کے بارے میں یہ بھی بتایا ہے کہ اس کو کس جگہ کس وقت اور کس مدرسہ میں انہوں نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح روایات کے شواہد ومتابعات، فنی مباحث کے متعلق علماء کے جرح وتعدیل کے اقوال، روایات ورواۃ کی صحت وثقاہت یا ضعف وجرح کو راجح کرکے اس کے دلائل بھی بیان کئے ہیں۔ اور حدیث کے مفہوم وغیرہ کے سلسلہ میں مختلف اشارات وتوضیحات کی ہیں جن کو آگے لکھا جائے گا۔

طرز استدلال

مستدرک کے خصائص وخصوصیات کا اندازہ اس کے طرز استدلال سے بھی ہوتا ہے۔ لیکن اکثر دلائل خالص فنی نوعیت کے ہیں، اس لئے جب تک ان کا اصل پس منظر اور پوری تفصیل سامنے نہ ہو ان کو نقل کرنا نہ زیادہ مفید ہوگا، اور نہ عام لوگوں کے لیے اس میں دلچسپی کا کوئی سامان ہے۔ لیکن حاکم کے استدلال کی خصوصیت اور ان کے نقد ونظر کا اندازہ کرنے کے لئے یہاں ان کے ان استدراکات کا ذکر کیا جاتا ہے جو انہوں نے شیخین پر کئے ہیں۔ شیخین پر حاکم کے نقد وتبصرہ دو طرح کے ہیں، ایک تو وہ جن میں کسی حدیث کے بارے میں صرف شیخین کی عدم تخریج کا ذکر ہے۔ دوسرے وہ ہیں جن میں شیخین کے عدم تخریج کے وجوہ واسباب کا ذکر کرنے کے بعد ان پر تنقید کی گئی ہے ان میں سے دوسری نوع کی بعض تنقیدیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

"یہ حدیث صحیح اور ثقہ محدثین کے یہاں متداول ہے لیکن ان دونوں بزرگوں نے اس لفظ کے ساتھ اس کی تخریج نہیں کی ہے۔ میرے خیال میں ان لوگوں نے اس کے راوی نعمان بن کامل (ابا کامل) کی وجہ سے اس کو [illegible]

Marfat.com

دیا ہے، کیونکہ ان سے روایت کرنے والے معروف شخص محض حمید بن ہلال عدوی ہیں، لیکن ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ ان سے قرہ بن خالد نے بھی روایت کیا ہے، علاوہ ازیں خود شیخین نے بھی بعض ثقہ لوگوں سے ایسی روایتوں کی تخریج کی ہے، جن سے صرف ایک ہی شخص نے روایت کیا ہے، اس اصول کے بموجب ان دونوں بزرگوں کو اسی جیسی دوسری حدیث کی تخریج بھی کرنی چاہیئے تھی۔"

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"شیخین اجلح بن عبداللہ کندی کے ترک اور عدم احتجاج پر متفق ہیں اور ان سے ان کی ناراضگی کی وجہ محض عبداللہ بن بریدہ کی ایک حدیث کی روایت ہے، حالانکہ اس میں تین ثقہ راویوں نے ان کی متابعت کی ہے، پس یہ حدیث صحیح ہے، لیکن ان دونوں بزرگوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔"

امام دارقطنی نے بھی کتاب الالزامات علی الشیخین کے نام سے مستدرک ہی کی طرح ایک کتاب لکھی تھی، امام حاکم نے اس کے حوالہ سے بھی شیخین پر نقد کیا ہے، اس کی ایک مثال یہ ہے:

"یہ صحیح حدیث ہے، اس میں کوئی علت نہیں پائی جاتی، لیکن شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے کیونکہ عروہ، کرز بن علقمہ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں اور کرز بن علقمہ صحابی ہیں، اور ان کی حدیث ائمہ کے مسانید میں درج ہے، میں نے علی بن عمر سے سنا ہے کہ امام بخاری و مسلم کے لئے کرز کی اس حدیث کی تخریج لازم تھی کیونکہ اس کو عروہ بن زبیر نے اور ان سے زہری و عبدالواحد جیسے اکابر نے روایت کیا ہے، امام ابوالحسن کے بیان کی واضح دلیل یہ ہے

لہ المستدرک ج ۱ - ایضاً ج ۲

کہ شیخین عتبان بن مالک جن کے گھر میں رسول اللہ نے نماز پڑھی تھی حدیث پر متفق ہیں، حالانکہ ان سے روایت کرنے والے تنہا محمود بن ربیع ہیں۔

حزم واحتیاط

امام حاکم کے اصول و شرائط اور بحث واستدلال سے مستدرک کی تالیف میں ان کی احتیاط کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ انہوں نے ان ہی احادیث وروایات نقل کرنے کی کوشش کی ہے، جو ان کے اصول و معیار کے مطابق غیر معلل اور ضعف و سقم سے خالی ہیں، اس لئے حدیث نقل کرنے کے بعد عموماً انہوں نے اس کی صراحت بھی کردی ہے کہ وہ قدح وعلت اور سقم وعیب سے پاک ہے۔ لیکن حاکم کا عام رجحان یہ ہے کہ کوئی صحیح اور غیر معلل حدیث چھوٹنے نہ پائے، اس لئے احتیاط کے باوجود بھی مستدرک میں لینت و مداہنت کو راہ مل گئی ہے۔ اس پر آگے مستقل بحث کی جائے گی۔

احادیث کے متعلق وضاحتیں

امام ابوعبداللہ حاکم نے احادیث کے بارے میں مختلف النوع وضاحتیں کی ہیں، ان سے احادیث کے متعلق مفید معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ یہ وضاحتیں مختلف طرح کی ہیں۔

(۱) کسی حدیث کے متداول ہونے یا کسی خاص مقام میں مروج ہونے کا ذکر۔

(۲) بعض حدیثوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ کسی خاص مسئلہ میں اصل و بنیاد اور [illegible] دلیل ہیں۔

(۳) بعض حدیثوں کے کسی باب میں نقل کرنے کی غرض وغایت بیان کی گئی ہے۔

(۴) حاکم نے بعض حدیثوں کی اپنے زمانہ کے حالات کے لحاظ سے خاص اہمیت و ضرورت واضح کی ہے۔ مثلاً احتکار کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"عسرت اور تنگی کے موقع پر مسلمانوں کی مواسات سے احتراز کے زجر و توبیخ

لہ المستدرک ج ۱

کے بارے میں جو اخبار و احادیث وارد ہیں، ان کا یہاں ذکر بہت ضروری ہے کیونکہ اس وقت مسلمان انہی حالات سے دو چار ہیں[1]۔

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:۔

"یہ چند حدیثیں نہایت تلاش و جستجو کے بعد یہاں نقل کی گئی ہیں، گو یہ ہماری اس کتاب کی شرط کے موافق نہیں ہیں، تاہم چونکہ لوگ اس ضیق میں مبتلا ہیں (اللہ اس کو ختم کرے) اس لئے یہاں ہم نے ان کو نقل کر دیا ہے[2]۔"

(۵) انہوں نے کہیں کہیں ابواب کے شروع یا درمیان میں نوٹ لکھے ہیں جو بڑی اہمیت کے حامل ہیں مثلاً فضائل صحابہ کے ابواب کے شروع میں لکھتے ہیں:

"ہم نے صحابہ کے ذکر میں پہلے ان کے نسب و وفات کا ذکر کیا ہے، پھر ان کے مناقب میں وہ حدیثیں درج کی ہیں جو شیخین کی شرطوں کے مطابق ہیں، لیکن انہوں نے ان کی تخریج نہیں کی، ہم کو اعتراف ہے کہ ہم اس باب میں محمد بن عمر واقدی اور ان کے جیسے لوگوں کی روایات سے صرف نظر نہیں کر سکے ہیں[3]۔"

اصحاب صفہ کے بیان میں حاکم نے ان کے متعلق روایات کی مدد سے ان کے ناموں کی مفصل فہرست دی ہے، ان کے طبقات وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اور ان کے اشغال و معمولات اور امتیازی خصوصیات کے سلسلہ میں ان سے اصحاب نصرت کے پہلو کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے[4]۔

مستدرک کی تلخیصات

جن علماء نے مستدرک کے ساتھ اعتناء کیا ہے، اُن میں علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ) کا نام زیادہ مشہور ہے انہوں

---

[1] المستدرک ج ۴ [2] ایضاً [3] ایضاً ج ۳ [4] ایضاً کتاب الہجرۃ

Marfat.com

نے مستدرک کی تلخیص لکھی جو بہت مشہور ہے اس کی اہمیت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ذہبی کی اور بعض دیگر علماء کی رائے ہے اس کو دیکھے بغیر مستدرک کی تصحیح پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں ذہبی نے طویل حدیثوں اور اسناد کا اختصار ہی نہیں کیا ہے بلکہ جا بجا حاکم پر نقد و تعقب بھی کر کے احادیث کی تصحیح میں ان کے تساہل، روایتوں کے ضعف و نکارت اور وضع نیز راویوں کے جرح و سقم وغیرہ کو بھی واضح کیا ہے۔

علامہ ذہبی نے اپنی تلخیص میں بعض مواقع پر حاکم کے استدراک کی توثیق و تائید اور بعض مواقع پر سکوت اختیار کیا ہے، یہ بھی حاکم کی رائے سے اتفاق ہی ہے۔ رہا ان کا نقد و تعقب تو اس کی مختلف نوعیتیں ہیں:-

(الف) حاکم نے کسی حدیث کو شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی شرائط کے مطابق بتایا ہے اور ذہبی نے اس کی تردید کی ہے۔

(ب) حاکم نے کسی حدیث کو دونوں بزرگوں کے شرائط کے مطابق قرار دیا ہے لیکن ذہبی کی تحقیق میں وہ صرف ایک ہی کی شرط کے مطابق ہے۔

(ج) حاکم نے احادیث کی صحت اور رجال و اسناد کی توثیق کا ذکر کیا ہے اور ذہبی نے ان کا ضعف و وضع، جرح و قدح اور سقم و نکارت ثابت کیا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ ذہبی نے بڑی دقت نظر سے مستدرک کی تلخیص کی ہے اور ان کے نقد و تعقب کا زیادہ حصہ صحیح ہے، لیکن کہیں کہیں اس میں فروگذاشتیں ہیں۔ مثلاً کسوف کے بیان میں ایک حدیث نقل کرنے کے بعد حاکم نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ (ولم یخرجاہ) یعنی شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔ ذہبی نے اس پر یہ تنقید کی ہے۔

وإسناده حسن وما هو على	اس کے اسناد حسن ہیں، لیکن وہ شیخین میں
شرط واحد منهما[1]	کسی کی شرط کے مطابق نہیں ہے۔

[1] المستدرک کتاب الجمعۃ ج ۱

حالانکہ حاکم نے یہاں سرے سے حدیث کے شیخین کی شرط کے مطابق ہونے کا ذکر ہی نہیں کیا ہے بلکہ صرف یہ لکھا ہے کہ انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی تھی۔ اس بنا پر ذہبی کا یہ نقد صحیح نہیں ہے۔

مستدرک اور تلخیص کے مصححین نے بھی علامہ ذہبی کے نقد پر تعقب کیا ہے، مثلاً ایک جگہ حاکم نے ایک حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔ اس پر نقد کرتے ہوئے ذہبی نے لکھا ہے:

عبد الرحمن لم یسمع من ابیہ	عبدالرحمن نے اپنے والد سے سماع
وعبد الرحمن ومن بعدہ	نہیں کیا تھا۔ اور عبدالرحمن اور ان کے
لیسوا بحجۃ۔	مابعد کے راوی حجت نہیں۔

مصحح لکھتے ہیں:

"تقریب التہذیب میں عبدالرحمن کو ثقہ اور صغار تابعین میں بتایا گیا ہے۔ ان کا انتقال ۷۹ھ میں ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے والد سے سماع کیا ہے، لیکن بہت کم۔ اسی طرح عبدالرحمن کے صاحبزادے قاسم کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہ ثقہ و عابد اور طبقۂ اربعہ میں ہیں۔ پس ذہبی کا ان لوگوں کو مطلقاً عدم حجت قرار دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے[1]"

ذہبی ایک جگہ ایک راوی ابو الصہباء کے متعلق لکھتے ہیں کہ صحیح بخاری میں ان سے روایت نہیں کی گئی ہے۔ گو واقعہ کے لحاظ سے یہ بات درست ہو لیکن ذہبی کا منشا حاکم پر نقد اور اس راوی کو ضعیف قرار دینا ہے، جو صحیح نہیں ہے، تقریب ہی کے حوالے سے مصحح لکھتے ہیں کہ وہ طبقہ اربعہ اور مقبول رواۃ میں ہیں[2]

بعض مقامات پر اصل اور تلخیص میں معمولی فرق بھی ہے، مثلاً روزے کے بیان

---

[1] المستدرک مع تلخیص ج ۱ [2] ایضاً

Marfat.com

اکم نے ایک حدیث میں صرف "وابتلت العروق" لکھا تھا، مگر ذہبی نے اس کو تلخیص میں
وابتلت العروق بالماء" لکھا ہے[1] اور ایک جگہ حاکم نے "اغار" لکھا تھا، ذہبی نے
ں کو "اغان" کر دیا ہے[2] ایک جگہ حاکم نے ثنا یعقوب بن ابراہیم لکھا ہے۔ ذہبی نے
ں کو بدل کر رواہ یعقوب الدورقی[3] کر دیا ہے، گو یعقوب بن ابراہیم اور یعقوب دورقی
یک ہی شخص ہیں، لیکن اس تصرف سے اشتباہ ہو سکتا ہے، دوسرے ذہبی نے ثنا کو
خود مختصر تھا رواہ کر دیا ہے۔

مستدرک کی یہ تلخیص بھی اس کے ساتھ چار ضخیم جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

(۲) امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے توضیح المستدرک فی الصحیح المستدرک لکھی تھی، جو ایک جلد میں ناتمام ہے۔ اس میں حدیثوں کی تلخیص ہے[4]۔

(۳) مستدرک کی موضوع حدیثوں کو بھی ایک جزو میں جمع کیا گیا تھا۔ جو تقریباً ایک سو حدیثوں پر مشتمل ہے[5]۔ بعض لوگوں نے اس کو ذہبی کی تصنیف بتایا ہے۔

مستدرک کے قلمی نسخے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں۔ دائرۃ المعارف حیدرآباد
نے جس کے اسلامی علوم و فنون کی خدمت اور علمائے اسلام کی بیش قیمت اور کمیاب کتابوں
کی اشاعت کے سلسلے میں کارنامے اظہر من الشمس ہیں۔ اس شہرہ آفاق کتاب کو بھی اس
کے کئی مخطوطات کی مدد سے چار ضخیم جلدوں میں شائع کیا تھا۔ پہلی جلد ۱۳۳۴ھ اور باقی
جلدیں بالترتیب ۱۳۴۰ھ تا ۱۳۴۲ھ میں تصحیح و تحشیہ کے بعد شائع کی ہیں۔

فاضل مصححین نے مستدرک اور تلخیص پر کہیں کہیں مختصر مگر مفید نوٹ لکھے ہیں۔
مستدرک کی اشاعت کے بعد دارالمصنفین کے سابق رفیق اور مشہور صاحب علم و نظر
مولانا ابوالجلال ندوی نے اس پر ایک مبسوط لکھا تھا، اس میں مستدرک کے ناشرین

---

[1] المستدرک مع تلخیص ج ۱ [2] ایضاً ج ۲ [3] ایضاً ج ۱ [4] کشف الظنون جلد ۲ [5] ایضاً

کو لبعض مشورے دیئے تھے، اس کے جواب میں دائرۃ المعارف کے رکن مولانا ہاشم ند
کا مضمون بھی اسی زمانہ میں چھپا تھا[۱]

صحیح مستدرک اور حاکم پر بعض اعتراضات کا جائزہ

حاکم اور ان کی مستدرک پر چ
اعتراضات بھی کیے گئے ہیں
ان میں سے بعض تو غلط ہیں اور بعض اگرچہ غلط نہیں ہیں تاہم وہ بحث و تنقیح طلب ضرور ہیں ا
لئے مستدرک کی اہمیت و خصوصیت بیان کرنے کے بعد ان کا جائزہ لینا بھی مناسب معلو
ہوتا ہے۔

امام حاکم اور ان کی مستدرک پر سب سے مشہور الزام تساہل کا ہے اس سلسلہ میں چ
اور ضمنی الزامات بھی عائد کیے گئے ہیں، گو ان کا اصل تعلق بھی تساہل ہی سے ہے لیکن ان
علیحدہ علیحدہ اور مستقلاً گفتگو کرنا زیادہ مفید و مناسب ہوگا۔

مستدرک اور صحیحین

پہلے گذر چکا ہے کہ مستدرک کی تالیف کا مقصد صحیحین کی ا
متروک حدیثوں کو جمع و مدون کرنا ہے، جو حاکم کے خیال
ان کی شرطوں کے مطابق صحیح ہونے کے باوجود ان میں شامل نہیں کی گئیں۔ اس سلسلہ م
بحث طلب امر یہ ہے کہ حاکم نے جن حدیثوں کے صحیحین کی شرطوں کے مطابق صحیح ہو
کا دعویٰ کیا ہے وہ واقع میں صحیح ہیں یا نہیں۔

(۱) ابوسعید مالینی کا بیان ہے کہ میں نے مستدرک کا مطالبہ کیا تو مجھ کو اس کی ایک حد
بھی شیخین کی شرائط کے مطابق نہیں ملی[۲]۔

(۲) دوسرے علمائے فن کے نزدیک مستدرک کی تمام حدیثیں تو نہیں لیکن متعدد ایسی ضرور

---

[۱] پہلا مضمون معارف کے جولائی و اگست ۱۹۶۶ء کے دوسرا نومبر دسمبر ۱۹۶۶ء کے شماروں میں شائع ہوا
[۲] طبقات الشافعیہ ج ۳، و بستان المحدثین۔

Marfat.com

جن کے متعلق حاکم کا یہ دعویٰ خلاف واقعہ ہے کہ وہ شیخین کی شرائط کے مطابق صحیح ہیں، ابراہیم بن محمد ارموی کا یہ بیان اکثر کتابوں میں مذکور ہے کہ :

"ابو عبداللہ حاکم نے مستدرک میں بہت سی ایسی حدیثیں جمع کی ہیں جن کے بارے میں گو ان کا خیال ہے کہ وہ شیخین کی حدیثوں کی طرح صحیح ہیں جیسے من کنت مولاہ الخ اور حدیث طیر وغیرہ لیکن علماء کبار نے اس سلسلہ میں حاکم کو غلط ٹھہرایا ہے اور ان پر سخت نکیر کی ہے۔[1]"

اسی رائے کو عام طور پر حقیقت سے بعید اور زیادتی پر محمول کیا گیا ہے۔ علامہ ذہبی نے اس کی نہایت پُر زور تردید کی ہے۔ ان کی تردید اس لیے زیادہ قابل لحاظ ہے کہ انہوں نے مستدرک کا دقت نظر سے مطالعہ کیا ہے، اور اس کی تلخیص لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں :

"مستدرک کے متعلق مالینی کی رائے سراسر زیادتی، صریح ناانصافی اور سخت غلو پر مبنی ہے، انصاف کی بات یہ ہے کہ مستدرک کا تقریباً نصف حصہ ایسی حدیثوں پر مشتمل ہے جو شیخین یا کسی ایک بزرگ کے شرائط کے مطابق ہے، البتہ اس کے چوتھائی حصہ میں ایسی حدیثیں ہیں جن کے اسناد تو بظاہر صحیح ہیں لیکن وہ شیخین کی شرطوں کے مطابق نہیں ہیں، بقیہ چوتھائی حصے میں ضعیف و منکر بلکہ موضوع حدیثیں بھی شامل ہیں اسی حصہ [illegible] ان کی تعداد ایک سو کے قریب ہے۔[2] حق یہ ہے کہ مستدرک کی بعض حدیثوں کے بارے میں حاکم کا دعویٰ صحیح نہیں ہے لیکن اکثر کے متعلق صحیح ہے۔"

اس مسئلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے بہت مناسب اور حقیقت پسندانہ توجیہ کی ہے، وہ لکھتے ہیں :

"حاکم نے صحیحین پر مستدرک لکھا ہے، ان کی حدیثوں کے بارے میں وہ کہتے ہیں

---

[1] طبقات الشافعیہ ج ٣، بستان المحدثین [2] ایضاً

Marfat.com

کہ یہ شیخین کی شرطوں کے مطابق ہیں۔ لیکن انہوں نے ان کی تخریج نہیں کی ہے، میں نے جس
مستدرک کا تتبع اور چھان بین کی تو معلوم ہوا کہ ایک حیثیت سے حاکم کا بیان صحیح ہے، لیکن دوسری
حیثیت سے صحیح نہیں ہے، اس کی تفصیل و توجیہ یہ ہے،

"مستدرک میں ایسی حدیثیں ہیں جو شیخین کے رجال و اسناد اور ان کی شرائط صحت
واتصال کے مطابق ہیں، اس پہلو سے حاکم کا شیخین پر استدراک صحیح ہے،
لیکن دوسرے پہلو سے صحیح نہیں ہے، کیونکہ شیخین اسی حدیث کا ذکر کرتے
ہیں جس کی صحت پر ان کے شیوخ نے نقد وجرح کر کے اجماع کر لیا ہو، امام
مسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی صحیح میں وہی حدیثیں لکھی ہیں جن کی صحت پر
محدثین کا اتفاق ہے، لیکن مستدرک کی اکثر منفرد حدیثیں ایسی ہیں جو شیخین کے
زمانہ کے شیوخ اور محدثین پر مخفی اور مستور رہ گئی تھیں گو بعد میں ان کی شہرت ہو
گئی ہو یا ایسی حدیثیں ہیں، جن کے رجال کے بارے میں محدثین نے اختلاف
کیا ہے، کیونکہ شیخین محض قاعدہ و اصول سے حدیث کی صحت تسلیم نہیں کرتے
بلکہ اپنے شیوخ کی طرح احادیث کے وصل و انقطاع وغیرہ کی باقاعدہ بحث و
تحقیق کرتے ہیں اور اس میں انہوں نے اس قدر شدت برتی ہے کہ صحت و
استناد کا مسئلہ پوری طرح ظاہر ہو گیا ہے، اس کے برخلاف امام حاکم کا عام طریقہ
یہ ہے کہ وہ صرف محدثین کے عام قواعد و ضوابط پر اعتماد کر کے حدیثوں کو
صحیح قرار دے دیتے ہیں، مثلاً یہ قاعدہ کہ ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی
یا جب اہل فن وصل و ارسال یا وقف و رفع میں مختلف الرائے ہوں
تو اس راوی کا قول حجت مانا جائے گا جس کے بیان میں اضافہ ہو اور اس
کو یاد رکھا ہو، یہ حقیقت ہے کہ محدثین کے یہاں احادیث کی تصحیح اور رجال
کے اس معیار کی بنا پر خرابی اور خلل پیدا ہوا ہے اور اسی حیثیت سے

شیخین اور حاکم کے یہاں فرق پایا جاتا ہے"۔ واللہ اعلم[1]

علامہ زیلعی حنفی کا بھی ایک بصیرت افروز بیان اس سلسلہ میں قابل غور ہے، وہ جہر یا کی حدیثوں پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کسی شخص کے بارے میں مجرد کلام سے اس کی حدیث کو ساقط قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس طرح تو سنت و حدیث کا بیشتر سرمایہ ہی متروک ہو جائے گا، اس لئے کہ جرح و کلام سے اس شخص کے علاوہ جس کو خود اللہ نے معصوم و محفوظ بنا دیا ہو کوئی شخص بھی محفوظ نہیں ہے، صحیحین تک میں ایسے لوگوں کی روایتوں کی تخریج کی گئی ہے جن پر کلام کیا گیا ہے، جیسے جعفر بن سلیمان ضبعی، حارث بن عبداللہ ایادی، ایمن بن نابل حبشی، خالد بن مخلد قطوانی، سوید بن سعید حدثانی اور یونس بن ابی اسحٰق سبیعی وغیرہ لیکن شیخین نے ایسے متکلم فیہ لوگوں کی ان ہی روایات کی تخریج کی ہے جن کی متابعت کی گئی ہے، اور جن کے شواہد ظاہر و باہر ہیں، اور جن کی اصل معروف و معلوم ہے لیکن اس طرح کے راویوں کے تفردات کو نہیں بیان کیا اور قبول کیا ہے خصوصاً ایسے مواقع پر جہاں ان راویوں نے ثقات کی مخالفت کی ہے، جیسے امام مسلم نے ابو اویس کی حدیث قسمت الصلاۃ بینی و بین عبدی کی اس لئے تخریج کی ہے کہ وہ اس کو بیان کرنے میں متفرد نہیں ہیں بلکہ دوسرے ثقہ و ثابت رواۃ مالک، شعبہ اور ابن عیینہ نے بھی اس کو بیان کیا ہے، اس لئے یہ حدیث متابع ہو گئی ہے، یہ ملاحظت شیخین پر استدراک کرنے والوں کے یہاں بھی راہ پا گئی ہے، اس سے ان کے استدراک میں تساہل ابو عبداللہ حاکم نے مستدرک میں کیا ہے وہ ان حدیثوں کے متعلق

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد اول

کہتے ہیں کہ یہ شیخین کی یا ان میں سے کسی ایک کی شرط کے مطابق ہیں ان میں یہ علت موجود ہوتی ہے۔ صحیحین میں کسی راوی کی روایت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ راوی جس حدیث میں پایا جائے وہ صحیحین کی شرط کے مطابق ہو جائے گی۔ حاکم عموماً ایسی حدیث بھی نقل کرتے ہیں جس کے رواۃ کی وجہ سے صحیحین میں اس کی تخریج نہیں کی گئی ہے۔ اب اگر اس طرح کی کوئی حدیث حضرت عکرمہؒ سے مروی ہو اور انہوں نے اس کو حضرت ابن عباسؓ سے بیان کیا ہو تو محض اسی بنا پر کہ شیخین نے بھی عکرمہؒ سے ابن عباسؓ کے مرویات کی تخریج کی ہے اس لئے اس کو بھی صحیحین کے شرائط کے مطابق قرار دے دیا جائے تو یہ سراسر تساہل ہے۔ اسی طرح وہ ایسی حدیث بھی نقل کرتے ہیں جس کے بعض رجال بخاری کے اور بعض مسلم کے ہوتے ہیں اور وہ ان کو شیخین کے شرائط کے مطابق قرار دے دیتے ہیں۔ یہ تساہل ہے یا کبھی ایسی حدیث بیان کرتے ہیں جس میں کوئی ایسا راوی ہوتا ہے جس سے شیخین نے اس کی وہ روایت کی ہے جس کو اس نے اپنے کسی خاص استاذ اور متعین شیخ سے سنا ہے۔ کیونکہ راوی کا اپنے خاص استاد سے زیادہ اہم تعلق ہوتا ہے اور وہ اس کی حدیث کے حفظ و ضبط میں مشہور ہوتا ہے لیکن وہی راوی جب اپنے دوسرے شیخ سے کوئی روایت کرتا ہے تو اس کی شیخین تخریج نہیں کرتے کیونکہ اس شیخ سے روایت کرنے میں وہ ضعیف، غیر ضابطہ اور غیر مشہور یا اسی قسم کی کوئی اور وجہ مانع ہوتی ہے، لیکن حاکم نے اس راوی کی ایسی حدیثیں بھی جن کو اس نے اپنے مخصوص و متعین شیخ کے بجائے کسی اور شیخ سے بیان کیا ہے، تخریج کی ہے اور کہا ہے کہ روایت شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی شرط کے مطابق ہے، یہ بھی ان کے تساہل ہی کا نتیجہ ہے، کیونکہ شیخین

اس راوی پر صرف اس صورت میں اعتماد کرتے ہیں جب اس نے حدیث کو اپنے مخصوص ومتعین شیخ سے روایت کیا ہو مگر جب وہ اپنے دوسرے شیوخ سے روایت کرتا ہے تو اس پر اعتماد نہیں کرتے. مثلاً انہوں نے خالد بن مخلد قطوانی کی ایک حدیث کی جس کو انہوں نے سلیمان ابن بلال سے روایت کیا ہے، تخریج کی ہے لیکن ان کی اس روایت کی تخریج نہیں کی ہے جس کو انہوں نے عبداللہ بن مثنیٰ کے واسطہ سے روایت کیا ہے، کیونکہ خالد، ابن مثنیٰ سے روایت کرنے میں معروف نہیں ہیں. ایسی صورت میں اگر کوئی شخص خالد کی اس روایت کے بارے میں جو وہ ابن مثنیٰ سے بیان کریں یہ کہے کہ وہ شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی شرط کے مطابق ہے تو یقیناً متساہل کہا جائے گا. اسی طرح حاکم ایسی حدیث بھی بیان کرتے ہیں جس کے اسناد میں کوئی راوی ضعف یا کذب سے متہم ہوتا ہے. مگر اس کے اکثر رجال صحیح وقوی ہوتے ہیں. اس کے باوجود وہ اس کے متعلق بھی کہہ دیتے ہیں کہ وہ شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی شرط کے مطابق ہے. یہ بھی سخت قسم کا تساہل ہے. جو شخص مستدرک کا غور مطالعہ کرے گا اس پر یہ سب باتیں جو ہم نے بیان کی ہیں، خود منکشف ہو جائیں گی۔[1]

علامہ زیلعی حنفی نے جو کچھ لکھا ہے. اس کی مثالیں ضرور مستدرک میں ملتی ہیں لیکن ایسے بعض مواقع پر جن کا ذکر زیلعی نے کیا ہے. حاکم نے خود ہی تصریح کر دی ہے. مثلاً جس سند کے تمام رجال ثقہ ہوں اور کوئی ایک راوی ضعیف ہو اس کے بارے میں حاکم نے یہ بتا دیا ہے کہ شیخین نے اس حدیث کو فلاں راوی کی وجہ سے ترک کر دیا ہے. پھر انہوں نے

---

[1] نصب الرایہ جلد اول۔

اس راوی کو صحیح وضابط قرار دینے کی کوشش کی ہے اس کے بارے میں علمائے جرح
تعدیل کا اختلاف بیان کرکے لکھ دیا ہے کہ اگر اس کا قوی ہونا ثابت ہو جائے، تو
روایت بالکل صحیح ہوگی یہی حال دوسری مثالوں کا ہے، حاکم نے عموماً شیخین کی عدم تخریج
اسباب بھی بیان کر دیئے ہیں جن سے ان کے استدراکات کی قوت کا اندازہ ہوتا
تاہم اس میں شبہ نہیں کہ زیلعی کی اکثر مثالیں صحیح ہیں۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ شیخین کے متعلق حاکم کے سب دعوے خواہ وہ صحیح نہ ہو
لیکن سب غلط بھی نہیں ... حافظ ذہبی نے اپنی تلخیص میں غلط دعووں کی وضاحت
کے ساتھ صحیح کی توثیق بھی کی ہے اور جن کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے اس
بھی حاکم کی تصویب ظاہر ہوتی ہے۔

ضعیف وموضوع حدیثیں

دوسرا ضمنی اعتراض یہ ہے کہ مستدرک میں ضعیف
اور موضوع حدیثیں بھی ہیں چنانچہ علامہ ذہبی لکھتے

"اس میں شک نہیں کہ مستدرک میں ایسی حدیثیں بھی ہیں جو شرائط صحت کے
خلاف ہیں، بلکہ موضوع حدیثیں بھی ہیں جو اس کے شایانِ شان نہیں۔"[1]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"گو حاکم حدیث میں امام صدوق تھے، تاہم انہوں نے مستدرک میں ساقط
حدیثوں کی بھی تصحیح کر دی ہے۔"[2]

اوپر ان کا یہ بیان بھی گذر چکا ہے کہ مستدرک کا تقریباً چوتھائی حصہ منکر وواہی او
موضوع حدیثوں پر مشتمل ہے۔ انہوں نے تلخیص میں بھی حدیث کا ضعف ونکارت اور وضع دکھا
ہے اور حاکم کی موضوع حدیثوں کو ایک مستقل جزو میں جمع کیا گیا تھا، جو تقریباً ایک سو حدیثو

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ [2] میزان الاعتدال ج ۳

تمل تھا۔ حافظ ابن جوزی نے بھی ان کی ساٹھ موضوع حدیثوں کا ذکر کیا ہے گو اس کو محدثین نے مکمل طور پر تسلیم نہیں کیا ہے، اکثر تذکرہ نگاروں نے مستدرک کی ضعیف و موضوع حدیثوں کی مثال دیتے ہوئے "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" اور "حدیث طیر" وغیرہ کو پیش کیا ہے، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اس کا شمار حدیث کے تیسرے طبقہ کی کتابوں میں کیا ہے۔ اس طبقہ کے متعلق ان کا اور ان کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا یہ بیان ہے کہ:

"اگرچہ ان کتابوں کے مؤلفین علوم حدیث میں ماہر، ثقہ اور ضبط و عدالت کی صفات سے متصف تھے، لیکن ان میں صحیح، حسن اور ضعیف ہر قسم کی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ ان کی بعض حدیثیں موضوع بھی ہیں، گو ان کے اکثر رواۃ عدالت کی صفت سے متصف ہیں، تاہم بعض مستور اور مجہول الحال ہیں۔"[۱]

ان سب بیانات سے مستدرک میں ضعیف و منکر بلکہ موضوع حدیثوں کو بھی یقینی طور پر پایا جانا ثابت ہو جاتا ہے، لیکن موضوع حدیثوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ حافظ ابن جوزی نے ساٹھ حدیثوں کی نشاندہی کی ہے، لیکن ان میں سے اکثر کو محدثین نے تسلیم نہیں کیا ہے، رہیں ضعیف حدیثیں تو وہ موضوع کے ساتھ شامل ہو کر چوتھائی حصہ کے بقدر ہوں گی، ضعیف حدیثوں سے کوئی کتاب بھی خالی نہیں ہے۔ لیکن مستدرک میں ان کی تعداد اس لئے زیادہ معلوم ہوتی ہے کہ خود ضخیم کتاب ہے۔ اور اس کی ضخامت کے اعتبار سے تعداد زیادہ نہیں۔ اس کا زیادہ حصہ جیسا کہ ذہبی کے بیان سے ظاہر ہے صحیح حدیثوں پر مشتمل ہے۔ علامہ ابن صلاح فرماتے ہیں:

"مستدرک میں جو نہایت ضخیم کتاب ہے، صحیحین کی متروک حدیثوں کو شامل

---

[۱] عجالہ نافعہ مع فوائد جامعہ۔

Marfat.com

کیا گیا ہے، گو اس کی بعض حدیثوں کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔ لیکن اس کا بڑا حصہ صحیح ہے۔[1]

گو مستدرک کی ضعیف و موضوع حدیثوں سے اس کا پایہ گھٹ ضرور گیا ہے۔ تا[illegible] ان سے حاکم کے علوئے مقام اور عظمت شان میں فرق نہیں آتا، علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:

"حاکم کا درجہ و مرتبہ نہایت بلند ہے وہ کسی طرح ضعفا میں شمار کیے جانے کے مستحق نہیں ہیں، ان کی جانب سے یہ معذرت کی جائے گی کہ مستدرک ان کے آخر عمر کی تصنیف ہے، جب ان کی حالت متغیر ہو گئی تھی، اور اس وقت ان پر ذہول ونسیان بھی طاری رہتا تھا، اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اس میں بعض ایسے راویوں کو ثقہ قرار دے دیا ہے، اور ان لوگوں کی روایتیں بھی درج کر لی ہیں جن کا وہ اپنی کتاب الضعفا میں تذکرہ کر چکے تھے اور جن کے ناقابل حجت ہوتے اور ان کی حدیثوں کو ترک کر دینے کا فیصلہ کر چکے تھے، مثلاً عبدالرحمن بن زید بن اسلم کی احادیث مستدرک میں تخریج کی ہے۔ حالانکہ ان کا ضعفا میں تذکرہ کیا ہے اور ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اپنے والد کے واسطہ سے ایسی موضوع حدیثیں بیان کی ہیں، جن کا موضوع ہونا غور وتامل کرنے والے اہل فن سے مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔"[2]

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حاکم نے مستدرک کی بعض حدیثوں کو ضعیف سمجھنے کے باوجود شواہد و متابعات کی حیثیت سے یا اور کسی مصلحت کی بنا پر نقل کیا ہے، اور ایسے موا[illegible] انہوں نے ان اسباب کی صراحت بھی کر دی ہے جو ضعیف حدیث کی روایت ذکر[illegible] کا باعث ہوتے ہیں، علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

---

[1] مقدمہ ابن صلاح [2] لسان المیزان تذکرہ حاکم

Marfat.com

وربما أورد فيه ما لم يصح	بعض اوقات وہ غیر صحیح روایات لائے
عنده منبها على ذلك [1]	ہیں مگر اس پر متنبہ کر دیا ہے۔

یہ حق ہے کہ حاکم جو صاحب فن تھے ان کی تحقیق میں بعض مذہب اور رواۃ ثقہ و صحیح تھے لیکن بعض دوسرے ائمہ فن نے ان کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔

تساہل کا الزام

اب تک جن الزامات کا ذکر کیا گیا ہے وہ ہیں ... تساہل کی بحث آ گئی ہے لیکن اب اس کا مستقل طور سے ذکر کیا جاتا ہے ... نقل کی گئی ہیں، ان کے علاوہ ہمیں مزید تفصیل کی ضرورت نہیں۔

علامہ ابن صلاح کا مشہور بیان ہے۔

وهو واسع الخطو في شرط الصحيح	وہ صحیح روایت کے شرائط کے بارے
متساهل في القضاء به [2]	میں بڑے توسع پسند اور صحیح حکم لگانے
	میں نہایت متساہل تھے

علامہ زیلعی کا بیان ہے کہ:

فالحاكم عرف تساهله وتصحيحه	پس حاکم کا تساہل اور ضعیف بلکہ
للأحاديث الضعيفة	موضوع حدیثوں کی تصحیح مشہور و معروف
بل الموضوعة [3]	ہے۔

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری لکھتے ہیں:

"حدیث کی تصحیح میں حاکم کا تساہل اسی طرح مشہور ہے، جس طرح علامہ ابن جوزی کا تصنیف حدیث میں تساہل مشہور ہے...... شیخ الاسلام علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے تساہل نے ان کی کتابوں کا فائدہ معدوم کر دیا ہے" [4]

---

[1] تدریب الراوی [2] مقدمہ ابن صلاح [3] نصب الرایہ ج ۱ [4] مقدمہ تحفۃ الاحوذی

Marfat.com

ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ محدثین کے نزدیک حاکم کا تساہل مشہور و مسلم ہے مگر یہ بحث توضیح و تنقیح طلب ہے۔

حاکم پر جس شدومد کے ساتھ یہ الزام عائد کیا گیا ہے اس سے بظاہر حاکم کا احادیث میں زیادہ غیر محتاط و مداہن ہونا ثابت ہوتا ہے، جو صحیح نہیں ہے اور نہ تساہل کا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے رطب و یابس ہر قسم کی روایات بلاتحقیق و تفتیش نقل کر دی ہیں، ان کی تلاش و تفحص، حزم و احتیاط اور احکامی روایتوں میں شدت کا ذکر پہلے آچکا ہے، ان کا پایہ بحیثیت محدث اور علوم حدیث میں ماہر ہونا مسلم ہے، روایات کے قبول و رد کے اصول و ضوابط کی وہ پابندی بھی کرتے تھے اور ان کے اپنے حسن اصول تھے، جہاں انہوں نے ان اصولوں کو ترک کیا ہے، اس کی صراحت کر دی ہے، جرح و تعدیل حاکم کا خاص فن تھا، اس میں انہوں نے ایسی مہتم بالشان کتابیں لکھی ہیں جن کے حوالوں سے رجال کی کوئی کتاب بھی خالی نہیں ہے، ان باتوں سے ان کے حزم و احتیاط کا پتہ چلتا ہے، اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں لکھتے ہیں:

"حدیث کے طالب علم کو محدث کے حالات کی بحث و تفتیش کرنی ضروری ہے اس کو سب سے پہلے محدث کے متعلق یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ عقیدۂ توحید کو مانتا اور انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کا پابند ہے یا نہیں! پھر یہ بھی غور کرنا چاہیئے کہ وہ صاحب ہوی تو نہیں ہے، جو لوگوں کو اپنی خواہشات کے مطابق دعوت دیتا ہے، کیونکہ داعی بدعت کی حدیث قبول نہ کرنے پر ائمہ مسلمین کا اجماع ہے، اس کے بعد سن و سال کو معلوم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ اس کا اپنے ان شیوخ سے جن سے وہ حدیثیں روایت کرتا ہے سماع ممکن ہے یا نہیں، کیونکہ ہم نے ایسے شیوخ دیکھے ہیں جنہوں نے اپنے

لہ مقدمہ تحفۃ الاحوذی

شیوخ سے ایسے سن میں حدیثیں بیان کی ہیں جس سن میں ان کی ان شیوخ سے
ملاقات ممکن ہی نہیں تھی۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں :۔

"صحیح حدیث کی معرفت مجرد روایت سے نہیں ہوتی بلکہ اس کو عقل و فہم، حفظ و ضبط اور کثرت سماع وغیرہ سے معلوم کیا جاتا ہے۔ اس معاملہ میں اہل علم و معرفت کے مذاکرہ سے بڑھ کر کوئی چیز معاون نہیں ہے۔ اسی سے مخفی علت ظاہر ہوتی ہے پس جب اس طرح کی کوئی حدیث صحیح اسانید سے پائی جائے اور وہ شیخین کی کتابوں میں مروی نہ ہو تو ایسی صورت میں حدیث کے طالب علم کو اس کی تحقیق اور فکر کرنا نیز اس کی معرفت رکھنے والوں سے مذاکرہ کرنا لازم ہے تاکہ اس کی علت کا پتہ چل سکے۔"

جس امام کے یہ خیالات ہوں اور جس کا روایات کے رد و قبول میں یہ معیار ہو، اس کو محتاط یا ناقد اصل کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے ان کے تساہل کا صرف یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ دوسرے محدثین نے جو غیر معمولی تشدد روا رکھا تھا اور جس کے نتیجہ میں بے شمار صحیح حدیثیں ان کے معیار پر پوری نہ اتریں اور نہ ان کے انتخاب میں آ سکیں۔ حاکم نے اس طرح کا تشدد اس لئے روا نہیں رکھا تاکہ کوئی صحیح و ثابت حدیث محفوظ ہونے سے نہ رہ جائے اسی نیک جذبہ نے ان کے یہاں قدرے نرمی اور مداہنت پیدا کر دی ہے۔ اس لئے حدیث کی تصحیح میں حاکم کا تساہل اگرچہ مسلم ہے لیکن اس کی وہ نوعیت نہیں ہے جو غلو و اغراق کی وجہ سے اس کو دے دی گئی ہے۔

حاکم کے تساہل کے چند اسباب تھے جن کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

---

۱ معرفۃ علوم الحدیث

Marfat.com

(۱) خود ان کا یہ بیان گذر چکا ہے کہ مستدرک منکرین حدیث، اہل اہوا اور مبتدعین کے اس الزام اور مغالطہ کے جواب میں لکھی گئی ہے کہ صحیح حدیثوں کی تعداد بہت کم ہے، حاکم نے اس نسبہ کی تردید میں یہ بھی لکھا ہے کہ صحیح حدیثیں صرف صحیحین ہی میں منحصر نہیں ہیں، جیسا کہ خود شیخین نے اس کی صراحت کی ہے اور ابن صلاح، نووی اور دوسرے اساطین فن کا بیان ہے اس بناء پر حاکم نے یہ کوشش کی ہے کہ وہ اپنے علم و امکان بھر زیادہ سے زیادہ صحیح روایات کا مجموعہ مرتب کر دیں اس کی وجہ سے مستدرک میں تساہل ہو گیا ہے۔

(۲) حاکم نے حدیثوں کی تائید و توثیق کے لئے کثرت سے شواہد و متابعات نقل کئے ہیں ان میں اور فضائل اعمال کی حدیثوں میں انہوں نے زیادہ شدت اور احتیاط نہیں برتی ہے، چنانچہ مستدرک کی اس قسم کی حدیثوں میں زیادہ تساہل پایا جاتا ہے۔

(۳) حافظ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے کہ مستدرک حاکم کے آخری عمر کی تصنیف ہے، اس زمانہ میں ان کی حالت دگرگوں ہو گئی تھی، ان کو نظر ثانی اور حک و اصلاح کا موقع بھی نہیں ملا تھا، اس لئے مستدرک میں تساہل زیادہ پایا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ "حاکم کے یہاں تساہل کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کتاب کا مسودہ تو مکمل کر لیا تھا، لیکن اس کی تنقیح نہیں کر سکے تھے، مستدرک کے چھ جزوں میں صرف ڈیڑھ جزو تک مجھ کو حاکم کا املا ملا ہے، بقیہ اسراکی حاکم سے بطریق اجازت روایت کی ہے، اور ان اجزا میں ان جزوں کے مقابلہ میں جن کا حاکم نے خود املا کرایا ہے، زیادہ تساہل پایا جاتا ہے [1]

حاکم کا تساہل تو متعارف و مسلّم ہی ہے، لیکن اس الزام سے بعض اکابر محدثین بھی

---

[1] کشف الظنون ج ۲ و تدریب الراوی۔

Marfat.com

ری نہیں ہیں۔ چنانچہ بعض محدثین کے نزدیک تساہل کے اعتبار سے صحیح ابن حبان بھی
ستدرک کے لگ بھگ ہے، ابن خزیمہ کی عظمت شان میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ ان
ا اور ان کی صحیح کا پایہ ان دونوں سے بہت بلند ہے، لیکن علامہ سخاوی لکھتے ہیں:

وکم فی کتاب ابن خزیمۃ	ابن خزیمہ کی کتاب میں کتنی ایسی حدیثیں
ایضاً من حدیث محکوم	ہیں جن کی صحت کا حکم لگایا گیا ہے
منہ بصحتہ وھو لا یرتقی	حالانکہ وہ حسن کے مرتبہ سے اوپر
عن رتبۃ الحسن[1]	کی نہیں ہیں۔

امام دارقطنی اور امام ترمذی بھی ...... اول الذکر حاکم کے استاذ اور مؤخر الذکر
امام بخاری کے ممتاز شاگرد اور ائمہ صحاح میں ہیں، یہی الزام عائد کیا گیا ہے، علامہ ذہبی
جیسے نقاد فن کا بیان ہے:

ان العلماء لا یعتمدون تصحیح	علمائے فن ترمذی اور حاکم کی تصحیح کو
الترمذی ولا الحاکم[2]	زیادہ قابل اعتنا نہیں سمجھتے۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

حتی قیل ان تصحیحہ دون تصحیح	یہاں تک کہا گیا ہے کہ حاکم کی تصحیح
الترمذی والدارقطنی[3]	ترمذی و دارقطنی کی تصحیح سے بھی کمتر ہے

حافظ سخاوی کہتے ہیں:

بل وفیما صححہ الترمذی	بلکہ امام ترمذی کی تصحیح میں بھی تساہل کا بڑا
من ذلک جملۃ مع انہ ممن	حصہ شامل ہے، حالانکہ وہ ان لوگوں میں
یفرق بین الصحیح والحسن[4]	ہیں جو صحیح و حسن میں امتیاز کرنے والے ہیں

---

۱ فتح المغیث ۲ الرسالۃ المستطرفہ ۳ [illegible] ۴ فتح المغیث

اسی طرح ضیاء مقدسی، ابن عوانہ، ابن سکن اور ابن جارود وغیرہ نامور محدثین کی تصنیف اگرچہ صحیح کے نام سے موسوم کی جاتی ہیں، لیکن ایک جماعت نے ان پر بھی انصافاً نقد کیا، اور تساہل کا الزام لگایا ہے[1]

اس لئے جس طرح ان ائمہ کی تصنیفات کی خامیوں کی وجہ سے ان کے جلالت میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح حاکم کی عظمت میں بھی ان کے تساہل کی بناء پر کلام کیا جاسکتا۔

حاکم کی تصحیح کا حکم

حاکم کا تساہل تسلیم کرنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان کی توثیق و تصحیح کا کیا حکم ہوگا؟ محدثین اور علمائے فن کے نزدیک چند صورتوں کو چھوڑ کر عام طور پر حاکم کی تصحیح کا لحاظ کیا جائے گا، یہ مستثنیٰ صورتیں حسب ذیل ہیں:۔

(الف) جس حدیث کی حاکم نے توثیق کی ہو وہ کسی دوسری صحیح و ثابت حدیث کے خلاف ہو۔ علامہ زیلعی جہر بالبسملہ کے بیان میں لکھتے ہیں:۔

وتصحیح الحاکم لایعتد به سیما فی هذا الموضع فقد عرف تساهله فی ذلک ..... وتوثیق الحاکم لایعارض ما یثبت فی الصحیح خلافه لما عرف من تساهله[2]	حاکم کی تصحیح کا اعتبار نہیں کیا جائے گا خصوصاً اس مقام پر، کیونکہ ان کا تساہل یہاں معروف و معلوم ہے ..... اور حاکم کی توثیق کو اگر وہ صحیح و ثابت حدیث کے خلاف ہو، اس کے معارض قرار نہیں دیا جائے گا کیونکہ ان کا تساہل معروف ہے۔

---

[1] فتح المغیث [2] نصب الرایہ ج ۱

Marfat.com

زیلعی کے اس بیان سے حاکم کی تصحیح کا سرے سے ناقابل اعتبار ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:۔

حتی قیل ان تصحیحہ دون تصحیح الترمذی والدارقطنی بل تصحیحہ کتحسین الترمذی واما ابن خزیمۃ وابن حبان فتصحیحھما ارجح من تصحیح الحاکم بلا نزاع ؎	یہاں تک کہا گیا ہے کہ حاکم کی تصحیح کا درجہ امام ترمذی اور دارقطنی کی تصحیح سے کمتر ہے۔ بلکہ ان کی تصحیح کی حیثیت امام ترمذی کی تحسین کی طرح ہے۔ رہے ابن خزیمہ اور ابن حبان تو ان کی تصحیح بلا اختلاف حاکم کی تصحیح سے راجح ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زیلعی کے نزدیک حاکم کی تصحیح بالکل ساقط اور ناقابل اعتبار نہیں ہے، بلکہ جب وہ صحیح حدیث کے معارض ہو تو ناقابل اعتبار ہوگی۔

(ب) حاکم نے جس حدیث کی تصحیح کی ہو اگر اس کے بارے میں دوسرے محدثین کا فیصلہ اس کے برعکس ہو تو حاکم کی تصحیح کا لحاظ نہیں ہوگا۔ علامہ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ حاکم کی تصحیح کا اسی وقت اعتبار کیا جائے گا جب کہ اس کے بارے میں دوسرے ائمہ کی اس کے خلاف کوئی تصریح موجود نہ ہو۔

(ج) جس حدیث کی حاکم نے تصحیح کی ہو اس میں ضعیف کر دینے والی کوئی علت موجود ہو۔ ابن صلاح اور نووی نے اس کی تصریح کی ہے۔

ان صورتوں کے سوا حاکم کی تصحیح کو معتبر اور حجت سمجھا جائے گا، البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ ان کی تصحیح کے بارے میں کس قسم کا حکم لگایا جائے گا۔ ابن صلاح اور حافظ نووی کے نزدیک اس کو حسن پر محمول کیا جائے گا۔ ابن صلاح فرماتے ہیں:

؎ نصب الرایہ ج ۱

Marfat.com

فقال حولی ان نتوسط فی امرہ
فنقول ما حکم بصحتہ ولم
نجد ذلک فیہ لغیرہ من
الائمۃ ان لم یکن من قبیل
الصحیح فھو من قبیل الحسن
یحتج بہ ویعمل بہ
الا ان تظھر فیہ علۃ
توجب ضعفہ ۔[1]

ہمارے نزدیک حاکم کی تصحیح کے بارے میں بیچ کی راہ اختیار کرنا زیادہ مناسب ہے ۔ پس جس حدیث کے صحیح ہونے کا انہوں نے فیصلہ کیا ہو اور اس میں دوسرے ائمہ کی کوئی تصریح موجود نہ ہو اس کے بارے میں ہم یہ کہیں گے کہ اگر وہ صحیح کے قبیل سے نہیں ہے تو حسن کے قبیل سے ہے اس کو لائق حجت اور قابل عمل سمجھا جائے گا بشرطیکہ اس میں کوئی علت نہ ہو جو ضعف کی موجب ہو ۔

نووی لکھتے ہیں :۔

فما صحیحہ ولم نجد فیہ لغیرہ
من المعتمدین تصحیحا ولا تضعیفا
حکمنا بانہ حسن الا ان
یظھر فیہ علۃ توجب
ضعفہ ۔[2]

جس حدیث کی حاکم نے تصحیح کی ہو اور اس کی صحت یا ضعف کے متعلق دوسرے معتبر محدثین کی تصریح موجود نہ ہو تو ہم اس کو حسن قرار دیں گے ، بشرطیکہ اس کو ضعیف قرار دینے والی علت موجود نہ ہو ۔

زیلعی کے اوپر کے بیان میں بل تصحیحہ کتحسین الترمذی سے بھی یہ معلوم ہے لیکن علامہ جزائری نے محدث ابن صلاح کے بیان "وان لم یکن من قبیل الصحیح فھو من قبیل الحسن" کا دوسرا مفہوم بنایا ہے ، وہ کہتے ہیں کہ ۔

---

[1] مقدمہ ابن صلاح ص ۱۱
[2] تدریب الراوی

Marfat.com

"جس حدیث کی تصحیح میں حاکم منفرد ہوں اور دوسرے محدثین کا اس کے بارے میں کوئی فیصلہ موجود نہ ہو تو اس کو احتیاطاً صحیح و حسن کے درمیان دائر سمجھا جائے گا، لیکن لوگوں نے ان کے بیان کا یہ مطلب لیا ہے کہ اس پر محض حسن کا حکم لگایا جائے گا۔"[1]

لیکن متاخرین کے نزدیک حاکم کی تصحیح کے بارے میں اقتضائے حال کے مطابق حکم لگایا جائے گا، جزائری کا بیان ہے کہ:

"اکثر محدثین کی رائے یہ ہے کہ جس حدیث کی تصحیح میں حاکم منفرد ہوں اس کے متعلق بحث و تحقیق کی جائے گی اور اس پر اس کے اقتضائے حال کے مطابق صحت یا حسن یا ضعف کا حکم لگایا جائے گا۔"[2]

بدر بن جماعہ سے بھی یہی منقول ہے اور عراقی، سخاوی[3] اور سیوطی وغیرہ نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

"صحیح طریقہ یہ ہے کہ حاکم کی تصحیح کی تحقیق کر کے اس کے اعتبار سے حسن، صحیح یا ضعیف ہونے کا حکم لگایا جائے۔ عراقی نے بھی اس کی موافقت کی ہے، اور کہا ہے کہ اس پر محض حسن ہی کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔"[4]

مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری لکھتے ہیں:-

"غالباً ابن صلاح نے یہ مسلک اس لیے اختیار کیا ہے کہ ان کے خیال میں اب لوگ تصحیح کے اہل نہیں رہے، اس لیے اس کا قصہ ہی ختم ہو گیا، یہ درست نہیں ہے تصحیح کا معاملہ ختم نہیں ہوا ہے، بلکہ اب بھی اگر کسی شخص میں اس کی اہلیت موجود ہو اور اس میں اس کے اوصاف و شرائط موجود ہوں تو وہ تصحیح کا فیصلہ کر سکتا ہے۔"[5]

---

[1] مقدمہ تحفۃ الاحوذی [2] ایضاً [3] الغیہ و فتح المغیث [4] تدریب الراوی [5] مقدمہ تحفۃ الاحوذی

باں رہی حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی یہ تحریر کہ :

" ذہبی نے یہ کہا ہے کہ کسی شخص کو میری تلخیصات و تعقبات دیکھے بغیر حاکم کی تصحیح سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے "[۱]

اور

" محدثین کا فیصلہ یہ ہے کہ ذہبی کی تلخیص دیکھے بغیر مستدرک حاکم پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے "[۲]

اوپر کے بیانات کے معارض نہیں ہے اور نہ اس سے حاکم کی تصحیح کو مطلقاً باطل ہی ثابت ہوتا ہے۔

رفض و تشیع کا الزام

امام ابوعبداللہ حاکم پر سب سے بڑا الزام رفض و تشیع کا عائد ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے :

(۱) محمد بن طاہر روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابواسماعیل انصاری سے حاکم کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ " وہ حدیث میں ثقہ مگر سخت رافضی تھے "[۳]

(۲) دوسری جماعت ان کے رفض کی نفی و تردید کرتی ہے، لیکن وہ بھی ان کو شیعیت سے متہم کرتی ہے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں، وہ شیعیت میں سر در مشہور رہے، لیکن شیخین کے بارے میں تعرض نہیں کرتے تھے، ابواسماعیل انصاری کا قول خلاف انصاف ہے، در حقیقت وہ رافضی نہ تھے، بلکہ شیعی تھے"[۴]

مگر خود ابن طاہر کے بیان سے جنہوں نے حاکم کے رافضی ہونے کی ابواسماعیل سے روایت کی ہے، رفض کا کوئی پتہ نہیں چلتا، چنانچہ وہ کہتے ہیں حاکم اندرونی طور[۵] سے تو شیعوں سے ہمدردی رکھتے تھے، لیکن خلافت اور تقدیم کے مسئلہ میں وہ تسنن کا اظہار کرتے تھے[۶]

حاکم کی شیعیت کے بارے میں سب سے مشہور روایت وہ ہے جس کو خطیب ا...

---

[۱] بستان المحدثین [۲] ایضاً [۳] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ [۴] میزان الاعتدال ج ۳ [۵] یہاں اس بیان پر کوئی بحث مقصود نہیں ہے، ورنہ کسی کے باطن کے متعلق اس قسم کا فیصلہ کرنا بجائے خود کتنا درست اور مقتضائے انصاف ہے، غفار (باقی اگلے صفحہ)

اور ان کے حوالہ سے بعض دوسرے ارباب سیر و تذکرہ نے نقل کیا ہے کہ۔

"حاکم ثقہ تھے مگر تشیع کی جانب میلان رکھتے تھے مجھ سے ابراہیم بن محمد ارموی نے جو ایک صاحب علم اور صالح شخص نے بیان کیا کہ حاکم نے ایسی حدیثیں جمع کی ہیں جن کے بارے میں ان کا گمان ہے کہ وہ صحیحین کے شرائط کے مطابق ہیں اس لئے شیخین پر ان کی تخریج ضروری تھی، چنانچہ اسی قسم کی حدیثوں میں حدیث طیر اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ بھی ہیں جو حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب میں وارد ہیں۔ اور ان کی وجہ سے محدثین نے ان پر نکیر و ملامت کی ہے۔"

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ حاکم پر رفض کا الزام صحیح نہیں ہے۔ بلکہ سراسر بے بنیاد ہے، علامہ ذہبی کے مذکورہ بالا بیان کے علاوہ دوسرے بیانات سے بھی جو آگے نقل کئے جائیں گے اس کی پوری تردید ہوتی ہے، علامہ ابن سبکی نے بھی اس کی پُر زور تردید کی ہے، یہ الزام محض ابو اسمٰعیل انصاری سے مروی ہے، بعض دوسرے محدثین کے تبصرے بھی ان کے اس قسم کے غیر معروف اور منفرد اقوال مروی ہیں، جن کو محققین اور ناقدین نے خلاف واقعہ اور مطرود قرار دیا ہے، حاکم پر بھی ان کے الزام کی یہی نوعیت ہے، اس لئے اس پر کسی بحث کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

البتہ شیعیت کا الزام بظاہر قوی معلوم ہوتا ہے، اس لئے اس کا یہاں مفصل جائزہ لیا جاتا ہے:۔

جن لوگوں نے حاکم پر شیعیت کا الزام عائد کیا ہے ان کے اقوال کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حاکم کی شیعیت کا خلفائے ثلثہ اور دیگر صحابہ کرام کے سب و شتم یا حضرت علیؓ کی تفضیل اور خلافت میں ان کی تقدیم و خلافت کے مسئلہ میں وہ تسنن کا اظہار

۱؎ عام قاعدہ یہ ہے کہ غیر محکم بالالظاہر ہے تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ۔ ۲؎ تاریخ بغداد ج ۵

کرتے تھے:

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ فرماتے ہیں کہ

"بعض علماء سے منقول ہے کہ ان کے تشیع کا مطلب یہ ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی فضیلت کے قائل تھے جو اسلاف کی ایک جماعت کا بھی مذہب ہے۔[1]"

اس لیے یہ امر بھی مسلم ہے کہ امام ابو عبداللہ حاکم حضرت علیؓ کو نہ شیخین سے افضل مانتے تھے اور نہ ان کو ان بزرگوں کے مقابلہ میں خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے، اس لئے اب صرف دو چیزیں لائق بحث رہ جاتی ہیں:۔

(۱) پہلی چیز حضرت علیؓ کی محبت و عقیدت میں غیر معمولی غلو و افراط ہے، جس کا ثبوت خطیب کی روایت میں ملتا ہے کہ حاکم نے حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب میں ضعیف و موضوع حدیثیں روایت کی ہیں۔

(۲) دوسری چیز حضرت امیر معاویہؓ سے ان کی برہمی ہے، چنانچہ علامہ ذہبی رقمطراز ہیں:

"ان کا حضرت علیؓ کے مخالفین سے انحراف اگرچہ کھلا ہوا ہے، لیکن وہ شیخین کو سب پر فائق و معظم سمجھتے تھے، اس لئے وہ شیعی ضرور تھے، لیکن رافضی نہیں تھے۔[2]"

اور ابن طاہر کا یہ بیان نقل کیا ہے:

"حاکم حضرت امیر معاویہؓ اور ان کی اولاد سے برگشتہ تھے اور اس کا اظہار بھی کرتے تھے، اور اس کے متعلق کوئی معذرت نہیں کرتے تھے۔[3]"

ابن عماد کا بیان ہے کہ:

"علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ حاکم خلفائے ثلثہ خصوصاً شیخین کی پوری تعظیم کرتے

---

[1] حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ بیان محل نظر ہے، آئندہ مباحث سے اس کی تردید ہو جائے گی۔ بستان

[2] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ [3] ایضاً

Marfat.com

تھے، البتہ حضرت معاویہؓ کے بارے میں انہوں نے کلام کیا ہے، اس کی وجہ سے ان کو زدوکوب بھی کیا گیا تھا۔[۱]

حافظ ابن جوزی اور علامہ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں:

"ابو عبدالرحمٰن سلمی کا بیان ہے کہ ابو عبداللہ بن کرام کے اصحاب نے حاکم کو سخت تنگ کر رکھا تھا۔ ان کا منبر توڑ ڈالا تھا، اور ان کے لئے گھر سے نکلنا اور مسجد میں جانا تک دشوار کر دیا تھا، میں نے یہ حالت دیکھ کر ان سے کہا کہ اگر آپ حضرت امیر معاویہؓ کے مناقب میں کسی حدیث کی تخریج یا املا کرا دیں تو اس مشقت وابتلا سے آپ کو چھٹکارا مل جائے، حاکم نے اس کے جواب میں تین دفعہ کہا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔"[۲]

جہاں تک حضرت علیؓ کی محبت میں افراط وغلو کا معاملہ ہے تو اس کو اعتراض وملامت یا شیعیت کی بنیاد قرار دینا صحیح نہیں ہے، بہت سے اکابر وائمہ اسلام کو حضرت علیؓ اور اہل بیت کی محبت میں غلو رہا ہے۔ اس لئے حاکم کا غلو اسی وقت قابل اعتراض ہو سکتا ہے، جب دوسرے صحابہ کی عظمت وجلالت کا انہوں نے پاس ولحاظ رکھا نہ ہو، یا وہ حضرت علیؓ کو ان سب پر فضیلت دیتے ہوں، لیکن خود حاکم کو شیعی قرار دینے والوں کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ وہ شیخین کی تنقیص نہیں کرتے تھے، بلکہ عام اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق وہ ان کو حضرت علیؓ سے افضل اور خلافت کے لئے مقدم واَنسب سمجھتے تھے، اس لئے ان کا غلو نہ قابل اعتراض ہے اور نہ شیعیت کا ثبوت، حاکم کے حالات وواقعات زندگی اور تصنیفات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ انہوں نے خلفائے ثلاثہ پر حضرت علیؓ کو ترجیح دی، یا کم از کم ان بزرگوں کی کوئی تنقیص کی ہے، لیکن اس بارے میں علامہ ابن سبکی کے ان اصولوں کی رہنمائی میں

---

[۱] شذرات الذہب ج ۳ [۲] المنتظم ج ۰، البدایہ والنہایہ ج ۱۱

فیصلہ زیادہ مناسب ہے، وہ لکھتے ہیں :۔

"اگر کسی شخص کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا جائے یا اس پر کوئی الزام عائد کیا جائے تو انصاف پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کے شیوخ واساتذہ اور رفقاء وتلامذہ وغیرہ کے متعلق بحث وتفتیش کی جائے اس کے بعد اس کے ماحول اور ان حالات کا جائزہ لیا جائے، جن میں اس کی نشو ونما ہوئی ہے، پھر ان معاصرین، ہموطنوں اور اعزہ واقرباء کے اقوال وآراء معلوم کئے جائیں، جو اس کے حالات وواقعات زندگی سے زیادہ واقف اور باخبر ہوتے ہیں، معاصرین کے متعلق اس کی تحقیق ضرور کرلینی چاہیئے کہ ان کے متہم سے تعلقات کی نوعیت کیا تھی ؟ وہ اس کے موافق، حامی اور دوست تھے یا معاند و مخالف اور معترض ونکتہ چیں یا بالکل غیر جانبدار، لیکن معاصرین میں غیر جانبدار بہت کم ہوتے ہیں۔"

ان اصولوں کی روشنی میں امام حاکم کے تشیع وتفضیل علیؓ کے الزام پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے یہ تو مسلّم ہے کہ وہ جلیل القدر محدث تھے، ان کی اس حیثیت میں ان کے مخالفین کو بھی کوئی کلام نہیں، اور محدثین میں ایسے عقائد شاذونادر ہی ہوتے ہیں۔

اس کے بعد حاکم کے ان شیوخ پر غور کیا جائے جن سے انہوں نے علم وفن کی تحصیل کی ہے خصوصاً ان لوگوں کو دیکھا جائے جن سے ان کو زیادہ تعلق اور قربت رہی ہے، تو معلوم ہوگا کہ ان کے شیوخ میں اکابر اہل سنت اور ایسے لوگ ہیں جو عقائد میں امام ابوالحسن اشعری سے وابستہ تھے، جیسے ابوبکر بن اسحٰق ضبعی، ابوبکر بن فورک اور ابوسہل صعلوکی وغیرہ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن سے حاکم کی مجالست تھی اور اصول ودیانات وغیرہ میں مباحثے اور مجادلے رہتے تھے۔

اسی طرح حاکم نے اپنی تاریخ میں اہل سنت کے جو تراجم لکھے ہیں ان میں اس کی پوری توصیف وتعریف کی گئی ہے، کہیں بھی ان کے عقائد پر طنز وتعریض نہیں ہے۔

اس کے علاوہ ابن عساکر نے ان کو ان اشاعرہ کے زمرہ میں شامل کیا ہے جو اہل رفض وتشیع کو مبتدع کہتے ہیں اور ان کے عقائد سے تبری ظاہر کرتے ہیں۔

یہ چیزیں حاکم پر لگائے جانے الزام کو مشکوک بنادیتی ہیں، آگے جو تفصیلات بیان کی جائیں گی

Marfat.com

ان سے یہ شکوک و شبہات سراسر بےبنیاد ثابت ہو جائیں گے، اور پوری طرح ثابت ہو جائے گا کہ حاکم کا دامن رفض و تشیع کے الزام سے بالکل پاک ہے۔ آگے علامہ ابن سبکی لکھتے ہیں:

"حاکم کے اندر تشیع کی جانب میلان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اگر یہ شریعت کے منافی ہو تو بھی توجہ کر رہا ہو تو بھی یہ اس حد و انتہا کو نہیں پہنچا ہوا تھا کہ وہ شیخین کی مذمت و تنقیص کرنے اور حضرت علی کو ان سے افضل مانتے رہے ہوں۔ بلکہ میں تو اس کو بھی بالکل بعید سمجھتا ہوں کہ وہ حضرت عثمان پر حضرت علی کو فوقیت دیتے رہے ہوں، کیونکہ میری نظر سے ان کی کتاب الاربعین میں ایک باب خلفائے اربعہ کی عظمت و تفضیل پر گذرا ہے، اس میں انہوں نے جملہ صحابہ کے مقابلہ میں ان ہی چاروں حضرات کا خصوصیت سے تذکرہ کیا ہے۔ اسی طرح مستدرک میں انہوں نے حضرت علیؓ سے پہلے حضرت عثمانؓ کا ذکر کیا ہے اور اس میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

اول حجر حمله النبی صلی الله علیه وسلم	مسجد (نبوی) کی تعمیر کے لئے پہلا پتھر حضور ﷺ نے
لبناء المسجد ثم حمل ابوبکر حجرا آخر	رکھا پھر دوسرا حضرت ابوبکرؓ نے، تیسرا حضرت عمرؓ
ثم حمل عمر ثم حمل عثمان حجرا	نے اور چوتھا پتھر حضرت عثمانؓ نے رکھا، میں نے کہا
آخر فقلت یا رسول الله الا تری الی	اے اللہ کے رسول دیکھئے کس طرح یہ لوگ آپ
هؤلاء کیف یساعدونک فقال یا عائشة	کی معاونت کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا اے عائشہ
هؤلاء الخلفاء من بعدی۔	یہی لوگ میرے بعد میرے خلفاء اور جانشین ہوں گے

گو اس روایت کی صحت میں علامہ ذہبی وغیرہ نے کلام کیا ہے لیکن قابل غور امر صرف یہ ہے کہ جو شخص اعتراضات کی پرواہ کئے بغیر ایسی حدیث کی تخریج کر سکتا ہے، جو خلفائے ثلثہ کی خلافت کے متعلق تقریباً ایک منصوص اور قطعی امر کی حیثیت رکھتی ہے، کیا اس کے بارے میں رفض و تشیع کا گمان بھی کیا جا سکتا ہے؟

حضرت عثمانؓ کے فضائل میں انہوں نے یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ

۱؎ طبقات الشافعیہ ج ۳

Marfat.com

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما	حضرت جابرؓ بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ
قال بینما نحن فی بیت ابن حشفة	مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ جس میں حضرت
فی نفر من المہاجرین فیہم ابوبکر و	ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن ابن عوف
عمر و عثمان وعلی وطلحة والزبیر	اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم تھے۔
و عبد الرحمن بن عوف و سعد بن ابی	ابن حشفہ کے گھر میں تھے (اس موقع پر)
وقاص رضی اللہ عنہم فقال رسول اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شخص کو اپنے
صلی اللہ علیہ وسلم لینہض کل	ہمسر کے ساتھ ہو جانا چاہیئے اور آپ نے خود
رجل منکم الی کفئہ فنہض النبی صلی اللہ	حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہو کر ان سے
علیہ وسلم الی عثمان فاعتنقہ وقال	معانقہ کیا، اور فرمایا کہ تم میرے دنیا و آخرت
انت ولی فی الدنیا والآخرة۔	دونوں میں ولی ہو۔

اس حدیث میں بھی کلام کیا گیا ہے، حاکم نے ان کے علاوہ اور بھی متعدد حدیثیں حضرت عثمانؓ کی فضیلت میں بیان کی ہیں، جن میں سے بعض کو صحیح مانا گیا ہے، اور بعض پر استدراک و اعتراض کیا گیا ہے، اسی طرح حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عمروؓ بن عاص وغیرہ کے فضائل و مناقب کی حدیثیں بھی جمع کی ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی جانب میلان اور عقیدت میں وہ ایسے غلو و اغراق سے کام نہیں لیتے تھے، جو بدعت یا دوسرے صحابہ کے سب وشتم کا باعث ہو۔۔۔۔۔[1]

غرض حاکم کا حضرت علیؓ کے بارے میں غالی و مفرط ہونا اولاً ثابت ہی نہیں ہے، اور اگر کسی درجہ میں ثابت بھی ہو جائے جب بھی قابل اعتراض اور موجب تشیع نہیں ہے، کیونکہ

(۱) انہوں نے خلفائے اربعہ کا جہاں ایک ساتھ تذکرہ کیا ہے، وہاں اسی ترتیب کے مطابق کیا ہے، جو اہل سنت نے ان بزرگوں کے درمیان قائم کی ہے، چنانچہ مستدرک کے فضائل صحابہ کے ابواب میں یہی ترتیب ہے، یعنی پہلے بالترتیب خلفائے ثلثہ کا اور ان کے بعد حضرت علیؓ کا تذکرہ ہے۔

---

[1] طبقات الشافعیہ ج ۳

ایک جگہ معرفت علوم الحدیث میں لکھتے ہیں :۔

النوع السابع من هذا العلم معرفة الصحابة على مراتبهم ۔	اس علم وفن کی ساتویں نوع صحابۂ کرام کے مراتب کے لحاظ سے ان کی معرفت ہے ۔

اس نوع میں انہوں نے مراتب ہی کے اعتبار سے صحابہ کے بارہ طبقوں کا ذکر کیا ہے، پہلے طبقہ میں خلفائے اربعہ کے نام اس ترتیب کے ساتھ لئے ہیں :۔

فاولهم قوم اسلموا بمكة مثل ابی بكر و عمر و عثمان و علی وغيرهم رضی الله عنهم۔[1]	اوّل طبقہ میں وہ لوگ ہیں جو مکہ میں اسلام لائے جیسے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ وغیرہ ۔

محدثین کے سنین اور عمروں کے بیان میں بھی انہوں نے خلفائے ثلثہ کے بعد حضرت علیؓ کا سنہ وفات تحریر کیا ہے [2]

(۲) عام اہل سنت کی طرح حاکم بھی ان چاروں بزرگوں کو خلیفۂ برحق سمجھتے تھے، اور اپنی تصنیفات میں خلفاء کی حیثیت سے ان کا ذکر بھی کیا ہے ۔

(۳) ان بزرگوں کے مناقب میں جو حدیثیں اور آثار جمع کئے ہیں ان سے بھی ان کی وہی فضیلت و عظمت اور ان کا وہی درجہ و مرتبہ ثابت ہوتا ہے، جو عام امت نے ان کو دیا ہے، یعنی حضرت ابوبکرؓ متفقہ طور پر امت میں سب سے برگزیدہ و برتر ہیں، حاکم نے بھی احادیث و آثار سے یہی ثابت کیا ہے یہاں تک کہ خود جناب امیرؓ کے ایسے اقوال نقل کئے ہیں جن سے حضرت ابوبکرؓ کا سب سے فائق و برتر ہونا ثابت ہوتا ہے ۔

حضرت ابوبکرؓ کی بیعت میں جناب امیرؓ کی تاخیر اور آپ کی آزردگی کا مسئلہ آج تک امت کے درمیان بحث و نزاع کا موضوع بنا ہوا ہے لیکن حاکم جناب امیرؓ ہی کی زبانی اس کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

قال علی والزبير ما غضبنا الا لانا اخرنا عن المشاورة ..... وانا نری	حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ ہم کو غصہ اس وجہ سے تھا کہ ہم لوگوں کو مشورہ میں

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث [2] ایضاً

احق الناس بها بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم انه لصاحب الغار وثاني اثنين وانا لنعلم بشرفه ولقد امره رسول الله صلى الله عليه وسلم بالصلوٰة بالناس وهو حي [۱]

نظر انداز کیا گیا تھا، ورنہ ہم لوگ بھی رسول اللہ علیہ
حضرت ابوبکرؓ ہی کو سب سے زیادہ خلافت کا
تھے، وہ غار میں آپ کے ساتھ اور دو میں کے
تھے، ہم کو ان کا فضل وشرف خوب معلوم ہے، ر
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ان کو حکم دیا
لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

یہاں تک شیخینؓ کی عظمت کا معاملہ ہے۔ اس میں معترضین کو بھی اعتراف ہے کہ حاکم نے
... نہیں کیا ہے۔ البتہ حضرت عثمانؓ کا معاملہ ضرور مختلف فیہ ہے، حالانکہ یہ بھی خلا
... عالم حضرت عثمان غنیؓ کو تیسرا اور برحق خلیفہ مانتے تھے، اور ان کے قتل کو ناحق سمجھتے
معرفۃ علوم الحدیث میں ملتے ہیں ... کیا۔

قتل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ صبراً [۲]   حضرت عثمانؓ مظلوم قتل کئے گئے تھے۔

خلافت میں حضرت عثمانؓ کی ترتیب کے متعلق جو اشارات بعض حدیثوں میں ملتے ہیں، وہ مست
میں بھی ہیں۔ علامہ ابن سبکی نے اس قسم کی دو حدیثیں مستدرک سے نقل کی ہیں، یہاں دو اور روایتیں ملاحظہ ہوں
حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات
صالح شخص نے خواب دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ سے اور ابوبکرؓ سے حضرت عمرؓ اور حضرت عم
حضرت عثمانؓ جڑ گئے۔ راوی (حضرت جابرؓ) کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
سے اٹھے تو یہ بات چیت کر رہے تھے کہ صالح آدمی سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہیں اور
جڑ جانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے امور کے ذمہ دار ہوں گے

دوسری حدیث، حضرت انس بن مالک کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

"بنی مصطلق کے لوگوں نے مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ دریافت کرنے

۱؎ المستدرک ج ۳   ۲؎ معرفۃ علوم الحدیث   ۳؎ مستدرک ج ۳

...ے لئے بھیجا کہ ہم لوگ آپؐ کے بعد کس کو صدقات دیں، آپؐ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ کو۔ ان لوگوں نے کہا جا کر پوچھو کہ حضرت ابوبکرؓ کے بعد کس کو دیں گے، آپؐ نے حضرت عمرؓ کا نام لیا، ...ری دفعہ پھر بھیجا تو آپؐ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کو دینا۔[1]

اسی طرح حاکم نے حضرت علیؓ کے مناقب میں جو روایتیں نقل کی ہیں ان سے خلفائے ...اور عام صحابہ کی کوئی تنقیص نہیں ہوتی۔

عام محدثین کی طرح حاکم کا بھی یہ مسلک ہے کہ صحابہ کرام کی عدالت میں طعن اور ان کی تنقیص ...نے والے کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ مذاہب محدثین کی صراحت کے بیان میں لکھتے ہیں:۔

علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ ابو اسرائیل ملائی کا پایہ حدیث میں بلند نہیں تھا، کیونکہ وہ حضرت عثمانؓ ...برائی کے ساتھ ذکر کرتے تھے۔[2]

اسی طرح علی بن حسین سے روایت کی ہے کہ میں نے سدی کے یہاں جانا اس لئے ترک ...ردیا تھا کہ وہ شیخین کو سب و شتم کرتے تھے۔[3]

درحقیقت متقدمین کے نزدیک حاکم صحابہ کے معاملہ میں جادۂ حق اور مسلک اعتدال سے ...ف نہیں تھے۔ جن لوگوں نے ان کو شیعی قرار دیا ہے، انہوں نے اس کے ثبوت میں کوئی ...قعہ یا ان کی تصنیفات سے کوئی مثال نہیں پیش کی ہے۔ رہیں وہ دونوں روایتیں جو صاحب ...تدرک کے رفض و تشیع کے ثبوت میں پیش کی گئی ہیں، تو ان سے بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

...پہلی حدیث یعنی "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کی حاکم نے تین طرق سے تخریج کی ہے ...اور سب کی تصحیح و تصویب کی ہے۔[4] امام ترمذی نے اپنی جامع میں، امام ابن ماجہ اپنی سنن میں اور ...امام احمدؒ نے مسند میں بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ ان کے علاوہ طبرانی نے معجم میں ضیاء مقدسی نے مختارہ میں اور امام نسائی نے خصائص علیؓ میں اس کی تخریج کی ہے گو حاکم کے بعض رجال پر کلام کیا گیا ہے اور ان کی روایتوں میں بعض ایسے اضافے ہیں جو نسائی اور مسند احمد بن حنبل میں نہیں...

---

[1] مستدرک ج ۳ [2] معرفۃ علوم الحدیث، [3] ملاحظہ ہو المستدرک ج ۳

ہیں، تاہم روایت کے جس حصہ کو قابل بحث، وجہ اعتراض اور شیعیت کی بنیاد قرار دیا گیا ہے، یعنی "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" وہ سب میں مشترک ہے، اسی لئے اکثر محدثین نے اس حدیث کو ضعیف اور بے اصل نہیں قرار دیا ہے، علامہ ذہبی نے جنہوں نے مستدرک کی تلخیص میں جا بجا حاکم پر نقد و تعقب کیا ہے، اور اسی باب یعنی فضائل علیؓ کی متعدد ضعیف و واہی حدیثوں پر تنبیہ کی ہے جس میں بعض جگہ ان کا لہجہ بہت تیز و تند ہو گیا ہے، مثلاً

العجب من الحاکم وجراتہ فی تصحیح هذا و امثالہ من البواطیل [1]

حاکم پر اور ان کی ایسی اور اس جیسی حدیثوں کی تصحیح کی جرأت پر سخت حیرت ہے۔

لیکن زیر بحث روایت کے صرف ایک طریق کے ایک راوی محمد کے علاوہ انہوں نے کوئی کلام نہیں کیا ہے [2]، اور تذکرہ میں اس صراحت کے باوجود کہ مستدرک میں غیر صحیح اور موضوع حدیثیں پائی جاتی ہیں، اس حدیث کے بارے میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ

واما حدیث من کنت مولاہ الخ فلہ طرق جیدۃ وقد افردت ذالک [3]

رہی حدیث من کنت مولاہ الخ تو اس کے طرق جید ہیں اور میں نے اس کے لئے علیحدہ رسالہ لکھا ہے۔

ذہبی نے میزان الاعتدال میں اور حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان میں حاکم کی ساقط روایات کی تصریح کی ہے لیکن اس حدیث کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، ضعاف و موضوعات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے، علامہ سیوطیؒ نے اس کو حدیث حسن قرار دیا ہے [4] البتہ امام ترمذیؒ نے اس کو غریب بتایا ہے، مگر مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارک پوریؒ لکھتے ہیں:۔

"امام ترمذی کا یہ قول کہ "یہ حدیث حسن غریب ہے" محل نظر ہے، کیونکہ امام احمدؒ، نسائیؒ اور ضیاء نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ اس باب میں امام احمدؒ نے حضرت بریدہؓ سے اور انہوں نے اور ابن ماجہ نے براء بن عازبؓ سے اور امام ابن ماجہ نے سعدؓ بن ابی وقاص سے اور امام احمدؒ نے حضرت علیؓ سے روایتیں کی ہیں [5]"

---

[1] تلخیص مستدرک ج ۳ [2] ایضاً [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ [4] الجامع الصغیر ج ۲ [5] جامع ترمذی مع شرح تحفۃ الاحوذی ج ۲

Marfat.com

اور علامہ اسمٰعیل بن محمد عجلونی (م ۱۱۶۲ھ) نے تو اس کے متعلق یہاں تک لکھا ہے کہ:۔

"حدیث من کنت مولاہ کی امام طبرانی، احمد اور ضیاء نے مختارہ میں زیدؓ بن ارقم، حضرت علیؓ اور تیںؓ صحابہ سے اس لفظ" اللھم وال من والاہ دعاد من عاداہ کے ساتھ تخریج کی ہے۔

پس یہ حدیث مشہور یا متواتر ہے۔"[1]

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ بعض علمائے فن اور محدثین نے اس روایت کی تضعیف کی ہے۔ امہ زیلعی نے اس کے ضعیف ہونے کی نصب الرایہ میں صاف تصریح کی ہے، تاہم یہ حدیث چاہے ہو یا ضعیف وموضوع مجرد اس کو نقل کرنے کی بنا پر حاکم کو شیعی قرار دینا یا ان کو مطعون کرنا سر زیادتی اور ناانصافی ہے، جب مستدرک میں اور بھی ضعیف وموضوع حدیثیں موجود ہیں۔ اور ان بنیاد پر حاکم کے عقیدہ ومسلک کے بارے میں کوئی خاص رائے نہیں قائم کی گئی ہے، یہاں تک کہ خود خلفائے ثلثہ اور دیگر صحابہ کرام کے مناقب میں بھی کمزور اور ساقط روایتیں درج ہیں۔ لیکن ان کی بنیاد پر کسی نے حاکم پر ان بزرگوں کی عقیدت میں افراط کا الزام عائد نہیں کیا ہے۔ اس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے؟ پھر جب اس کی تخریج متعدد ائمہ کبار نے کی ہے اور اس کی وجہ سے ان رفض وتشیع سے متہم نہیں کیا گیا تو آخر حاکم ہی کو ہدف طعن اور شیعی قرار دینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

اگر اس حدیث کی حجیت، یقینی اور مسلم بھی مان لی جائے جب بھی اس کے مفہوم سے رفض وتشیع کی کوئی تائید نہیں ہو سکتی، عربی زبان میں مولیٰ کا لفظ کئی معنوں میں آتا ہے اور جیسا کہ شارحین نے لکھا ہے، یہاں مولیٰ اور ولی کا لفظ دوست اور ساتھی کے معنی میں ہے، ملا علی قاری کا بیان ہے کہ من کنت مولاہ الخ من کنت اتولاہ کے مفہوم میں ہے، یعنی یہ ولی سے ہے جو عدو کا ضد ہے۔ اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ "میں جس سے محبت کرتا ہوں علی بھی اس سے محبت کرتے ہیں" دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "جو مجھ سے محبت کرتا ہے، اس سے علی بھی محبت کرتے ہیں"[2] پہلے مفہوم کی تائید ان حدیثوں سے بھی ہوتی ہے جن میں حضرت علیؓ سے محبت کرنے والے کو مومن

---

[1] کشف الخفاء، امزیل الالباس ج ۲

[2] تحفۃ الاحوذی مع جامع ترمذی ج ۴

اور بغض و نفرت کرنے والے کو منافق کہا گیا ہے۔

دوسرے اس قسم کے الفاظ بعض اور صحابۂ کرام کے بارے میں بھی حدیثوں میں آئے ہیں، خود حاکم نے حضرت عثمانؓ کے متعلق ایک روایت نقل کی ہے، جو پہلے گذر چکی ہے کہ آپ نے حضرت عثمانؓ کو دنیا و آخرت دونوں میں اپنا ولی بتایا ہے، اس طرح یہ حضرت علیؓ کی کوئی ایسی اہم اور خاص خصوصیت نہیں ہے جس میں دوسرے صحابہ شریک نہ ہوں۔

تیسرے بریدہ اسلمیؓ اور عمران بن حصینؓ کی حدیثوں سے جو مستدرک اور مذکورہ بالا کتابوں میں مذکور ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب امیرؓ کے متعلق یہ الفاظ ایک خاص موقع پر فرمائے تھے، جب بعض لوگوں نے ان کے کسی طرز عمل سے آزردہ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شکایت کی تھی، اس پر آپ نے ناگواری ظاہر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ علیؓ سے بغض و نفرت کا اظہار کر کے تم لوگ مجھ سے نفرت کا اظہار کر رہے ہو، کیونکہ جس کا میں دوست ہوں علیؓ بھی اس کے دوست ہیں۔ [1]

اس واقعہ کی روشنی میں یہ حدیث صحیح ہو یا ضعیف، اس سے شیعیت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

رہی دوسری حدیث تو اس کو حاکم نے دو طرق سے مستدرک میں نقل کر کے صحیح اور شیخین کے شرائط کے مطابق قرار دیا ہے، بلکہ پہلے طرق کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ اس کو حضرت انسؓ سے ان کے تیس شاگردوں نے روایت کیا ہے، اور یہ حضرت علیؓ، ابو سعید خدریؓ اور سفینہؓ سے بھی صحت کے ساتھ مروی ہے [1]۔ "حدیث طیر" کا معرفۃ علوم الحدیث میں بھی انہوں نے ذکر کیا ہے، لیکن وہاں اس کی صحت و سقم کے بارے میں کوئی رائے نہیں ظاہر کی ہے۔

"حدیث طیر" کو حاکم کے علاوہ امام ترمذی نے اپنی جامع [2] میں اور امام نسائیؒ نے خصائص علیؓ [3] میں

---

[1] ملاحظہ ہو المستدرک ج ۳ [2] تحفۃ الاحوذی مع ترمذی ج ۴ [3] یہ رسالہ ۱۳۰۸ھ میں مصر سے شائع ہوا ہے اس میں یہ حدیث موجود نہیں ہے، لیکن مولوی سید اولاد حسین صاحب نے جو نواب رامپور کے مصاحب خاص و واعظ دربار تھے، خصائص مرتضوی کے نام سے اس کا اردو ترجمہ کیا تھا، جو محلہ جوہری لکھنؤ سے شائع ہوا تھا، اس میں حدیث طیر کا متن اور اردو ترجمہ موجود ہے، ملاحظہ ہو، خصائص مرتضوی۔

Marfat.com

کیا ہے۔

حاکم کی دونوں روایتوں میں ایسی تفصیلات اور اضافے ہیں جو امام ترمذی وغیرہ کی روایتوں میں نہیں ہیں۔ حاکم کے مقابلہ میں امام ترمذی ونسائی کی حدیثیں بہت مختصر ہیں، مسئلہ کی وضاحت کے خیال سے یہاں ترمذی کی روایت نقل کی جاتی ہے:۔

عن انس بن مالك رضي الله عنه كان عند النبي صلى الله عليه وسلم طير فقال اللهم ائتني باحب خلقك اليك ياكل معي هذا الطير فجاء على فاكل معه۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چڑیا تھی، آپ نے فرمایا کہ اے اللہ تو اس شخص کو میرے پاس بھیج دے جو تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے تاکہ وہ میرے ساتھ یہ چڑیا کھائے، چنانچہ حضرت علیؓ تشریف لائے اور انہوں نے آپ کے ساتھ اس کو تناول فرمایا۔

امام نسائی کی روایت میں ہے کہ پہلے ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ تشریف لائے، مگر ان ..... ریابی کی اجازت نہیں ملی، تیسری دفعہ جب پھر حضرت علیؓ تشریف لائے تو آپ نے اجازت ت فرمائی۔ حاکم کی دونوں حدیثیں نہایت طویل ہیں، ان کا ملخص اور ماحصل یہ ہے کہ آنحضورؐ کی "اللهم ائتني الخ" سن کر حضرت انسؓ نے دعا کی کہ اے اللہ! یہ محبوب بندہ قبیلہ انصار کا کوئی ہو، چنانچہ جب دو دفعہ حضرت علیؓ ہی تشریف لائے تو حضرت انسؓ نے یہ کہہ کر ان کو واپس یا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت سے تشریف لے گئے ہیں مگر جب تیسری دفعہ بھی حضرت ہی آئے تو رسول اللہؐ نے فرمایا ان کو لے آؤ تم ہی پر موقوف نہیں ہے۔ ہر شخص کو اپنی قوم محبت ہوتی ہے۔

امام ترمذیؒ نے اپنی روایت کے متعلق فرمایا ہے کہ:

هذا حديث غريب لا نعرفه من حديث السدي الا من هذا الوجه وقد روى هذا

یہ حدیث غریب ہے، سدی سے صرف اسی سند اور طریق سے ان کی حدیث کا ہم کو علم ہے۔ حالانکہ یہ

الحدیث من غیر وجه عن انس ۔ حضرت انسؓ سے متعدد وجوہ و طرق سے مروی ہے ۔

علامہ ذہبی تلخیص میں حدیث طیر کے پہلے طریق کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

ابن عیاض لا اعرفہ ولقد کنت زمانا طویلا اظن ان حدیث الطیر لم یجسر الحاکم ان یودعہ فی مستدرکہ فما علقت ھذا الکتاب رأیت الھول من الموضوعات التی فیہ فاذا حدیث الطیر بالنسبۃ الیھا اسماء قال وقد رواہ عن انس جماعۃ اکثر من ثلاثین نفسا ثم صحت الروایۃ عن علی وابی سعید وسفینۃ ۔[1]

ابن عیاض کے بارے میں مجھ کو واقفیت نہیں ہے، میرا ایک زمانہ تک خیال تھا کہ حاکم نے حدیث طیر کو مستدرک میں نقل کرنے کی جسارت نہ کی ہوگی لیکن جب میں نے یہ تعلیق لکھی تو مجھ کو ایسی ہولناک موضوع حدیثیں اس میں ملیں جن کے مقابلہ میں حدیث طیر بلند پایہ ہے، کیونکہ اس کے متعلق خود حاکم نے کہا ہے کہ اس کو حضرت انسؓ سے تیس سے زیادہ اشخاص نے بیان کیا ہے، اس کے علاوہ یہ حضرت علیؓ، ابو سعیدؓ اور سفینہؓ سے بھی صحت کے ساتھ مروی ہے ۔

اور دوسرے طریق کے ایک راوی ابراہیم بن ثابت کو ساقط قرار دیا ہے[2]

تذکرہ میں اس حدیث کے متعلق ذہبی کا رویہ مزید نرم ہوگیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں :۔

واما حدیث الطیر فلہ طرق کثیرۃ جدا افردتھا بمصنف ومجموعھا یوجب ان یکون الحدیث لہ اصل[3]

رہی حدیث طیر تو یہ بکثرت طرق سے مروی ہے میں نے ان سب کو ایک مستقل رسالہ میں جمع کیا ہے، ان سب کے مجموعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بے اصل نہیں ہے ۔

ذہبی کے ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو حدیث طیر کے ضعیف یا موضوع ہونے کے بارے میں شرح صدر نہیں تھا۔ اور امام ترمذی نے اگرچہ اس کو غریب بتایا ہے، تاہم انہوں نے اس کے کثرت طرق وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ موضوع اور ضعیف نہیں ہے لیکن عام علماء نے حدیث طیر کو صحیح تسلیم نہیں کیا ہے، جیسا کہ حاکم پر ان کے اعتراضات سے

---

[1] تلخیص مع مستدرک ج ۳ [2] ایضاً [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۳

Marfat.com

ظاہر ہوتا ہے، البتہ بعض کے نزدیک ضعیف ہے اور بعض کے نزدیک موضوع، علامہ ابن سبکی نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے، وہ فرماتے ہیں :۔

"حدیث طیر پر وضع کا الزام لگانا صحیح نہیں ہے، ہمارے دوست حافظ صلاح الدین خلیل بن کیکلد علائی نے اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے متعلق صحیح فیصلہ یہ ہے کہ اس کے بعض طرق حسن کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں، یا زیادہ سے زیادہ اس کو ضعیف کہہ سکتے ہیں لیکن اس کے تمام طرق کا موضوع ہونا ثابت نہیں ہوتا، ذہبی نے اس کی سند کے تمام رجال کو بجز احمد بن عیاض کے، ثقہ و معروف بتایا ہے لیکن میری نظر سے ان کی جرح یا توثیق کے بارے میں کوئی قول نہیں گذرا ہے[۱]"

علامہ زیلعی نے بھی جن کی رائے آگے نقل کی جائے گی، اس کو ضعیف ہی قرار دیا ہے لیکن جن لوگوں نے اس کو موضوع قرار دیا ہے، ان کی تعداد زیادہ ہے، علامہ ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے، وہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں :۔

"حاکم نے حدیث طیر کو صحیح بتایا ہے لیکن ابن ناصر کہتے ہیں کہ یہ موضوع ہے اور اس کو ذیل سے ساقط الاعتبار قسم کے لوگوں نے کچھ مشہور اور کچھ مجہول راویوں کے واسطے سے اس کو حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے[۲]"

علامہ ابن کثیر نے بھی یہی لکھا ہے[۳]

علامہ شوکانی فرماتے ہیں :۔

قال فی المختصر له طرق کثیرة کلها	مختصر میں کہا گیا ہے کہ اس کے بہت سے طرق ہیں جو
ضعیفة وقد ذکره ابن الجوزی فی	سب ضعیف ہیں، اور علامہ ابن جوزی نے اس کا موضوعات
الموضوعات واما الحاکم فاخرجه فی	میں تذکرہ کیا ہے مگر حاکم نے مستدرک میں اس کی
المستدرک وصححه واعترض علیه کثیر	تخریج کر کے اسے صحیح قرار دیا ہے، اس کی وجہ

[۱] طبقات الشافعیہ ج ۳ [۲] المنتظم ج ۷ [۳] البدایہ والنہایہ ج ۱۱

من اھل العلم ومن ارا د استیفاالبحث — سے اکثر علماء نے ان پر اعتراضات کئے ہیں جس کو
فلینظر ترجمۃ الحاکم فی النبلاء [۲] — اس کی مفصل بحث دیکھنی ہو، وہ سیرالنبلاء میں حاکم کا ترجمہ دیکھے

علامہ محمد بن طاہر پٹنی نے بھی اس کو موضوع بتایا ہے [۳]

حاکم نے مستدرک میں اس کی صحت ثابت کرنے کے لئے کثرت طرق کا سہارا لیا ہے۔ مگر علامہ زیلعی فرماتے ہیں:۔

وکم من حدیث کثرت رواتہ وتعددت طرقہ وھو حدیث ضعیف کحدیث الطیر وحدیث الحاجم والمحجوم وحدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ [۴]

کتنی حدیثیں ایسی ہیں جن کے رواۃ زیادہ اور طرق متعدد ہوتے ہیں، لیکن وہ حدیث ضعیف ہوتی ہے جیسے حدیث طیر، حدیث حاجم و محجوم اور حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔

امام دارقطنی کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب ان کے سامنے اس حدیث کا ذکر کیا گیا، تو انہوں نے مستدرک اور حاکم پر اظہار نکیر کیا، خود حاکم کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بعد میں اس حدیث کو موضوع سمجھ کر مستدرک سے خارج کر دیا تھا، ابومحمد بن سمرقندی کا بیان ہے کہ حاکم کو حدیث طیر کے متعلق جب امام دارقطنی کی نکیر وملامت کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس کو مستدرک سے خارج کر دیا [۵]

علامہ ذہبی کے ایک بیان سے اس کی تائید ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"حاکم کے شاگرد ابوعبدالرحمٰن شاذیاخی کہتے ہیں کہ سید ابوالحسن کی مجلس میں ہم لوگوں نے حاکم سے حدیث طیر کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ "یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر اس کو صحیح مانا جائے تو رسول اللہ کے بعد کوئی شخص حضرت علیؓ سے افضل نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے میرا خیال ہے کہ اس کے متعلق بعد میں حاکم کی رائے بدل گئی تھی، اور انہوں

۱؎ الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ — ۲؎ افسوس ہے کہ سیرالنبلاء کی یہ جلد ہماری نظر سے نہیں گذری

۳؎ تذکرۃ الموضوعات — ۴؎ نصب الرایہ ج ۱ — ۵؎ طبقات الشافعیہ ج ۳

نے اس کو مستدرک سے خارج کر دیا تھا۔[1]

بہرحال حاکم نے چاہے حدیث "طیر" کو مستدرک سے خارج کیا ہو یا نہ کیا ہو، اس کا موضوع اور باطل ہونا اکثر علمائے فن اور محدثین کے نزدیک مسلّم ہے۔

گو محدثین اور اصحاب فن کے نزدیک اس حدیث کا موضوع ہونا مسلّم ہے، لیکن اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے جب بھی اس سے شیعیت کی تائید نہیں ہوتی، کیونکہ اس سے حضرت علیؓ [illegible]

---

[1] دیکھو تذکرۃ الحفاظ ج ۳۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حاکم نے اس حدیث کو مستدرک سے خارج کر دیا تھا تو وہ کس طرح اس میں باقی رہ گئی ہے، علامہ ابن سبکی اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں "ہمارے استاذ علامہ ذہبی کا بیان درست اور سچا ہے، مستدرک میں حدیث طیر کا رہ جانا [illegible] کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، پہلے تو میں نے خیال کیا کہ ممکن ہے حاکم کے تخریج نہ کرنے کے باوجود اس حدیث کو [illegible] میں شامل کر دیا گیا ہو، اس لئے میں نے اس کی تحقیق کے لئے مستدرک کے متعدد نسخوں [illegible] لیکن مجھ کو اس سلسلے میں شرح صدر نہ ہوا، مگر جب امام دارقطنی کے استدراک [illegible] حاکم [illegible] ہونے کے بعد اس کو خارج کر دینے کی بات یاد آئی تو خیال ہوا کہ ممکن ہے حاکم نے اس کی [illegible] ہو اور بعد میں خارج کر دیا ہو، لیکن بعض نسخوں میں یہ [illegible] رہ گئی ہو، اگر یہ ثابت ہو جائے تو [illegible] ہو جائیں گی، اور صورت واقعہ یہ ہوگی کہ حاکم نے اس حدیث کے بطلان سے [illegible] مگر جب ان کو اس کا باطل ہونا معلوم ہو گیا تو انہوں نے اس کو مستدرک سے [illegible] جس کی سندوں کو ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود بعض نسخوں میں یہ حدیث [illegible] شائع ہو جانے کی وجہ سے باقی رہ گئی ہو یا حاکم کے مخالفین و متعصبین نے اس کو اس میں شامل [illegible] علامہ ابن سبکی نے مخالفین کے بارے میں جس شبہ کا اظہار کیا ہے وہ بے بنیاد نہیں ہے [illegible] قلم سے ایک [illegible] نسخہ میں حدیث طیر دیکھی تو اس کو تعجب کی وجہ سے نقل کر لیا، [illegible] دوسرے لوگوں نے [illegible] اس حدیث کو نقل کیا ہو، اس طرح سے اس کو عام شہرت ہو گئی ہو، اور جن لوگوں کو حاکم کی [illegible] انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ حدیث مستدرک میں شامل ہے اور مستدرک کے بعض نسخوں میں یہ حدیث موجود تھی [illegible] سے عدم امتیاز کی بنا پر قسانہ ہو گیا، اس طرح وہ مستدرک کے متداول نسخوں میں بھی [illegible]

Marfat.com

سب سے افضل و برتر ہونا یقینی طور پر ثابت نہیں ہوتا۔

شافعیت میں غلو اور تعصب کا الزام امام حاکم شافعی المذہب تھے۔ ان کے الزامات کی فہرست میں ایک الزام یہ بھی ہے کہ ان کو اس مذہب میں بے جا غلو اور تعصب تھا لیکن اس الزام کا ان کے سوانح نگاروں نے ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کو مشہور عالم اور ندوۃ المصنفین دہلی کے سابق رفیق مولانا عبدالرشید نعمانی نے زیادہ شد و مد سے لکھا ہے۔ وہ اپنی ایک عربی تصنیف ماتمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"علامہ ابن صلاح نے ائمہ خمسہ (بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی) کے بعد جن اکابر محدثین کا ذکر کیا ہے یعنی دارقطنی، حاکم، عبدالغنی بن سعید مصری، ابونعیم اصبہانی اور ان کے بعد کے طبقہ میں ابن عبدالبر، بیہقی اور خطیب، یہ سب کے سب عبدالغنی بن سعید اور ابن عبدالبر کے علاوہ ائمہ شافعیہ میں اور ان لوگوں کو اس مذہب کے بارے میں شدید تعصب تھا۔"

حافظ ابن جوزی المنتظم میں لکھتے ہیں:۔

...... اسمعیل بن ابوالفضل قومسی اصبہانی سے یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ وہ تین محدثین کو ان کے سخت تعصب اور انصاف کی کمی کی وجہ سے ناپسند کرتے تھے، (۱) حاکم ابوعبداللہ (۲) ابونعیم اصبہانی (۳) ابوبکر خطیب، اسمعیل نے بالکل ٹھیک کہا ہے، وہ ثقہ و صدوق اور کبار محدثین میں سے ان کو رجال و متون کی اچھی اور عمدہ معرفت حاصل تھی، اور وہ بڑے متدین تھے[1]

مولانا نے آگے چل کر ان محدثین میں سے بعض کے تعصب کی مزید وضاحت کی ہے، حاکم کے متعلق یہاں صرف اتنا ہی لکھنے پر اکتفا کیا ہے، مگر حاکم کے رسالہ المدخل پر ان کا ایک مضمون ماہنامہ برہان دہلی کے کئی نمبروں میں شائع ہوا ہے، اس میں المدخل کے بعض مختصر کی توضیح و تفصیل کے علاوہ اس پر نقد و تعقب بھی کیا گیا ہے، اس مضمون کے شروع میں کسی قدر تفصیل اور تیز لہجہ میں اس الزام کا اعادہ کیا گیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

[1] ماتمس الیہ الحاجۃ بحوالہ المنتظم ج ۸

Marfat.com

"حاکم کی تصانیف کے مطالعہ کے وقت دو باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں، اولاً ان کا نقد و نظر میں
ہابل، ثانیاً تعصب، ان کا تساہل تو ایک متعارف چیز ہے، مگر تعصب پر ممکن ہے ظاہر بینوں کو یقین
ائے لیکن یہ صرف ہمارا بیان نہیں بلکہ ائمہ فن کی تصریح ہے، حافظ عبد الرحمٰن بن جوزی نے بسند
ح حافظ اسمٰعیل بن ابی الفضل قومسی کا یہ قول نقل کیا ہے ...... له المدخل میں بھی ائمہ احناف کا
ں طریقہ پر ذکر کیا ہے اس سے حافظ اسمٰعیل کے بیان کی توثیق ہو جاتی ہے۔ ضعفاء سے روایت
ے باب میں جہاں ائمہ کا نام لیا ہے، امام مالک کا ذکر اس عظمت شان کے ساتھ کیا ہے۔" وھذا
لك ابن انس امام اھل الحجاز بلا مدافعة "۔ اسی طرح امام شافعیؒ کا نام لینے کے بعد لکھتے ہیں" وھو
امام لاھل الحجاز بعد مالك "۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کے صرف نام بتانے پر اکتفا کی ہے
انچہ تحریر ہے" وھذا ابو حنیفه ثم بعدہٗ ابو یوسف یعقوب ابن ابراھیم القاضی ومحمد بن الحسن
شیبانی" اور ابو عصمہ نوح بن ابی مریم پر جو امام ابو حنیفہ کے تلامذہ میں سے ہیں اور فقہا میں خاص
تیاز رکھتے ہیں، وضع حدیث کا الزام لگایا ہے، اور ایک مجہول شخص کے بیان سے استدلال
یا ہے۔"

مذکورۂ بالا دونوں تحریروں کا تجزیہ کرنے سے حاکم کے تعصب کی دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) رسالۂ المدخل میں حاکم نے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا جس عظمت شان کے ساتھ ذکر کیا ہے اس عظمت کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ کا نہیں کیا ہے۔

(۲) حاکم نے امام ابو حنیفہؒ کے ایک شاگرد ابو عصمہ نوح بن ابی مریم پر جو فقہ میں امتیاز رکھتے تھے ایک مجہول شخص کے بیان پر اعتماد کر کے وضع حدیث کا الزام لگایا ہے۔

پہلا تجزیہ یقیناً صحیح ہے۔ المدخل میں حاکم نے ان ائمہ کا اسی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔ ؎
لیکن غالباً اس کو امام اعظم کی تنقیص اور شافعیت میں غلو و تعصب کا نتیجہ قرار دینا صحیح نہیں ہے
کیونکہ ـ

له یہ بیان پہلی تحریر میں گزر چکا ہے اس لئے اس کو یہاں حذف کر دیا گیا ہے۔ ؎ ماہنامہ برہان فروری [illegible] ؎ المدخل

(۱) امام اعظم کے بارے میں معتدل محدثین کو اگرچہ یہ پوری طرح تسلیم تھا کہ فقہ و اجتہاد میں کا پایہ نہایت بلند تھا، لیکن حدیث میں وہ ان کا پایہ زیادہ بلند نہیں مانتے تھے، بلکہ بعض کا تو یہ تک خیال ہے کہ روایت و حدیث کے معاملہ میں وہ ضعیف اور کمتر تھے[۱] یہ خیال خواہ تمام تر یا سراسر غلط فہمی پر مبنی ہو، لیکن واقعہ یہی ہے، ان کے مقابلہ میں وہ ائمہ ثلاثہ خصوصًا امام مالک اور احمد کو حدیث میں نہایت بلند پایہ اور عالی مرتبہ سمجھتے تھے، اسی لئے محدثین ائمہ ثلاثہ سے امام کے مقابلہ میں زیادہ قریب بھی ہیں اور ان کے زیادہ ہمنوا بھی، اور وہ ان ائمہ کا جس عظمت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اس عظمت کے ساتھ امام ابوحنیفہ کا نہیں کرتے لیکن محض اس بناء پر محدثین کی پوری جماعت اعظم کا مخالف و معاند اور ان آئمہ کا بے جا ہمنوا اور حمایتی نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اس لئے حاکم کا بھی ان آئمہ میں امام ابوحنیفہ کا اس عظمت شان کے ساتھ ذکر نہ کرنا جس عظمت شان کے ساتھ کرنا چاہئے در حقیقت شافعیت میں غلو اور تعصب کا نتیجہ نہیں ہے۔

(۲) حاکم عام محدثین کے برخلاف امام ابوحنیفہ کو صرف فقہ و اجتہاد ہی میں امام اور بلند سمجھتے تھے، بلکہ حدیث و روایت میں بھی ان کی اہمیت کے قائل تھے، چنانچہ یہاں بھی سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے امام مالک اور امام شافعی کی طرح ان کا اور صاحبین کا ائمہ محدثین ہی کی حیثیت سے کیا ہے، جیسا کہ ابتدا "فمن الائمة الماضين" اور صاحبین نام لینے کے بعد "وکذلک من بعدهما من ائمة المسلمين" سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کی امامت فن اور معرفت حدیث سے انکار نہیں تھا، لیکن امام شافعی اور امام مالک ناموں کے ساتھ انہوں نے جو توصیف و تکریم کا انداز اختیار کیا ہے اس کا غالبًا سبب یہ ان کو بالاتفاق محدثین کی جماعت بھی حدیث و روایت میں امام سمجھتی تھی، لیکن امام ابوحنیفہ اس سے کچھ مختلف ہے۔

حاکم کے نزدیک حدیث میں امام ابوحنیفہ کی اہمیت اور درجہ کا اندازہ خود مولانا عبدالرشید

---

[۱] اس کے متعلق مفصل بحث کے لیے راقم کا مضمون "کیا امام دارقطنی امام ابوحنیفہ سے تعصب رکھتے تھے" معارف میں ملاحظہ کیجئے۔

...ی صاحب کی اس تحریر سے بھی ہوتا ہے۔

"حاکم اپنی مستدرک میں امام ابوحنیفہ سے استشہاد بھی کرتے ہیں، اور ان کو ائمہ اسلام میں شمار کرتے ہیں، انہوں نے ان کا اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث کی انچاسویں نوع میں ان مشہور ثقہ ائمہ تابعین و تبع تابعین میں ذکر کیا ہے، جن کی حدیثیں حفظ و مذاکرہ اور تبرک کے لیے لکھی جاتی ہیں، اور جن کا مشرق و مغرب میں شہرہ ہے[1]"

(۳) حاکم شافعی المذہب تھے، اس لیے ظاہر ہے کہ ان کو غلو، جیسا کہ مولانا نے بھی لکھا ہے، مذہب میں ہوگا، لیکن یہ بھی قابل غور ہے کہ انہوں نے امام مالک کا جس عظمت شان سے نام لیا ہے، اس عظمت شان کے ساتھ امام شافعی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ایسی صورت میں ان پر کوئی الزام عائد ہو سکتا ہے، تو وہ مالکیت میں غلو کا نہ کہ شافعیت میں، حقیقت یہ ہے کہ حدیث و روایت میں امام مالک کا درجہ امام شافعی سے بڑھ کر تھا، اس لئے حاکم نے اپنے امام مذہب کے مقابلہ میں ان کا اگر زیادہ عظمت شان کے ساتھ ذکر کیا ہے تو یہ دراصل ان کے تعصب کا نہیں بلکہ انصاف پسندی کا نتیجہ ہے۔

(۴) اس عبارت میں جس طرح انہوں نے امام اعظم اور صاحبین کے ناموں کے ساتھ امام وغیرہ کا لفظ نہیں لکھا ہے، اسی طرح کتاب کے دوسرے مقامات و مباحث میں حدیث و روایت کے کئی اساطین و اکابر جیسے امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ کا صرف سادہ نام دے دیا ہے اور عموماً عربی مصنفین کا یہی قاعدہ بھی ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود یہ صحیح ہے کہ حاکم کو امام مالک اور امام شافعی کی طرح امام اعظم اور صاحبین کا بھی اسی تعریف و تکریم کے ساتھ ذکر کرنا چاہئے تھا، ممکن ہے انہوں نے ایسا کیا ہو، مگر بعد میں جب حق پسندی کی جگہ عصبیت نے لے لی ہو تو ناقلین نے اسے حذف کر دیا ہو۔

(۵) دوسرا جزو تو واقعہ کے اعتبار سے دو بھی صحیح ہے، حاکم نے ابوعصمہ کے متعلق المدخل میں

[1] ما تمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ۔

Marfat.com

[illegible] نے کہا ہے کہ :

وہ بعض لوگوں سے [illegible] کے خیال سے بھی حدیثیں وضع کیں، ان لوگوں نے خود بھی
[illegible] نے لوگوں کو فضائل اعمال کی رغبت دلانے کرنے کے لئے ایسا کیا، جیسے ابوعص
بن ابی مریم مروزی، محمد بن عکاشہ کرمانی، احمد بن عبداللہ جویباری، محمد بن قاسم طائکانی اور مامون بن
ہروی وغیرہ ...... میں نے محمد بن یونس مقری سے، انہوں نے جعفر بن احمد بن نصر سے اور ا
نے ابوعمارہ مروزی سے یہ کہتے ہوئے سُنا کہ ابوعصمہ سے کہا گیا کہ آپ کو عکرمہ کی وہ حدیث
ملی ہے جس کو انہوں نے عبداللہ بن عباسؓ سے قرآن کے فضائل کے سلسلہ میں روایت کیا
تو انہوں نے کہا کہ میں نے لوگوں کو قرآن سے بے نیاز اور روگرداں ہوکر امام ابوحنیفہ کی فق
محمد بن اسحٰق کے مغازی میں مشغول پایا تو ثواب کے خیال سے یہ حدیث وضع کر ڈالی[1]۔

مگر ابوعصمہ کے متعلق حاکم کی یہ منفرد رائے نہیں ہے، کم وبیش تمام ائمہ جرح وتعدیل نے
ان کو غیر ضابط، منکر الحدیث اور وضع وکذاب تک کہا ہے، ان کے بارے میں سب سے نر
رائے ابن عدی کی ہے، مگر وہ کہتے ہیں ہم نے ان سے جو روایتیں کی ہیں وہ سب عموماً ا
ہیں جن میں ان کی متابعت نہیں کی گئی ہے لیکن ان کے ضعف کے باوجود ان کی حدیثی
لکھی جائیں گی اور سب سے سخت رائے ابن مبارک کی ہے، وہ ان پر نکیر کرتے، ان
حدیثوں کو ناپسند کرتے اور انہیں وضعی وجعلی قرار دیتے تھے، ایک بار وکیع سے انہوں نے فرما
کہ ہمارے یہاں ایک شیخ ہیں، ان کا نام ابوعصمہ ہے، یہ اسی طرح حدیثیں وضع کرتے ہیں، ج
طرح معلی بن ہلال کرتے تھے۔

ابوعصمہ کے متعلق ذیل میں متعدد نقادانِ فن کے اقوال اور جرحیں درج کی جاتی ہی
امام احمد: وہ حدیث میں بلند پایہ نہ تھے بلکہ منکر حدیثیں بیان کرتے تھے۔

---

[1] المدخل۔ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ، نوح کا یہ بیان نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں" واین عذر او بدتر ا
است زیرا کہ احادیث صحیحہ کہ در فضائل قرآن وارد شدہ برائے ترغیب کافی بودہ" ملاحظہ ہو۔ (عجالہ نافعہ)

یحیی ابن معین :۔ نہ حدیث میں ان کی کوئی اہمیت ہے اور نہ ان کی حدیثیں لکھی جائیں گی ۔

وکیع :۔ ان کا کیا اعتبار؟ ابن مبارک ان سے روایت نہیں کرتے ۔

امام بخاری :۔ ان کی حدیثیں غیر صحیح اور وہ منکر الحدیث وذاہب الحدیث ہیں ۔

ابوحاتم :۔ دولابی، امام مسلم اور امام دارقطنی ، متروک الحدیث ۔

ابوزرعہ :۔ ضعیف الحدیث ۔

امام نسائی :۔ ابوعصمہ غیر ثقہ وغیر مامون اور ساقط الحدیث ہیں ، ان سے حدیث نہیں لکھی جائے گی ۔

جوزجانی :۔ ساقط الحدیث ۔

ابن حبان :۔ ابوعصمہ سندوں کو الٹ پلٹ دیتے تھے ، اور ثقہ لوگوں کی جانب منسوب کرکے حدیثیں بیان کرتے تھے ، وہ کسی حال میں بھی اعتبار و احتجاج کے لائق نہیں ، ان کا لقب اگرچہ جامع تھا ، مگر وہ صدق کے سوا ہر چیز کے جامع رہے ہوں گے ۔

ابن عیینہ وابوعلی نیشاپوری :۔ وہ کذاب تھے ۔

خلیلی :۔ ان کے ضعف پر محدثین کا اجماع ہے ۔

ساجی :۔ متروک الحدیث ہیں ، ان کے پاس باطل حدیثیں ہوتی تھیں ۔

ابوسعید النقاش :۔ انہوں نے موضوعات کی روایت کی ہے ۔

حافظ ذہبی وابن عماد :۔ متروک الحدیث ، ذہبی نے ان کی بعض اور واہی حدیثوں کی مثالیں بھی دی ہیں ۔

حافظ ابن حجر :۔ لوگوں نے حدیث میں ان کو کاذب قرار دیا ہے ، انہوں نے زہری اور ابن منکدر کو ضرور پایا تھا ، مگر ان سے حدیثیں بیان کرنے میں تدلیس سے کام لیتے تھے ابن مبارک نے ان کی ایک طویل حدیث کو بے اصل قرار دیا ہے ، واقعتہ اس میں وضع کے آثار وعلامات بالکل ظاہر و واضح ہیں ، ابوجعفر طبری نے اپنی تاریخ کی ابتدا میں بدء الخلق کے

سلسلہ میں اس کا ذکر کیا ہے، اور اس کی عدم صحت کی جانب اشارہ بھی کیا ہے۔

علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے حاکم کا مذکورۂ بالا بیان بلا نقد و تبصرہ نقل کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک حاکم کا بیان قابلِ اعتراض نہیں ہے۔[۱]

ائمہ جرح و تعدیل کے ان متفقہ آراء و اقوال کے بعد یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ امام حاکم نے بر بنائے تعصب نوح کو واضع حدیث قرار دیا ہے۔ اگر ان کی روایت مجہول شخص کے واسطہ سے بھی ہو تو ان آراء کی موجودگی میں اس کے صحیح ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ آخر ابن حجر اور ذہبی نے بھی تو حاکم کے بیان پر کوئی رد و کد نہیں کیا ہے، اور تو اور مولانا عبد الحلیم چشتی نے جو غالباً مولانا عبد الرشید صاحب سے قریب و متعلق ہیں، ابو عصمہ کے ضعیف و متروک ہونے کا اعتراف کیا ہے، وہ لکھتے ہیں :۔

"نوح بن ابی عصمہ نے امام زہری، ثابت بنانی، یحییٰ بن سعید انصاری اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہم سے حدیث پڑھی، اور ان سے شعبہ اور عبد اللہ بن مبارک رحمہما اللہ راوی ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ ثقہ تھے، لیکن اور محدثین کی نظر میں متروک ہیں، ان پر زہد کا بڑا غلبہ تھا .... حافظ ذہبی کتاب العبر میں لکھتے ہیں .... وہو متروک الحدیث (یہ متروک الحدیث ہیں) (فوائد جامعہ بر عجالہ نافعہ۔)

مولانا عبد الرشید صاحب نے اپنے خیال کی تائید و توثیق میں اسمٰعیل بن ابو الفضل توسی کا ایک بیان بھی نقل کیا ہے، جس کا صرف حافظ ابن جوزی جیسے متشدد شخص نے المنتظم میں خطیب بغدادی کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے، لیکن ان تمام سوانح نگاروں کے اقوال کے مقابلہ میں اس شاذ اور منفرد قول کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے؟ جنہوں نے حاکم کے مفصل ترجمے لکھے اور ان پر عائد کئے جانے والے الزامات بھی گنائے، مگر اس الزام کا ذکر تک نہیں کیا، مولانا کو چاہئے

---

[۱] ائمہ جرح و تعدیل کے ان بیانات کے لئے میزان الاعتدال ج ۳، تہذیب التہذیب ج ۱۰، تقریب التہذیب، خلاصہ تذہیب، العبر ج ۱، التاریخ الصغیر امام بخاری اور کتاب الضعفاء و المتروکین امام نسائی ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

تھا کہ وہ دیگر ائمہ اور ناقلین خصوصًا حاکم کے اساتذہ، تلامذہ اور معاصرین وغیرہ کے اقوال سے ثبوت اور سندیں پیش کرتے یا پھر احکام و مسائل میں حاکم کے غلو و تعصب کی مثالیں بیان کرتے تو ممکن ہے "ظاہر بینوں" کو بھی حاکم کے تعصب کا یقین ہو جاتا۔

مستدرک کے بعض مقامات میں حاکم نے ضرور شافعی مذہب کی تائید و حمایت کی ہے لیکن اس کا غلو و تعصب سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا، بلکہ اس طرح کے بعض مواقع پر انہوں نے امام شافعی کے بجائے بعض دوسرے ائمہ جیسے ابن خزیمہ وغیرہ سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ ظاہر ہے کسی کے اپنے فقہی مسلک کی ترجیح اور اپنے امام مذہب کی تائید کو اس کے غلو و تعصب پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

Marfat.com

امام ابوالقاسم تمام رازی

(متوفی سنہ ۴۱۴ھ)

نام و نسب تمام نام، ابوالقاسم کنیت اور نسب نامہ یہ ہے:۔ تمام بن محمد بن عبداللہ بن جعفر بن عبداللہ بن جنید[1]

ولادت، خاندان اور وطن امام ابوالقاسم تمام کا اصل آبائی وطن رے تھا لیکن اسلامی عہد میں ان کا خاندان دمشق میں آباد ہو گیا تھا۔ یہیں وہ ۳۳۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اسی لئے رازی اور دمشقی کہلاتے ہیں بجلی کی نسبت سے بھی مشہور ہیں، کیونکہ ان کے خاندان کا عرب کے مشہور قبیلہ بجیلہ سے ولا کا تعلق تھا۔ اُن کے والد بزرگوار ابوالحسن محمد بھی بلند پایہ محدث تھے[2]

اساتذہ اپنے والد ماجد کے علاوہ جن محدثین سے ان کو شرف تلمذ حاصل ہے، ان کے نام یہ ہیں۔ ابوالحسن احمد بن حزام، ابوعلی احمد بن محمد بن فضالہ، ابومیمون بن راشد، ابویعقوب اذرعی، ابوعلی حسن بن حبیب حصائری[3] خثیمہ بن سلیمان طرابلسی، محمد بن حمید حوارنی وغیرہ ابوعمرو بن العلاء[4] علی غلام سباک سے فن قرأت کی تحصیل کی تھی۔

---

[1] تاریخ ابن عساکر ج ۳ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ [3] شاہ عبدالعزیز صاحب نے حسن بن صلت حصائری لکھا ہے (بستان) [4] حافظ ذہبی نے ان کا نام علی احمد بن عثمان علام لکھا ہے۔

Marfat.com

تلامذہ ان کے تلامذہ کے نام یہ ہیں

ابوالحسن[1] [illegible] ابوعلی اہوازی، احمد بن عبدالرحمن [illegible] محمد بن [illegible] حسن بن علی اہوازی، عبدالعزیز بن احمد کنانی اور عبدالوہاب کلابی وغیرہ[2]

حفظ وضبط وہ حفظ حدیث میں بے نظیر تھے۔ ابوبکر حداد کا بیان ہے کہ حفظ و روایت میں ہم نے ان سے زیادہ جامع اور باکمال شخص نہیں دیکھا۔ عبدالعزیز کنانی فرماتے ہیں کہ اہل شام کی روایتوں کے یہ سب سے بڑے اور اچھے حافظ و ضابط تھے۔

ثقاہت۔ ان کی عدالت و ثقاہت بھی مسلم ہے۔ کتنی نے ان کا اعتراف کیا ہے۔ حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ و مامون تھے۔

علل واسماء الرجال میں مہارت علل اور رجال حدیث کے ماہر تھے۔ اہوازی کا بیان ہے کہ تمام فن حدیث میں منجملہ علل سے واقف اور رجال کی معرفت میں بڑا درخور رکھتے تھے میں نے ایسا ماہر فن نہیں دیکھا[3]

حدیث میں درجہ ان تصریحات سے حدیث میں ان کی اہمیت و عظمت کا اندازہ ہوتا ہے علمائے فن نے ان کو عارف و عالم بالحدیث اور محدث الشام وغیرہ کہا ہے۔

وفات چوراسی سال کی عمر میں ۳ محرم الحرام ۴۱۴ھ کو انتقال ہوا[4]

تصنیفات ان کی صرف ایک ہی کتاب فوائد کا نام معلوم ہو سکا ہے۔ یہ تین جزوں پر مشتمل تھی[5]

---

[1] ذہبی نے ابوالحسن کے بجائے ابوالحسین لکھا ہے (تذکرہ ج ۳) [2] تاریخ ابن عساکر ج ۲ تذکرہ ج ۳ و بستان المحدثین [3] ایضاً [4] ایضاً [5] الرسالۃ المستطرفہ

امام ابوبکر بن مردویہ الکبیر اصبہانی

(م ۴۱۶ھ)

نام ونسب احمد نام، ابوبکر کنیت اور نسب نامہ یہ ہے، احمد بن موسیٰ بن مردویہ بن ...
اپنے دادا مردویہ کے نام پر ابن مردویہ کے لقب سے معروف ...
الکبیر[1] ان کے نام کا جزو ہے، کیونکہ ان کے پوتے ابوبکر احمد بن محمد بھی ابن مردویہ کے لقب ...
مشہور ہیں، اور ان کو ابن مردویہ الصغیر کہا جاتا ہے، ابن مردویہ صغیر کی اپنے دادا ابن مردویہ ...
سے ملاقات نہیں ہوئی تھی ان کا انتقال ۴۹۸ھ میں ہوا۔

ولادت ووطن ۳۲۳ھ میں اصبہان ..... میں پیدا ہوئے[2]

اساتذہ بعض اساتذہ وشیوخ کے نام یہ ہیں:۔
ابوسہل بن زیاد القطان، احمد بن عبداللہ بن دلیل، احمد بن عیسیٰ خفاف، احمد ...
عاصم کرمانی، اسحٰق بن محمد بن علی کوفی، اسماعیل خطبی، محمد بن احمد بن علی اسواری، محمد بن عبداللہ بن ...
محمد بن علی بن دحیم شیبانی اور میمون بن اسحٰق خراسانی۔

تلامذہ ابن مردویہ کبیر کے ممتاز شاگردوں کے نام حسب ذیل ہیں:
ابوعبداللہ ثقفی، ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن مندہ، عبدالوہاب بن مندہ، ابوالخیر محمد بن ...
ابوبکر محمد بن حسن، ابومنصور محمد بن سکرویہ، ابومطیع محمد بن عبدالواحد مصری[3]

---

[1] المنتظم ج ۷، البدایہ ج ۱۲ [2] تذکرہ ج ۳ [3] ایضاً

سفر حدیث کی تحصیل اور علوم وفنون کی تکمیل کے لیے ان کے عراق وغیرہ تشریف لے جانے کا ذکر ملتا ہے۔

حدیث میں درجہ حدیث میں بلند مرتبت تھے، علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ وہ اس فن کے ممتاز ماہر اور رجال کی اچھی پرکھ رکھتے تھے، ابن عماد کا بیان ہے کہ وہ حدیث میں امام اور اس کے واقف کار تھے ان کا حفظ واتقان اور ضبط وثقاہت بھی مسلم ہے، حافظ ذہبی نے الحافظ الثبت لکھا ہے۔[1]

وفات مشہور روایت کے مطابق ۲۴ رمضان ۴۱۶ھ کو انتقال ہوا لیکن ابن اثیر ابن جوزی اور ابن کثیر نے ۴۱۰ھ سنہ وفات تحریر کیا ہے۔[2]

تصنیفات ابن مردویہ کی حسب ذیل تصنیفات کا علم ہو سکا ہے۔
(۱) المستخرج علی جامع الصحیح للبخاری۔ (۲) تفسیر ابن مردویہ (۳) تاریخ اصبہان[3]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳۔ وشذرات الذہب ج ۳ [2] تذکرۃ دبستان المحدثین [3] تاریخ ابن اثیر ج ۹ المنتظم ج ۷، البدایہ والنہایہ ج ۱۲ [4] مولانا عبدالحلیم چشتی نے غلطی سے ان کی ایک تصنیف الجامع المفترق ... کا ذکر کیا ہے، فوائد جامعہ حالانکہ یہ احمد بن عبدالرحمٰن مندویہ اصبہانی کی تصنیف ہے۔ دیکھئے کشف الظنون ج ۱

امام ابوبکر احمد بن محمّد برقانی خوارزمی

(متوفی ۴۲۵ھ)

نام ونسب احمد نام، ابوبکر کنیت اور نسب نامہ یہ ہے، احمد بن محمد بن احمد بن غالب۔

ولادت ووطن امام ابوبکر برقانی ۳۳۶ھ میں خوارزم کے نواح کے ایک گاؤں برقان میں پیدا ہوئے، اسی لئے برقانی اور خوارزمی کی نسبتوں سے مشہور ہیں، برقان دریائے جیحون کے مشرقی ساحل پر ایک زرخیز اور شاداب مقام تھا، لیکن پھر ویران ہوگیا[1] امام برقانی نے بعد میں بغداد میں سکونت اختیار کرلی اور اسی کی خاک کا پیوند ہوئے۔

اساتذہ ان کے شیوخ کی تعداد بے شمار ہے، بعض کے نام یہ ہیں:۔
ابن نحاس مصری، ابواحمد الحافظ، ابوبحر بن کوثر البربہاری، ابوبکر احمد بن ابراہیم اسماعیلی، احمد بن ابراہیم بن حباب، احمد بن جعفر بن سلمہ، ابوالعباس احمد بن محمد بن حمدان نیشاپوری، ابوبکر بن ابی الحدید، ابوبکر بن مالک قطیعی، ابومحمد بن ماسی، ابومنصور ازہری، ابوسہل بشر بن احمد، ابومحمد عبدالغنی بن سعید ازدی، مصری، عبداللہ بن احمد بن سدیق، عبداللہ بن عمر بن علک، ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی ابوعلی محمد بن احمد بن حسن بن صواف، ابوعمرو محمد بن احمد بن حمدان، محمد بن جعفر بن ہیثم بندار، ابوالفضل

---

[1] کتاب الانساب، معجم البلدان ج ۲

Marfat.com

مد بن عبداللہ بن خمیرویہ . محمد بن علی حسانی . ابو صخر محمد بن مالک السعدی ، ابو حاتم محمد بن یعقوب [1]

تلامذہ

ان کے تلامذہ میں ابو اسحٰق شیرازی ، امام بیہقی اور خطیب جیسے مشاہیر شامل ہیں .
چند اور شاگردوں کے نام یہ ہیں :-

ابو طاہر احمد بن حسن کرجی ، ابو عبداللہ صوری ، ابو الفضل بن خیرون ، ابو القاسم بن ابو العلاء ، ابو المعالی
بت بن بندار مقری ، ابو مسعود سلیمان بن ابراہیم الحافظ ، ابو یعلی محمد بن احمد العبدی ، البصری . ابو الفضل محمد
ن عبدالسلام شافعی انصاری[2] ، رحلت و سماع حدیث کی ابتداء ۳۵۰ھ کے بعد انہوں نے حدیث کے
ع کی ابتدا کی اور اس کے بعد بغداد ، جرجان ، ہرات ، دمشق ، مصر ، اسفرائین ، مرو اور نیشاپور وغیرہ
رحلت لے گئے . اور ان مقامات کے اکابر شیوخ سے کسب فیض کیا . علم وفن کے اس قدر
دلدادہ تھے کہ اس کے لیے ہر قسم کی صعوبت اور مشقت برداشت کرتے تھے . اسفرائن میں صرف
ب درہم ان کے پاس تھا . اسی پر پورا مہینہ گذار دیا ، اور تین جزکے بقدر حدیثیں لکھیں[3]

حفظ وثقاہت

امام برقانی احادیث کے حافظ اور نہایت عادل و ضابط شخص تھے
خطیب کا بیان ہے کہ وہ ثقہ ، متورع ، متقن متثبت اور ذی فہم تھے
ہمارے شیوخ میں ان سے زیادہ ثقہ و ثابت شخص کوئی اور نہیں تھا . میں نے ازہری سے دریافت
یا کہ کیا آپ نے برقانی سے بڑھ کر متقن کسی شخص کو دیکھا ہے ؟ انہوں نے جواب دیا نہیں ابو ولید
جی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ حافظ تھے . ذہبی ، ابن عساکر ، ابن سبکی ، اسنوی اور ابن عماد وغیرہ
نے ان کو الحافظ ، الکبیر اور الحافظ الامام وغیرہ لکھا ہے[4]

فن حدیث میں امتیاز اور اس سے معمولی اشتغال

امام برقانی نے اس فن کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنالیا
تھا . ان کا خود بیان ہے کہ مجھ کو اس فن سے
اس قدر غیر معمولی لگاؤ ہو گیا تھا . کہ اور چیزوں کی

---

[1] تاریخ بغداد ج ۴ ، کتاب الانساب ورق ۵ ، وتذکرۃ الحفاظ ج ۳ والطبقات الکبری ج ۰ [2] تذکرہ ج ۳ و الانساب سمعانی
[3] تذکرہ ج ۳ والانساب سمعانی والعبرج ۳ [4] و [5] حوالجات سابق

Marfat.com

طرف دھیان دینے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ اسی لئے ان کا کتب خانہ حدیث کی کتابوں کا دفتر بن گیا تھا۔ اور ان کو بے شمار حدیثیں بھی ازبر تھیں۔ خطیب کا بیان ہے کہ وہ کثیر الحدیث تھے۔ اس سے اس فن میں ان کی عظمت اور بلند پائیگی کا اندازہ ہوتا ہے، تمام مؤرخین نے حدیث میں ان کی فہم و بصیرت، ژرف نگاہی اور علم و نظر کی وسعت کا اعتراف کیا ہے خطیب کا بیان ہے کہ برقانی حدیث کی اچھی فہم و بصیرت رکھتے تھے، ابن عساکر اور سمعانی کا بیان ہے کہ وہ حدیث کی فہم و معرفت میں ممتاز تھے، ابواسحٰق شیرازی فرماتے ہیں کہ جب اس فن کی جانب متوجہ ہوئے تو اس کے امام بن گئے، ذہبی نے ان کو شیخ بغداد اور شیخ المحدثین کا لقب دیا ہے، ازہری کا بیان ہے کہ برقانی امام حدیث ہیں اور ان کی وفات کے بعد اس فن کی عظمت شان باقی نہیں رہے گی[1]

تفسیر و قرآنیات | قرآن مجید کے حافظ اور علوم قرآنی کے واقف کار تھے[2]

فقہ | فقہ کے ماہر اور ممتاز فقیہ تھے، حدیث سے پہلے اس فن کی تحصیل شروع کی تھی اس موضوع پر بعض کتابیں بھی لکھیں، خطیب نے عارف بالفقہ ابن کثیر نے عالم بالفقہ ذہبی نے شیخ الفقہا، لکھا ہے، ابوبکر اسماعیلی اپنے پاس آنے والے طلبہ کے سامنے ایک ورق خود پڑھنے کے بعد ان سے پڑھواتے تھے، لیکن برقانی کے سامنے دو ورق پڑھتے اور فرماتے کہ تم لوگوں پر ان کو اس لئے ترجیح دیتا ہوں کہ یہ فقیہ بھی ہیں۔ فقہ و اجتہاد میں شافعی کے مذہب سے وابستہ تھے[3]

نحو و عربیت | وہ عربی ادب اور علم نحو میں اچھی دسترس رکھتے تھے[4]

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۲ [2] تاریخ بغداد ج ۴، تاریخ ابن عساکر ج ۱، و تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و طبقات الشافعیہ ج ۳ [3] ایضاً [4] تاریخ بغداد ج ۴

Marfat.com

شعروسخن شعر وسخن کا ذوق تھا، اور کبھی کبھی اشعار کہتے تھے خطیب نے ان کے آٹھ اشعار نقل کئے ہیں[1] ان سے ان کے حدیث سے اشتغال ومناسبت کا پتہ چلتا ہے۔

ورع وتقویٰ ان گوناگوں علمی کمالات کے ساتھ ہی وہ نہایت متدین اور بڑے عبادت گذار بھی تھے، خطیب کا بیان ہے کہ وہ صاحب ورع وتقویٰ تھے، میں نے محمد بن یحییٰ کرمانی فقیہ سے سنا ہے کہ محدثین کی جماعت میں برقانی سے زیادہ عبادت کرنے والا نہیں دیکھا۔ ابن سبکی فرماتے ہیں کہ وہ مجموعہ فضائل اور عابد شخص تھے[2]

وفات یکم رجب ۴۲۵ھ کو بدھ کے دن انتقال ہوا۔ اور پنجشنبہ کو تدفین ہوئی۔ ابوعلی بن ابی موسیٰ ہاشمی نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور بغداد کے مقبرہ جامع باب حرب کے قریب دفن کئے گئے۔

محمد بن علی صوری کا بیان ہے کہ میں برقانی کی وفات سے چار روز پہلے ان کی عیادت کے لئے گیا تو انہوں نے کہا آج ۲۶ جمادی الاخریٰ ہے۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ رجب کا چاند ہونے کے بعد میرا خاتمہ ہو۔ کیونکہ ایک روایت میں ہے (ان للہ عتقاء من النار) ممکن ہے اللہ کی رحمت سے میں بھی اس زمرہ میں شامل ہو جاؤں۔ یہ بات انہوں نے سنیچر کو کہی تھی اور اللہ کی شان دیکھئے کہ بدھ کو رجب کا چاند ہونے کے بعد ان کا انتقال ہوا[3]

تصنیفات برقانی نے علم حدیث میں کئی مفید کتابیں لکھیں، تذکرہ نگاروں نے ان کو کثیر التصانیف بتایا ہے۔ اور لکھا ہے کہ وفات کے وقت

---

[1] تاریخ بغداد ج ۴ [2] ایضاً [3] تاریخ بغداد ج ۴

Marfat.com

تک وہ تصنیف و تالیف اور علمی اشغال میں منہمک رہے۔ ان کی تصنیفات میں مسند مشہور ہے۔ جو مسند خوارزمی کہلاتی ہے۔ مسند خوارزمی دراصل صحیحین کی حدیثوں پر مشتمل اور مستخرج ہے[1]۔ حمیدی نے اپنی الجمع بین الصحیحین کے نقل میں اس کی حدیثوں پر اعتماد کیا ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ۱۱۰۸ھ کا لکھا ہوا دارالعلوم اسلامیہ پشاور کے مکتبہ میں اور ایک امام یحییٰ بن ناصر کے ہاتھ کا لکھا ہوا جرمنی کے کتب خانہ میں ہے[2]۔

مسند کے علاوہ انہوں نے امام ثوری، شعبہ، ایوب، سعید، عبداللہ بن عمرو، عبدالملک بن عمیر بیان بن بشر اور مطر الوراق کی حدیثوں کے جمع و تالیف کا کام بھی انجام دیا[3]۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۲ و الرسالۃ المستطرفہ و لباب المعارف فہرست دارالعلوم پشاور، مقدمہ تحفۃ الاحوذی

[2] تاریخ بغداد و تاریخ ابن عساکر و تذکرہ ذہبی۔

Marfat.com

امام ابونعیم اصفہانی

(متوفی سنہ ۴۳۰ھ)

نام ونسب احمد نام، ابونعیم کنیت اور نسب نامہ یہ ہے: احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحٰق بن موسیٰ بن وائل بن مہران۔

ولادت رجب سنہ ۳۳۶ھ میں اصبہان میں پیدا ہوئے، ایک روایت سنہ ۳۳۴ھ کی بھی ہے۔

خاندان گو عجم نژاد تھے تاہم ان کے خاندان کو خانوادۂ نبوت سے ولاء کا شرف حاصل ہے ان کے جد اعلیٰ مہران کو اس خاندان میں سب سے پہلے مسلمان ہونے کا فخر حاصل ہوا، یہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب کے مولیٰ تھے۔ ابونعیم کے والد عبداللہ علم و فن کے بڑے دلدادہ تھے، انہوں نے اپنے فرزند کو نہایت کم سنی ہی میں تحصیل علم اور سماع حدیث کے مقدس اور بابرکت مشغلہ میں لگا دیا تھا، چنانچہ ۳۴۴ھ میں ابونعیم نے جبکہ سات یا آٹھ ہی سال کے تھے، احادیث کا باقاعدہ سماع شروع کر دیا تھا۔ ان کے نانا محمد بن یوسف بناء مشہور زاہد اور ممتاز صوفی تھے[1]

[1] تاریخ ابن خلکان ج ۱، تذکرۃ الحفاظ ج ۳، طبقات الشافعیہ ج ۳

اساتذہ ابونعیم کے اساتذہ اور تلامذہ دونوں کی فہرست بڑی طویل ہے، ارباب سیر کا بیان ہے کہ انہوں نے بے شمار فضلاء سے اور بے شمار فضلاء نے ان سے استفادہ کیا تھا۔ حافظ ذہبی ان کے چند شیوخ کا نام گنانے کے بعد لکھتے ہیں۔

وخلائق بخراسان والعراق فاکثر وتهيأ له من لقی الکبار مالم يقع للحافظ[1]

(ان کے علاوہ) انہوں نے خراسان وعراق کے بے شمار لوگوں سے کسب فیض کیا، حقیقت یہ ہے کہ ان کو جس قدر اکابر شیوخ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اس سے اور محدثین محروم ہیں۔

ابونعیم کو یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ چھ سال کی عمر ہی میں بعض مشہور و معتبر محدثین نے تبرکاً ان کو اجازت حدیث مرحمت کر دی تھی[2] حافظ ذہبی اور علامہ ابن سبکی نے لکھا ہے، کہ شام کے خیثمہ بن سلیمان، بغداد کے جعفر خالدی اور ابوسہل بن زیاد، واسط کے عبداللہ بن عمر بن شوذب اور نیشاپور کے ابوالعباس اصم نے ان کو اجازت عطا کی تھی[3]

ان حضرات کے علاوہ ابونعیم نے مندرجۂ ذیل شیوخ سے بھی روایت کی ہے۔

ابراہیم بن عبداللہ ابوالعریم کوفی، ابواحمد بن محمد بن غسان، ابوبحر بن کوثر، ابوبکر آجری ابوبکر جعانی، ابوبکر بن خلاد نصیبی، ابوبکر بن ہیثم بندار، ابوالشیخ بن حیان، ابوعلی بن صواف ابوالقاسم طبرانی، ابومحمد بن فارس، احمد بن بندار عشار، احمد بن حسن مکی، احمد بن محمد قصار، احمد بن معبد سمسار حبیب قزاز، عبداللہ بن جعفر جابری، عبداللہ بن حسن بن بندار فاروق بن عبدالکبیر خطابی[4]

تلامذہ معاصرین واقران کے علاوہ ان کے تلامذہ کی فہرست میں بے شمار ایسے لوگ بھی تھے جو سن وسال میں ان سے بڑے اور مدتوں پہلے فوت ہوئے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد۳ [2] بستان المحدثین [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ وطبقات الشافعیہ جلد۳ [4] ...

Marfat.com

تھے، ابوعبدالرحمن سلمی نے جو اکابر صوفیہ میں اور ابونعیم سے معمر تھے، طبقات الصوفیہ میں ایک شخص کے واسطہ سے ان سے روایت کی ہے، چند تلامذہ کے نام ملاحظہ ہوں۔

ابوبکر خطیب (یہ نہایت مخصوص تلامذہ میں تھے) ابوبکر بن علی ذکوانی، ابوسعید مالینی، ابوصالح موذن، ابوعلی المقری، ابوعلی دشتی، ابوالفضل احمد الحداد، ابوعلی حسن بن احمد حداد، سلیمان بن ابراہیم، قاضی عبدالسلام بن احمد کوشیار بن لیالیروز جیلی، ابوبکر محمد بن ابراہیم عطار، ابومنصور محمد بن عبداللہ شرذطی، ابوسعید محمد بن محمد بن مطرز، ہبۃ اللہ بن محمد شیرازی، یوسف بن حسن تفکری[1]

رحلت وسفر ان کے شیوخ مختلف اسلامی ملکوں اور شہروں سے تعلق رکھتے تھے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے عراق، حجاز، خراسان، شام، بغداد، واسط، نیشاپور، مکہ، بصرہ اور کوفہ وغیرہ کا سفر کیا ہوگا۔

حفظ وضبط اور ثقاہت ابونعیم کے حفظ وضبط اور ثقاہت وعدالت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤرخین اور ارباب سیر نے ان کو الحافظ المشہور، الحافظ الکبیر اور من اکابر الحفاظ الثقات وغیرہ لکھا ہے، خطیب کا بیان ہے کہ ابونعیم اور ابوحازم عبدوی ہی کے لئے حافظ کا لفظ مطلقاً بولا جا سکتا ہے۔ ابن مردویہ فرماتے ہیں کہ اس وقت روئے زمین پر ابونعیم سے بڑا حافظ ومسند کوئی نہیں وہ حافظ الدنیا ہیں، ابن سبکی تحریر فرماتے ہیں کہ وہ حفظ وضبط میں مرتبۂ کمال پر فائز تھے[2]

ابونعیم صدق وثقاہت میں بھی بلند پایہ تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ان کے بارے میں جو کچھ کلام کیا گیا ہے، اس کی کوئی دلیل اور بنیاد نہیں بلکہ اس کی تمام تر وجہ وہ مخاصمت ہے، جو ان کے اور ابن مندہ کے درمیان تھی[3]

حدیث میں درجہ ومرتبہ وہ فن حدیث میں بڑا درجہ رکھتے تھے، علمائے سیر نے ان کو محدث العصر اور من اعلام المحدثین والرواۃ کے لقب سے موسوم کیا ہے۔ ابن نجار کا بیان ہے کہ وہ محدثین کے سرتاج اور اعلام دین میں تھے "حدیث کی جمع وروایت کی طرح اس کی معرفت و روایت میں بھی شہرت وامتیاز رکھتے تھے۔ ابن سبکی کا بیان ہے کہ " وہ ان ممتاز لوگوں میں تھے،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ وطبقات الشافعیہ ج ۳ [2] ایضاً وتاریخ ابن خلکان ج ۱ [3] میزان الاعتدال ج ۱

جن کو اللہ تعالیٰ نے روایت میں علو کے ساتھ درایت میں بھی حد کمال پر فائز کیا تھا، حافظ
لکھتے ہیں " وہ علوئے اسناد، حفظ حدیث اور جملہ فنون حدیث میں متبحر کے لحاظ سے پوری د
ممتاز تھے"۔ ابن عساکر فرماتے ہیں کہ "ابونعیم جمع و معرفت حدیث میں یکتا اور فضائل و کمالات کا مجموعہ تھ

فقہ و تصوف میں بلند پائیگی

حدیث کے علاوہ فقہ و تصوف میں بھی جامع کمال تھے،
مسلکاً شافعی تھے۔ تصوف و سلوک سے ان کی دلچسپی خاندانی تھی، ان کے نانا محمد بن یوسف کے م
پہلے گذر چکا ہے کہ وہ مشہور اہل اللہ اور اکابر صوفیا میں تھے، ابونعیم کو بھی اس میں کمال حاصل تھ
اس پر ان کی شہرۂ آفاق کتاب حلیۃ الاولیا شاہد ہے۔

عقیدہ

عقائد میں اشاعرہ کے ہمنوا تھے، حافظ ابن عساکر نے تبیین میں دوسرے طبقہ میں ان کا
کیا ہے، حافظ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ وہ اشعری مذہب کی جانب شدید میلان رکھتے تھے

شہرت و مقبولیت اور مجلس درس کی وسعت

ابونعیم کے علمی کمالات اور غیر معمولی فنی شہرت
ان کی ذات کو مرجع خلائق بنا دیا تھا اس
ان کی مجلس درس بڑی وسیع تھی، لوگ دور دراز کا سفر کرکے ان کے پاس آتے، طلبہ کا جم غفیر ہر وقت
استفادہ کے لئے موجود رہتا تھا، ہمعصر لوگوں کے علاوہ وہ لوگ بھی ان سے استفادہ کرنے کے لئے
آتے تھے، جو عمر میں ان سے بڑے تھے، ابن مردویہ کا بیان ہے کہ وہ ان فضلائے روزگار
تھے جن کے پاس لوگ قصد و ارادہ سے سفر کرکے آتے اور مستفید ہوتے تھے، شاہ عبدالعزیز صا
لکھتے ہیں کہ جب ان کی مجلس درس آراستہ ہوتی تو ارباب فن اور محدثین عجز و نیاز کے ساتھ ان
دولت کدہ پر حاضر ہو کر بڑی رغبت اور مکمل انہماک کے ساتھ اکتساب فیض کرتے تھے کیونکہ ان
علوئے اسناد جودت حفظ اور وفور علم کا چرچا تھا۔
درس کا سلسلہ صبح سے شروع ہو کر ظہر کے وقت تک جاری رہتا تھا، اور مجلس درس ہمیشہ ط

لہ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و طبقات الشافعیہ جلد ۳ و تبیین کذب المفتری العبر ج ۳ ؎ طبقات الشافعیہ جلد ۳
؎ تبیین کذب المفتری ؎ المنتظم ج ۸

مستفیدین سے معمور رہتی تھی، روزانہ باری باری ایک شخص قرأت کرتا تھا۔ ظہر کے وقت جب مجلس برخاست ہوتی اور وہ گھر آنے لگتے تو شائقین راستے میں بھی ایک جزء کے بقدر پڑھ لیتے تھے، اس سے ان کو کوئی آزردگی اور ناگواری نہیں ہوتی تھی، کیونکہ علم حدیث سے ان کا اشتغال اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ بقول حافظ ذہبی۔

لم یکن له غذاء سوی التسمیع والتصنیف[1] حدیث سننا سنانا اور ان کی جمع و تالیف ہی ان کی غذا تھی۔

ابونعیم کے خلاف شورش و ہیجان

اس زمانہ میں حنابلہ کا زور و اثر بہت بڑھ گیا تھا، ان کی تخت گیری اور تشدد کے بعض واقعات بھی تاریخوں میں مذکور ہیں۔ ان کے اور اشاعرہ کے درمیان سخت کشمکش اور آویزش رہتی تھی، اوپر گذر چکا ہے کہ ابونعیم کا میلان اشعریت کی جانب تھا، اس کے نتیجہ میں ان کے خلاف شورش و ہنگامہ برپا ہوا، اور ان کو شدائد و محن سے دوچار ہونا پڑا، محمد بن عبد الجبار فرسانی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ابوبکر بن ابو علی معدل کی مجلس درس میں ایک شخص نے کہا کہ ابونعیم کی صحبت میں جانے والوں کو یہاں سے اٹھ جانا چاہئے، کیونکہ وہ اپنے اعتقادات کی وجہ سے ان لوگوں میں غیر مقبول اور مبغوض تھے۔

ابونعیم کے خلاف اس قدر ہیجان برپا ہو گیا تھا کہ اہل اصفہان نے ان کا جامع مسجد میں داخلہ تک بند کر دیا تھا، حنابلہ کی شدت پسندی کے علاوہ اس کا یہ سبب بھی ہو سکتا ہے کہ ابونعیم کے فضل و کمال اور غیر معمولی شہرت و مقبولیت نے ان کی ذات کو محسود و مبغوض بنا دیا ہو۔

وفات

۹۴ سال کی عمر میں محرم الحرام ۴۳۰ھ[2] میں انتقال کیا، ابن خلکان نے محرم کے بجائے صفر کا مہینہ لکھا ہے، تاریخ وفات ۱۸، ۲۰، اور بعض نے ۱۲ محرم الحرام لکھی ہے، ظہر کے بعد تجہیز و تکفین ہوئی تھی[3]

تصنیفات

ابونعیم سے بے شمار کتابیں یادگار ہیں، جن کتابوں کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں:
(۱) کتاب الاربعین (۲) تثبیت الرؤیا (۳) جزء فضل سورة الاخلاص (۴) کتاب حرمة المساجد (۵) رسائل مختصرہ (۶) ریاضة المتعلمین یا ریاض المتعلم (۷) کتاب الریاضة والادب (۸) کتاب صفة الجنة

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳، و بستان المحدثین [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و طبقات الشافعیہ ج ۳ [3] البدایۃ و تاریخ ابن خلکان

(۹) کتاب الطب یا کتاب الطب النبوی (۱۰) طرق حدیث (ان للہ تسعا وتسعین اسما) (۱۱) عمل الیوم واللیلۃ[۱] (۱۲) کتاب الفتن[۲] (۱۳) کتاب فضائل الخلفاء (۱۴) کتاب فضائل الصحابہ (۱۵) فضل السواک،
(۱۶) کتاب فضل العالم العفیف (۱۷) کتاب الفوائد (۱۸) کتاب مختصر الاستیعاب (۱۹) کتاب المستخرج علی البخاری
(۲۰) کتاب المعتقد (۲۱) کتاب معرفۃ الصحابہ۔

(۲۲) کتاب معجم الشیوخ: تین ضخیم جلدوں پر مشتمل تھی۔

(۲۳) کتاب معجم الصحابہ: حافظ ابن کثیر کے پاس اس کا ایک نسخہ خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا[۳]

(۲۴) کتاب علوم الحدیث: حاکم کی اصول حدیث میں مشہور تصنیف کتاب معرفۃ علوم الحدیث پر مستخرج ہے۔

(۲۵) کتاب المستخرج علی التوحید: علامہ ابن خزیمہ کی مشہور کتاب التوحید والصفات پر مستخرج ہے۔

(۲۶) کتاب المہدی: اس میں امام مہدی کے اوصاف وخصائص اور ان کے خروج کی حقیقت وغیرہ کا ذکر ہے، حافظ ابن قیم کی بھی اس نام کی ایک کتاب ہے[۴]

(۲۷) کتاب تاریخ اصبہان: اصبہان کی تاریخ میں کئی کتابیں لکھی گئی ہیں، یہ ان سب میں زیادہ اہم اور مشہور سمجھی جاتی ہے، اس کے قلمی نسخے مکتبہ شیخ الاسلام مدینہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد مکتبہ سندیہ اور کتب خانہ رام پور میں موجود ہیں، رام پور کا مخطوطہ مکتبہ سندیہ کے مخطوطہ سے منقول ہے[۵]

یہ غیر مطبوعہ کتابوں کے نام تھے، ذیل میں مطبوعہ کتابوں کا مختصر تعارف اور ان کی خصوصیات درج ہیں

(۲۸) دلائل النبوۃ: اس کتاب میں وہ تمام واقعات وروایات سنداً بیان کی گئی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص وکمالات اور فضائل ومکارم نیز دلائل نبوت اور معجزات

---

[۱] امام نسائی اور ان کے شاگرد ابن سنی کی بھی اس نام کی کتابیں ہیں [۲] کتاب الفتن والملاحم کے نام سے امام ابو عبداللہ نعیم بن حماد خزاعی کی کتاب بہت مشہور ہے۔ [۳] البدایہ والنہایہ ج ۱۲
[۴] روضات الجنات، کشف الظنون ج ۲ [۵] تذکرۃ النوادر

Marfat.com

وغیرہ سے متعلق ہیں، پہلے قرآن مجید کی روشنی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و خصوصیات بیان کئے گئے ہیں اور تائید میں روایات بھی پیش کی گئی ہیں، پھر آپ کے حسب و نسب کی فضیلت اور قدیم کتابوں اور انبیاء کے صحیفوں میں آپ کے بارے میں جو پیشنگوئیاں ہیں ان کا ذکر کیا گیا ہے اس کے بعد آپ کی ولادت سے وفات تک کے تمام حیرت انگیز واقعات اور معجزات اور آپ کی پیشنگوئیوں اور امور غیب سے متعلق خبروں کا مفصل ذکر ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید اور خود آپ کی پاکیزہ زندگی اور عمدہ سیرت و اخلاق تھے۔ ان دونوں کی حیرت انگیز تاثیر نے بے شمار لوگوں کے قلوب کو مسخر کرکے ان کو حلقہ بگوش اسلام کر دیا تھا، امام ابونعیم نے اس طور پر ایمان لانے والے متعدد افراد کے مکمل واقعات تحریر کئے ہیں، اس حیثیت سے یہ صرف دلائل و معجزات نبوی ہی کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ عہد نبوی سے مختلف النوع اہم واقعات و حالات اور بعض غزوات و سرایا کا مکمل مرقع بھی ہے، مصنف نے بعض واقعات کی تفصیل اور ان کے دلائل کی نوعیت وغیرہ بھی بیان کر دی ہے اور بعض شبہات و اشکالات کو بھی رفع کیا ہے، آخر میں بعض مشہور انبیائے کرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا تقابلی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے، اس میں بعض جلیل القدر انبیاء کے خاص اور اہم معجزات کا تذکرہ کرنے کے بعد دکھایا گیا ہے کہ آنحضور صلعم کو بھی اسی نوعیت کے معجزات عطا کئے گئے تھے۔

گو فنی حیثیت سے اس کی تمام حدیثوں اور روایتوں کا معیار یکساں نہیں ہے، تاہم ان کا شمار معتبر کتابوں میں ہوتا ہے، اور اس کے اکثر اہم واقعات حدیث و سیر کی کتابوں میں بھی موجود ہیں۔

دلائل النبوۃ کا پہلا ایڈیشن ۱۳۲۰ھ میں اور دوسرا زیادہ جامع اور مکمل صورت میں ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہوا ہے اس کی ترتیب و تصحیح میں بعض قلمی نسخوں کے علاوہ حدیث، سیرۃ تاریخ اور اسماء الرجال کی مشہور کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے۔

۲۹ حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء | یہ ابونعیم کی سب سے مشہور و مقبول عمدہ اور بے نظیر کتاب ہے، علامہ ابن خلکان نے اس کو بہترین اور صاحب کشف الظنون نے عمدہ اور معتبر کتاب

Marfat.com

بتایا ہے، حافظ سلفی کا بیان ہے کہ ایسی عمدہ کتاب نہیں لکھی گئی، علامہ ذہبی نے اس کو عدیم النظیر کتاب بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ مصنف کی زندگی ہی میں اس کو پوری شہرت اور غیر معمولی حسن قبول و اعتبار حاصل ہوگیا تھا۔ اور یہ اسی زمانہ میں جب نیشاپور پہنچی تو لوگوں نے چار سو دینار میں اسے خریدا، شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں کہ اسلامیات میں ایسی نادر اور بے مثال کتاب نہیں لکھی گئی۔ حافظ ابن کثیر کا بیان ہے کہ اس سے مصنف کی وسعت نظر ان کے شیوخ کی کثرت اور مخارج وطرق حدیث سے پوری واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ طبقات صوفیہ میں یہ نہایت اہم اور عمدہ کتاب ہے اس سے پہلے جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کو ایسی شہرت وقبولیت نصیب نہیں ہوئی بعد کی کتابوں میں حافظ ابن جوزی کی صفوۃ الصفوہ گو اہم اور مشہور کتاب ہے لیکن دراصل اس کی بنیاد و ماخذ یہی ہے۔

حلیۃ الاولیاء میں ان صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین اور مابعد کے ائمہ اعلام ومتقین کا ذکر ہے جو زہد ونسک اور معرفت وتصوف میں ممتاز اور صاحب کمال تھے، مصنف نے ان بزرگوں کے فضائل ومناقب خصوصاً ان کے زہد ونسک سے متعلق واقعات وحکایات جمع کرکے ان کا تصوف میں درجہ ومرتبہ بھی دکھایا ہے، اور ان سے مروی حدیثیں اور ان کے عارفانہ اقوال وملفوظات بھی درج کئے ہیں، پہلے خلفائے اربعہ اور عشرہ مبشرہ اور ان کے بعد دوسرے عارف وزاہد صحابۂ کرام کا تذکرہ ہے، پھر اصحاب صفہ اور عابدہ وزاہدہ صحابیات کا علیحدہ علیحدہ ذکر ہے صحابہ کے بعد تابعین وتبع تابعین وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے، شروع میں ایک مقدمہ ہے، اس میں اولیاء اللہ کے فضائل ومحامد، ان کے اوصاف وکمالات اور تصوف کی حقیقت وغیرہ پر لطیف بحث ہے، اصحاب فن نے اس کے طول اسناد، روایات وحکایات کے تکرار اور موضوع سے غیر متعلق بعض چیزوں کے ذکر کئے جانے پر نقد کیا ہے[۱] اس میں امام ابوحنیفہؒ کا تذکرہ شامل نہ کئے جانے کی وجہ سے ان پر تعصب کا الزام عائد کیا گیا ہے، علاوہ ازیں یہ صحیح، حسن، ضعیف اور بعض

---

[۱] کشف الظنون ج ۱

نوع روایتوں پر بھی مشتمل ہے (مستطرفہ)۔

حلیۃ الاولیا، کی اہمیت اس سے بھی ظاہر ہے کہ بعد میں لکھی جانے والی اکثر کتابوں کا ماخذ ہے اور اس کے زوائد و مختصرات بھی لکھے گئے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

(۱) ابوالحسن نورالدین ہیثمی نے حدیث کی متعدد کتابوں کی طرح اس کے زوائد بھی ایک ضخیم میں جمع کئے تھے[۱]

(۲) ابوالفرج عبدالرحمن بن علی جوزی (م ۵۹۷ھ) نے صفوۃ الصفوہ کے نام سے اس کا نہایت اختصار اس طرح کیا ہے کہ وہ مستقل کتاب ہوگئی ہے۔ اس میں انہوں نے ابونعیم پر نقد و تعقب بھی ہے اس کی شہرت تعارف سے مستغنی ہے۔ اس کا بھی احاسن المحاسن کے نام سے اختصار کیا گیا تھا[۲]

(۳) محمد بن حسن شافعی (م ۷۶۶ھ) نے مجمع الاخبار فی مناقب الاخیار کے نام سے اختصار کیا۔ اس میں نہ حلیہ کی طرح زیادہ طوالت ہے اور نہ صفوہ کی طرح زیادہ اختصار۔ اس کی ترتیب میں حلیہ کا تتبع کیا گیا ہے، اور بعض تراجم کا اضافہ بھی ہے۔

ابن مرزوق اور ابوالمعالی سعد بن علی وراق خطیری (م ۵۲۸ھ) نے بھی مختصرات لکھے تھے[۳]

ابونعیم پر بعض اعتراضات

امام ابونعیم پر بعض اعتراضات بھی کئے گئے ہیں۔ گو یہ زیادہ اہم نہیں ہیں، تاہم ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان پر سب سے اہم اعتراض تساہل کا عائد کیا گیا ہے خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ "میں ان میں تساہل کی بعض چیزیں پاتا ہوں، جیسے اجازت کے سلسلے میں ان کا تساہل اور مسموع کو مجاز سے ممیز و واضح نہ کرنا" عبدالعزیز بخشی کا بیان ہے کہ "ابوبکر بن خلاد سے حارث بن ابی اسامہ کی مکمل مسند کا سماع نہ کرنے کے باوجود وہ اس کے تمام حصوں کی روایت کرتے تھے[۴] حافظ ذہبی نے ان بیانات کا جائزہ لے کر ان کی مکمل تردید کی ہے[۵]

---

[۱] تدریب الراوی، المستطرفہ ص ۱۴۱ [۲] کشف الظنون ج ۱ [۳] کشف الظنون ج ۲ [۴] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ المنتظم ج ۸، البدایہ والنہایہ ج ۱۲ [۵] تذکرۃ الحفاظ ج ۳

(۲) ابونعیم پران کے معاصر اور بلند پایہ محدث امام ابوعبداللہ بن مندہ نے سخت تنقیدیں کی ہیں، لیکن محدثین اور علمائے فن نے ان کو معاصرت پر جو منافرت کی اصل بنیاد ہے، محمول کرکے ان کو ناقابل اعتنا قرار دیا ہے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں :۔

" ان دونوں بزرگوں میں باہم رنجش تھی، اس لئے ابونعیم پر ابن مندہ کی تنقید لائق التفات نہیں ہوسکتی، وہ ان علمائے اعلام اور ثقہ ومعتبر لوگوں میں تھے جن پر دلیل وحجت کے بغیر ہی کلام کیا گیا ہے، غالباً ابن مندہ کی تنقید کی وجہ یہ ہے کہ خود ابونعیم نے بھی ان پر تنقید کی ہے[1] "

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں :۔

" گو ابن مندہ کے اعتراضات نہایت سخت ہیں مگر ان میں دونوں میں سے کسی کی بات بھی دوسرے کے حق میں قابل قبول نہیں ہوسکتی، دونوں کے اعتبار ووثوق میں کلام نہیں لیکن معاصرین کی ایک دوسرے پر نکتہ چینی قابل اعتنا نہیں ہوتی، کیونکہ وہ حسد وعداوت پر مبنی ہوتی ہے، انبیاء وصدیقین کے علاوہ کسی زمانہ کے لوگ بھی اس فتنہ سے محفوظ نہیں رہے :۔

ربنا لا تجعل فی قلوبنا غلا	خداوند تو ایمان والوں کے لئے ہمارے دلوں
للذین امنو ربنا انک	میں کھوٹ نہ بنائیو، خداوند تو بڑا مہربان اور
رؤف رحیم[2]	رحم کرنے والا ہے۔

(۳) صاحب روضات الجنات نے شیعیت کو بھی ان کی جانب منسوب کیا ہے[3]، لیکن اس میں وہ منفرد ہیں، علاوہ ازیں وہ خود بھی اسی مسلک سے وابستہ تھے، اس لئے ان کا بیان صحیح نہیں ہوسکتا، ابونعیم کی کتابوں سے بھی اس کی کوئی تصدیق نہیں ہوتی۔

---

[1] میزان الاعتدال ج ۱ [2] لسان المیزان ج ۱ [3] روضات

ابو محمد حسن خلال

(م ۴۳۹ھ)

نام و نسب | حسن نام، ابو محمد کنیت اور خلال لقب ہے۔ نسب نامہ یوں ہے: حسن بن محمد بن حسن بن علی[1]

ولادت | ۳۵۲ھ میں پیدا ہوئے۔

وطن | دارالسلام بغداد کو ان کے مولد و منشا ہونے کا فخر حاصل ہے۔ شروع میں ان کا قیام وہاں کے ایک مشہور اور بڑے محلہ نہر القلائین میں تھا لیکن بعد میں باب البصرہ میں منتقل ہو گئے تھے[2]

اساتذہ | خلال کے مشہور شیوخ کے نام یہ ہیں:-

ابوبکر بن شاذان، ابوبکر قطیعی، ابوبکر دراق، ابوالحسن بن لؤلؤ دراق، ابوالحسین بن مظفر، ابوسعید حرقی، ابوعبداللہ بن عسکری، ابوعمر بن حیویہ، ابوالفتح قواس، ابوحفص عمر بن محمد زیات، ابوعلی محمد بن احمد عطشی۔

تلامذہ | بعض تلامذہ کے نام یہ ہیں:-

ابوبکر خطیب، ابوالحسین بن طیوری، ابوسعید احمد بن طیوری، جعفر بن احمد سراج، جعفر بن محسن سلماسی، علی بن احمد دینوری اور معمر بن ابی عمامہ الواعظ وغیرہ[3]

حفظ و ثقاہت | خلال حدیث کی معرفت، اس کے حفظ و ضبط اور عدالت و ثقاہت میں ممتاز تھے۔ خطیب کا بیان ہے کہ ہم نے خلال سے روایتیں نقل کی ہیں، وہ ثقہ و ضابط اور معرفت حدیث میں ممتاز تھے۔ ابن جوزی لکھتے ہیں وہ ثقہ اور عادل تھے، اور حدیث کے مقابلہ میں واقف کار

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و المنتظم ج ۸ و بستان المحدثین [2] ایضاً [3] ایضاً

اور بیدار مغز تھے۔ محمد بن علی صوری سے مروی ہے کہ میری آنکھوں نے عبدالغنی بن سعید کے بعد ابو محمد خلال بغدادی سے بڑھ کر حدیثوں کا حافظ نہیں دیکھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں کہ:

"در حفظ حدیث سرآمد ابنائے روزگار بود — وہ اپنے زمانہ کے لوگوں میں حفظ حدیث کے لحاظ سے نہایت فائق و برتر تھے"

وفات ۸۰ سال کی عمر میں جمادی الاولی ۴۳۹ھ میں خلال کی وفات ہوئی۔ اور باب حرب کے مقبرہ میں دفن کئے گئے۔

تصنیفات (۱) خلال کی تصنیفات میں ان کی مسند زیادہ مشہور ہے، یہ دراصل صحیحین پر مستخرج ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:۔

خرج المسند علی الصحیحین وجمع ابوابا وتراجم کثیرۃ — خلال نے صحیحین پر مستخرج لکھی اور بے شمار ابواب و تراجم جمع کئے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کا بیان ہے کہ خلال اس کو مکمل نہیں کر سکے تھے۔

(۲) **کرامت اولیاء**:۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے خلال کی تصنیفات میں اس کا بھی ذکر کیا ہے۔

۱؎ تذکرۃ الحفاظ ۳ المنتظم ج ۸ ۲؎ بستان المحدثین ۳؎ ایضاً ۴؎ الرسالۃ المستطرفہ ۵؎ العبر ج ۳ ۶؎ بستان المحدثین

Marfat.com

امام ابوعبداللہ قضاعی

(المتوفی سنہ ۴۵۴ھ)

...م ونسب | محمد نام، ابوعبداللہ کنیت، شہاب الدین لقب اور نسب نامہ یہ ہے، محمد بن سلامہ [illegible]
...ر بن علی بن حکمون بن ابراہیم بن محمد بن مسلم[1]

...ن وخاندان | قبیلۂ بنی قضاعہ سے جو معد بن عدنان یا حمیر کی شاخ ہے، خاندانی تعلق [illegible]
...خاندان کی نسبت سے قضاعی کہلاتے تھے. سمعانی کا بیان ہے کہ اس کی نسبت سے [illegible]
...مشہور ہیں، متاخرین میں امام ابوعبداللہ قضاعی کا نام قابل ذکر ہے[2]

...ساتذہ وشیوخ | امام قضاعی کے چند اساتذہ کے نام یہ ہیں:۔

ابوالحسن بن جہضم، ابوعبداللہ تمیمی، ابومحمد بن نحاس، احمد بن بربال، احمد بن عمر جیزی، [illegible]

...لامذہ | ان سے استفادہ کرنے والوں میں ابوبکر خطیب، ابونصر بن ماکولا اور حمیدی صاحب
...مع بین الصحیحین جیسے مشاہیر ارباب کمال کے علاوہ ابوعبداللہ رازی، سہل بن بشر اسفرئینی، ابوسعد [illegible]
...نیشاپوری اور محمد بن برکات سعید وغیرہ شامل ہیں، سمعانی کہتے ہیں ابوبکر محمد بن عبدالباقی انصاری نے
...امام قضاعی سے اجازۃً روایت کی ہے[3]

رحلت وسفر | طلب علم کے لئے ان کے سفر کا حال معلوم نہیں ہوسکا لیکن وہ مصریوں کے سفیر
...کی حیثیت سے روم تشریف لے گئے تھے، ابن سبکی لکھتے ہیں کہ یہ عجیب لطف کی بات ہے کہ [illegible]

[1] طبقات الشافعیہ ج ۳ [2] کتاب الانساب [3] ایضاً [4] ایضاً وطبقات الشافعیہ ج ۳

سفر میں ان کی قسطنطنیہ میں ایک شیخ سے ملاقات ہوئی، ان سے انہوں نے سماع و روایت کی [1]

حدیث علمائے سیر نے لکھا ہے کہ وہ صاحب کمال محدث تھے، سلفی کا بیان ہے کہ وہ ثقات و اثبات میں تھے [2]

فقہ فقہ میں زیادہ دستگاہ رکھتے تھے، ان کا فقہائے شافعیہ میں شمار ہوتا ہے، فقہ میں کمال کی بنا پر وہ عہدۂ قضا پر فائز تھے۔

تاریخ و تراجم حدیث و فقہ کی طرح تاریخ و طبقات اور رجال پر بھی اچھی نظر تھی، ان فنون میں ان سے بعض کتابیں یادگار ہیں۔

فضل و کمال ابن ماکولا کا یہ بیان تمام ارباب سیر نے ذکر کیا ہے کہ وہ متعدد علوم میں جامع تھے، میں نے مصر میں ان کے پایہ کا کوئی شخص نہیں دیکھا [3]

عہدہ قضا اپنے فضل و کمال کی وجہ سے وہ مصر کے قاضی مقرر کئے گئے، اور پھر ترقی کر کے قاضی القضاۃ ہو گئے تھے۔

امامت و مقبولیت علمائے انساب و طبقات نے ان کو امام لکھا ہے اور ابن سبکی نے مرضی الجہۃ کہا ہے، اس سے ان کی مقبولیت و محبوبیت کا اندازہ ہوتا ہے [4]

مسلک اوپر گذر چکا ہے کہ وہ فقہائے شافعیہ میں تھے، ابن سبکی نے اسی حیثیت سے طبقات میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

وفات انہوں نے ۴۵۴ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا، ابن خلکان نے ۱۶ ذوقعدہ اور سیوطی نے ۱۷ ذوقعدہ تاریخ وفات لکھی ہے مگر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ذی الحجہ کا مہینہ بتایا ہے، وفات مصر میں جمعرات کو ہوئی اور جمعہ کے دن عصر بعد مصلی بخار میں نماز جنازہ ادا کی گئی [5]

تصنیفات امام قضاعی کی بعض کتابوں کے نام یہ ہیں :-

---

[1] طبقات سبکی و ابن خلکان ج ۲ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً

[5] ابن خلکان ج ۲ و حسن المحاضرہ ج ۱ و بستان المحدثین۔

Marfat.com

شہاب الاخبار : اس کا پورا نام شہاب الاخبار فی الحکم والامثال والآداب من الاحادیث النبویہ ہے، یہ کتاب مسند قضاعی اور الشہاب المواعظ والآداب کے نام سے بھی موسوم ہے۔ اس میں حکم و امثال وصایا و آداب اور مواعظ وغیرہ سے متعلق ایک ہزار چھوٹی چھوٹی حدیثیں بلا سند نقل کی گئی ہیں اور خاتمہ میں دعا سے متعلق دو سو کلمات حدیث درج کیے گئے ہیں، یہ کتاب دس جزوں پر مشتمل تھی کلمات حدیث مرتب کی گئی تھی، لیکن حروف میں ترتیب کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے۔ اس عمدہ اور لطیف کتاب کی کئی شرحیں اور خلاصے بھی لکھے گئے ہیں اور بعض علماء نے بعینہٖ اسی طرز پر اپنی کتابیں مرتب کی ہیں، ان میں فردوس الاخبار دیلمی، مشارق الانوار صغانی اور جامع صغیر سیوطی بہت مشہور ہیں۔ شرحوں اور مختصرات کے نام یہ ہیں:۔

(۱) شیخ نجم الدین الغیطی، محمد بن احمد بن احمد اسکندری (م ۹۸۴ھ) نے شہاب کا خلاصہ کیا۔

(۲) ابن اثیر نے ضوء الشہاب کے نام سے مختصر لکھا۔

(۳) امام حسن بن محمد صغانی (م ۶۵۰ھ) نے مشارق کی طرح کشف الحجاب عن احادیث الشہاب کے نام سے بھی اس کی عمدہ ترتیب کی۔

(۴) امام سیوطی نے جامع صغیر کی ترتیب پر ایک اور کتاب اسعاف الطلاب بترتیب الشہاب کے نام سے لکھی جو اس کا خلاصہ تھی۔

(۵) ابو المظفر محمد بن اسعد معروف بابن حکیم حنفی (م ۵۶۷ھ) نے شہاب کی شرح کی۔

(۶) شیخ عبدالرؤف مناوی نے ایک ممزوج شرح لکھی۔ اس کا نام رفع النقاب عن کتاب الشہاب ہے، امینی نے امعان الطلاب لشرح ترتیب الشہاب نام بتایا ہے۔ لیکن بعض فہرستوں میں اسعاف الطلاب بترتیب الشہاب بھی نام درج ہے۔

(۷) وحشی محمد بن حسین موصلی کی شرح کا ابراہیم بن عبدالرحمن داریاسی (م ۸۰۵ھ) نے خلاصہ کیا۔

(۸) استاد ابوالقاسم بن ابراہیم وراق عالی نے بھی ایک شرح لکھی۔

(۹) ایک شرح کا نام حل الشہاب ہے۔

Marfat.com

(۱۰) صاحب کشف الظنون نے ایک اور شرح کا بھی ذکر کیا ہے مگر اس کا اور شارح کا
نام نہیں لکھا ہے[۱]
شہاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں ہے[۲]

(۲) خطط مصر۔ اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں پہلی کتاب ابو عمر محمد بن یوسف کندی کی
اور دوسری قضاعی کی بتائی جاتی ہے۔

(۳) دستور الحکم۔

(۴) مختصر التاریخ۔ یہ تراجم القضاعی کے نام سے بھی مشہور اور پانچ جزوں پر مشتمل ہے اس میں
مصنف نے ابتداء سے اپنے دور تک کے حالات اختصار کے ساتھ تحریر کئے ہیں۔

(۵) کتاب الانباء عن الانبیاء و تواریخ الخلفاء۔ نام سے ظاہر ہوتا ہے اس میں انبیاء اور خلفاء کے
حالات و واقعات درج ہوں گے۔

(۶) کتاب مناقب الشافعی واخبارہ۔

(۷) معجم الشیوخ۔

---

[۱] کشف الظنون ج ۳، الرسالۃ المستطرفہ [۲] فہرست کتب خانہ خدیویہ مصر ج ا

Marfat.com

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی

(متوفی ۴۵۸ھ)

نام و نسب احمد نام، ابوبکر کنیت نسب نامہ یہ ہے احمد بن حسین بن علی بن عبداللہ بن موسیٰ[1]

ولادت و وطن امام ابوبکر بیہقی شعبان المعظم ۳۸۴ھ میں بیہق میں پیدا ہوئے بیہق خراسان کے مشہور مردم خیز شہر نیشاپور کے مضافات میں اس سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے[2] یاقوت کا بیان ہے کہ یہ بڑا زرخیز نہایت آباد اور وسیع مقام اور تقریباً تین سو اکیس[2] گاؤں پر مشتمل ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ لکھتے ہیں کہ بیہق چند گاؤں کا نام ہے جو باہم متصل ہیں نیشاپور سے بیس[3] کوس کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح نواح دہلی میں بارہ دہریانہ ہیں ان دیہاتوں میں سب سے بڑا گاؤں خسروجرد ہے[4]

خسروجرد کو سب سے بڑا گاؤں ہونے کی وجہ سے مرکزیت حاصل تھی، امام بیہقی کے زمانہ تک اس کی مرکزیت قائم رہی لیکن بعد میں سبزوار مرکزی مقام بن گیا تھا[5]

ظہیرالدین بیہقی کا بیان ہے کہ اگرچہ امام بیہقی کے اسلاف کا تعلق شامکان اور نوبہار سے تھا لیکن ان کی ولادت اور نشو و نما بیہق میں ہوئی[5]

۱؎ تاریخ ابن خلکان ج ۱ و کتاب الانساب ۲؎ ایضاً ۳؎ بستان المحدثین ۴؎ کتاب الانساب و معجم البلدان ج ۲ و ج ۳ ۵؎ تاریخ بیہق مطبوعہ حیدرآباد

امام ابوبکر ان مقامات کی نسبت سے بیہقی، خسروجردی اور نیشاپوری کہلاتے ہیں لیکن ان کی مشہور نسبت بیہقی ہے۔

اساتذہ وشیوخ | امام بیہقی کے شیوخ کی تعداد ۱۰۰ سے متجاوز تھی، ان میں سے چند مشہور کے نام یہ ہیں :۔

ابن یعقوب ایادی، ابوبکر بن فورک، ابوذکریا مزکی، ابوعبداللہ بن لطیف، ابوعبدالرحمٰن سلمی ابوعلی روذباری، ابوالحسن بن بشران، جناح بن نذیر محاربی، حسن بن احمد بن فراس، عبداللہ بن یوسف بن ناموبہ، ابوالحسن محمد بن حسین علوی، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم، ابوطاہر محمد بن محمد زیادی، ہلال بن محمد حفار۔

فقہ کی تعلیم وتحصیل مشہور فقیہ ابوسہل صعلوکی اور ابوالفتح ناصر بن محمد عمری مروزی سے کی تھی۔ بیہقی کو اپنے اساتذہ میں ابوالحسن محمد بن حسین علوی اور ابوعبداللہ حاکم سے زیادہ استفادہ کا موقع ملا، خصوصًا حاکم کے جلیل القدر تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں اور عرصۂ دراز تک ان کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔[1]

تلامذہ | امام بیہقی سے بے شمار لوگوں نے روایت اور تحصیل علم کی ہے، بعض تلامذہ کے نام یہ ہیں:

اسمٰعیل بن احمد (امام بیہقی کے فرزند) حسین بن احمد بن علی، ابوالقاسم زاہر بن طاہر شحامی، عبدالجبار بن عبدالوہاب دہان، عبدالجبار بن محمد خواری، عبدالحمید بن محمد خواری، ابوالحسن عبداللہ بن محمد بن احمد (امام بیہقی کے پوتے) عبدالمنعم قشیری، ابوعبداللہ محمد فراوی، ابوالمعالی محمد بن اسماعیل فارسی۔[2]

شیخ الاسلام ابواسماعیل انصاری کو بھی امام بیہقی سے اجازت حاصل تھی اور علامہ سمعانی لکھتے ہیں

ادرکت عشرۃ نفر من اصحابہ الذین حدثونی عنہ[3]	میری امام بیہقی کے دس تلامذہ سے ملاقات تھی انہوں نے مجھ سے ان کے واسطہ سے حدیثیں بیان کی ہیں۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ وطبقات الشافعیہ ج ۳، تاریخ ابن خلکان ج ۱ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ [3] کتاب الا...

طلب حدیث کے لئے سفر امام بیہقی بچپن ہی سے اس مبارک علم و فن کی تحصیل و تکمیل اور اس کی جمع و تحریر میں مشغول ہو گئے تھے، اور انہوں نے اس کے لئے متعدد مقامات اور علمی مرکزوں کا سفر بھی کیا تھا، پہلے بیہق سے نیشاپور تشریف لے گئے، خراسان کے اکابر علماء و محدثین سے استفادہ کرنے کے بعد انہوں نے عراق، جبال اور حجاز کے مختلف اہم شہروں بغداد، مکہ اور کوفہ وغیرہ کا سفر کیا[1]

حفظ و ثقاہت امام بیہقی کے حفظ و ضبط اور ثقاہت و اتقان پر ائمہ فن اور محدثین کا اتفاق ہے، ابو الحسن عبد الغافر فارسی کا بیان ہے کہ "وہ اپنے زمانہ میں حفظ میں یکتا اور اپنے تمام معاصرین میں ضبط و اتقان کے اعتبار سے یگانہ تھے، حافظ ذہبی نے ان کو حافظہ میں قوی بتایا ہے، ابن ناصر الدین فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور قابل اعتماد تھے، اہل سیر اور ارباب تذکرہ نے ان کو الحافظ الکبیر المشہور کے لقب سے موسوم کیا ہے[2]

حدیث میں درجہ و مرتبہ حفظ و ضبط کی طرح معرفت حدیث میں بھی عدیم المثال تھے، اور احادیث کے علل و اسقام کی تمیز میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے، نقد و تحقیق حدیث ان کی امتیازی خصوصیت تھی، حدیث اور اس کے متعلقات میں اس درجہ عبور ہونے کی بنا پر ان کا شمار نامور محدثین اور اکابر فن میں ہوتا ہے، علامہ ابن عساکر نے ان کو شیخ السنۃ اور ابن عماد نے شیخ خراسان کہا ہے[3] ظہیر الدین بیہقی لکھتے ہیں کہ فن حدیث میں ان کا کوئی ہمسر اور ثانی نہ تھا، ان کے زمانہ میں خراسان کے اندر کسی کو ان کی مرضی و سند کے بغیر کوئی حدیث بیان کرنے یا اس میں کسی قسم کا تصرف کرنے کی مجال نہ تھی

وہ ایک روز اپنے استاد حاکم کی مجلس میں جہاں متعدد علماء و اصحاب فضل و کمال موجود تھے، حاضر ہوئے، حاکم نے ایک حدیث بیان کرتے ہوئے اس کے کسی راوی کا نام ترک کر دیا، امام بیہقی نے فوراً اعتراض کیا، حاکم کو غصہ آ گیا، لیکن جب اصل سے مقابلہ کیا گیا تو بیہقی کی بات درست نکلی[6]

---

[1] تبیین کذب المفتری و تذکرۃ الحفاظ ج ۳ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و شذرات الذہب ج ۳
[3] تبیین کذب المفتری [4] شذرات الذہب ج ۳ [6] تاریخ بیہق

Marfat.com

گو حدیث کے علاوہ دوسرے فنون میں بھی ان کو دستگاہ حاصل تھی، تاہم اس فن میں ا
کو زیادہ نمایاں مقام اور بلند درجہ حاصل تھا، اسی لئے ان کی اصل شہرت اسی کی نسبت سے ہے
علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں :۔

غلب علیہ علم الحدیث واشتهر بہ[1] — ان پر علم حدیث خاص طور سے غالب تھا، اور اس ان کو نہایت نمایاں شہرت حاصل ہوئی۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ نہ تو امام بیہقی کے شیوخ کی تعداد اور محدثین کے مقابلہ میں بہت زیا
تھی، اور نہ حدیث کی کئی اہم اور بلند پایہ کتابیں ہی ان کی نظر سے گزری تھیں، لیکن اس کے باوجو
وہ اس فن میں یگانۂ روزگار اور یکتائے زمانہ تھے، اور ان سے بے شمار حدیثیں مروی ہیں، نیز اس
فن میں ان سے متعدد بے نظیر کتابیں بھی یادگار ہیں[2] علامہ سمعانی فرماتے ہیں کہ ان کے پاس
احادیث کا بڑا وسیع ذخیرہ تھا، اور انہوں نے متعدد بے مثال تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں، علا
یافعی تحریر کرتے ہیں کہ "بعض لوگوں کا بیان ہے کہ ان کے شیوخ کی تعداد تقریباً ایک سو ہے
اور یہ تعداد درحقیقت بیہقی کے علوم و کمالات کے اعتبار سے زیادہ نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ
نے ان کے کاموں میں خاص برکت عطا کی تھی، گو ان کو متعدد کتب حدیث کے سماع کا شرف
حاصل تھا، تاہم بعض کتابوں کے استفادہ سے وہ محروم بھی رہ گئے تھے، چنانچہ مسند امام احمد، سنن
نسائی، سنن ابن ماجہ اور جامع ترمذی وغیرہ کتابیں ان کے پاس نہیں تھیں"[3]

علامہ ابن سبکی لکھتے ہیں کہ "علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ بیہقی کا دائرہ علم حدیث میں زیادہ وسیع
نہیں تھا، تاہم خدا نے ان کے مرویات میں بڑی برکت عطا کی تھی، اور وہ حدیث کے ابواب و رجال
کے بارے میں پوری مہارت اور مکمل واقفیت رکھتے تھے"

شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ فرماتے ہیں :۔

باوجود اس تبحر اور علوئے اسناد کے امام بیہقی کے پاس سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن

---

[1] ابن خلکان ج ۱ [2] کتاب الانساب [3] مراۃ الجنان ج ۳، طبقات الشافعیہ ج ۳

ماجہ نہیں تھیں، اس لئے ان تینوں کتابوں پر جیسی اطلاع ہونی چاہیئے تھی، ان کو نہیں تھی مگر حق تعالیٰ نے
کے علم میں غیر معمولی برکت اور فہم میں نہایت بصیرت عطا کی تھی، ان کی یادگار...... ایسی عجیب
فات ہیں جو ان سے پہلے کے لوگ بھی نہیں لکھ سکے تھے[۱]

م | امام بیہقی کو فقہ واصول میں بھی پورا درک حاصل تھا، فقہ جلیل اور اصولی ان کے نام کا جزو بن گیا
ان کی تصنیفات حدیث میں گوناگوں فقہی معلومات و مسائل موجود ہیں، اسی لئے ان کو علم حدیث
ر کا جامع کہا جاتا ہے، حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں :۔

انہوں نے اپنی کتابوں میں علم حدیث و فقہ دونوں کے مسائل و معلومات جمع کئے ہیں، اسی
ساتھ علل حدیث، صحیح و سقیم روایتوں کی نشاندہی، احادیث کے درمیان جمع و تطبیق کے وجوہ او
ر واصول وغیرہ مختلف النوع مباحث بیان کئے ہیں[۲]

ربیت وشعر وسخن | ان کو عربیت اور شعر وسخن کا اچھا ذوق تھا، ان کی تصنیفات سے ان
ن ذوق کا اندازہ ہوتا ہے اور ان سے منقول بعض اشعار ملاحظہ ہوں۔

من عزبالمولی فذاک جلیل　　　　ومن عزم غیرسواہ ذلیل

جس شخص کو خدا نے عزت دی وہ بزرگ ہے اور جس نے خدا کے سوا کسی دوسرے سے
زت طلب کی وہ ذلیل ہے۔

ولوان نفسی مذبرا۔ ھا میکھا　　　　مغنی عمرھا فی سجدۃ التقیس

اگر میرا نفس اس وقت سے لے کر جب سے کہ خدا نے اسے پیدا کیا ہے، عمر بھر خدا کی
بادت کرتا رہے تو بھی یہ بہت کم ہے۔

احب مناجاۃ الحبیب باوجہ　　　　ولکن لسان المذنبین کلیل[۳]

یں عمدہ طور سے اپنے حبیب کی مناجات پسند کرتا ہوں لیکن گنہگار کی زبان گونگی ہے
گو حدیث، فقہ، اصول فقہ اور عربیت وغیرہ میں امام صاحب کو امتیازی شہرت حاصل تھی

---

[۱] بستان المحدثین　[۲] تبیین کذب المفتری　[۳] بستان المحدثین

Marfat.com

تاہم دوسرے علوم وفنون میں بھی عاجز نہ تھے، علامہ ابن خلکان فرماتے ہیں وہ علوم وفنون میں اپنے زمانہ اور اپنے معاصرین میں یکتا اور بے نظیر تھے [۱]

تحقیق وانصاف پسندی امام بیہقی کی ایک خصوصیت حقیقت بینی اور انصاف پسندی بھی ہے، مؤرخین واصحاب سیر نے علمی ودینی مباحث میں امام صاحب کی غیر معمولی تحقیق وتدقیق اور انصاف پسندی کا ذکر کیا ہے"۔ صاحب تاریخ بیہق کا بیان ہے۔

وتحقیقات درعلوم بسیار دارد و	علوم میں بڑی تحقیق سے کام لیتے تھے اور
در مباحثہ ومناظرہ علوم غایت	مباحثہ ومناظرہ میں انصاف کو پوری طرح
انصاف مرعی میداشتند [۲]	ملحوظ رکھتے تھے۔

امامت ومرجعیت امام بیہقی کے گوناگوں کمالات نے ان کی ذات کو مسلمانوں کا امام ومقتدا اور اصحاب علم وفن کا مرجع بنا دیا تھا، تمام ارباب سیر وتذکرہ نے ان کی امامت فن کا اعتراف کیا ہے۔ امام صاحب کی مرجعیت ومقبولیت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب وہ علوم کی تحصیل سے فارغ ہوکر اپنے وطن بیہق میں درس وافادہ اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہوئے تو بڑے بڑے ائمہ اور نامور اصحاب کمال نے ان سے نیشاپور تشریف لانے کی فرمائش کی تاکہ اس مرکزی مقام پر لوگوں کو ان سے استفادہ میں سہولت اور ان کی کتابوں کے سماع کا زیادہ موقع ملے۔ لوگوں کی طلب وخواہش کو دیکھ کر آپ ناحیہ سے ۴۴۱ھ میں نیشاپور پہنچے، وہاں کے شائقین نے امام کا شایان شان استقبال کیا اور جب مجلس درس آراستہ کی گئی تو اس میں جہابذۂ فن اور نامور اصحاب کمال شریک ہوکر آپ کی کتابوں کا سماع کرتے اور آپ سے استفادہ کرتے تھے اور آپ کے لئے دعائے خیر وبرکت کرتے تھے، یہ تمام لوگ آپ کے ذوق علم اور کثرت استحضار کے معترف تھے۔

اعتراف کمالات امام بیہقی کے اوصاف وکمالات کا ان کے معاصرین، ارباب کمال مؤرخین واصحاب سیر نے اعتراف کیا ہے، علامہ ابن سبکی لکھتے ہیں کہ "امام بیہقی مسلمانوں کے ائمہ ہدی

---

[۱] تاریخ ابن خلکان ج۱ [۲] تاریخ بیہق واتحاف النبلاء [۳] تذکرۃ الحفاظ ج۳ وتبیین کذب المفتری

Marfat.com

ین متین کے داعیوں میں تھے، وہ علم وفضل کا پہاڑ اور اپنے پرانے دور میں عدیم المثال.
تائے روزگار، میدان علم کے شہسوار، حاذق الفن محدث، سرعت فہم، جودت طبع اور ذہن کی
اکی میں بے نظیر تھے، علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ اپنے زمانہ میں یکتا اور اپنے معاصرین میں
مثال تھے۔ ظہیر الدین بیہقی کا بیان ہے کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جن سات آدمیوں کی
ینفات اسلامی کتابوں کا بہترین ذخیرہ خیال کی جاتی ہیں، ان میں ایک امام بیہقی بھی ہیں، اور
سے مسلمانوں کو بڑا فیض پہنچا ہے، اور امام حاکم کے اجل تلامذہ میں ہونے کے باوجود
ئی حیثیتوں سے ان سے فائق و برتر سمجھے جاتے تھے، ابن خلکان ذہبی اور ابن عساکر کا بیان
ہے "گو وہ امام ابو عبد اللہ حاکم کے تلامذہ میں تھے تاہم متعدد علوم وفنون میں یکتا ہونے کی بنا پر
ن سے بڑھ کر تھے" امام سیوطی فرماتے ہیں کہ محدثین کا اتفاق ہے کہ حاکم کے شاگرد امام بیہقی
یث کی طلب تحری میں ان سے فائق تھے [1]

ہی مذہب امام بیہقی شافعی المذہب تھے، اُن کو اس مذہب سے غیر معمولی شغف تھا.
ں کی نشر واشاعت اور تہذیب و تنقیح میں انہوں نے اہم اور نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں
ں مذہب کو ان کی ذات سے بڑا فائدہ پہنچا ابن سبکی کا بیان ہے کہ کوئی شافعی المذہب ان کی
ینفات سے بے نیاز نہیں رہ سکتا، امام الحرمین ابو المعالی جوینی سے منقول ہے کہ:
"امام بیہقی کے علاوہ کوئی ایسا شافعی المذہب نہیں ہے جس پر امام شافعی کے احسانات
ہوں لیکن امام بیہقی کا خود امام شافعی پر احسان ہے، کیونکہ ان کی تصنیفات سے ان کے مذہب و
سلک کی بڑی تائید واشاعت ہوئی ہے۔ وہ تمام شوافع میں اس مذہب کے اصول و فروع
کی حمایت میں نہایت پیش پیش رہے ہیں اور اس کی تفریع و تخریج اور اس کے مختصر د
کی توضیح و تشریح کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔
ابن خلکان اور ذہبی نے لکھا ہے کہ وہ امام شافعی کے نصوص جمع کرنے والے پہلے شخص

[1] ایضاً وتاریخ ابن خلکان ج ۱ وطبقات الشافعیہ ج ۳ وتدریب الراوی

Marfat.com

ہیں "، لیکن علامہ ابن سبکی اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں " یہ خلاف واقعہ ہے درحقیقت جا
نصوص میں وہ بالکل آخری شخص ہیں، انہوں نے متقدمین کے تمام مباحث اور ان کی کتابوں
اکثر امور و مسائل کا استیعاب کرلیا ہے، ان کے بعد کسی اور شخص کے بارے میں مجھ کو نہیں معلوم
اس نے امام شافعی کے نصوص جمع کئے ہوں کیونکہ امام بیہقی اس کو اس قدر جامع اور مکمل طور پر م
کرچکے تھے کہ بعد والوں کے لئے مزید کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ گئی تھی۔[1]

کلامی مذہب امام صاحب اشعری المذہب اور اہل سنت والجماعت میں تھے، علامہ ا
لکھتے ہیں کہ انہوں نے اشعری مذہب کے مطابق علم کلام پڑھا اور حافظ ا
نے تبیین کذب المفتری میں ان کا اشاعرہ کے تیسرے طبقہ میں ذکر کیا ہے، بعض اکابر محدثی
طرح ان کی جانب بھی شیعیت کی نسبت کی گئی ہے، لیکن یہ سراسر غلط الزام ہے۔

زہد و ورع امام بیہقی زہد و ورع میں بھی ممتاز تھے، تذکرہ نگاروں نے ان کو دیندار صا
ورع، زاہد، قانت اور عفیف وغیرہ لکھا ہے، حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے تھے
کے متعلق یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وفات سے ۳۰ سال پہلے سے انہوں نے مسلسل رو
رکھنا شروع کردیا تھا۔[2]

عادات و اخلاق اصحاب سیر و تذکرہ کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی
عادات و خصائل نہایت پاکیزہ تھے، عفت و قناعت ان کی سیرت کا اہم جوہر تھی، زہد و ورع
اور شمائل و اخلاق میں وہ سلف صالحین اور علمائے ربانیین کے اوصاف کے حامل تھے، علامہ ابن
عبدالغافر کا یہ بیان تمام کتابوں میں ملتا ہے۔

کان البیہقی علی سیرۃ العلماء، قانعاً من	امام بیہقی علمائے سلف کی طرح معمولی اور تھوڑی چیز
الدنیا بالیسیر متجملاً فی زہدہ وورعہ	پر قانع اور زہد و ورع میں ممتاز تھے، وفات
وبقی کذالک الی ان توفی[3]	تک ان کا یہی حال تھا۔

[1] طبقات الشافعیہ ج ۳ و تاریخ ابن خلکان ج ۱ [2] شذرات الذہب ج ۳ [3] تبیین کذب المفتری

Marfat.com

وفات امام بیہقی نے ۷۴ سال کی عمر میں شنبہ ۱۰ رجمادی الاولی ۴۵۸ھ کو نیشاپور میں انتقال کیا، ان کی نعش مبارک وہاں سے بیہق لائی گئی اور یہیں سپرد خاک کئے گئے[1] انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اولاد ان کی اولاد میں ابوعلی اسماعیل اور محمد کا ذکر ملتا ہے۔ اوّل الذکر صاحب کمال، محدث اور عہدۂ قضا پر فائز تھے، امام صاحب کے تلامذہ کے ضمن میں ان کا نام گذرا ہے، دوسرے صاحبزادے محمد کے بیٹے ابوالحسن عبداللہ بھی جلیل القدر محدث تھے، ان کو اپنے دادا سے روایت و سماع کا فخر حاصل تھا[2]

تصنیفات امام بیہقی مایہ ناز مصنف تھے، ان کے فضل و کمال کا سب سے بڑا ثبوت ان کی تصنیفات ہیں جو ایک ہزار جز کے بقدر ہوں گی، ان کے علمی کاموں میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت دی تھی، اس لئے ان کی تصنیفات کی تعداد زیادہ ہے اور وہ کیفیت کے اعتبار سے بھی بہت اہم ہیں، مؤرخین اور اصحاب سیر کا بیان ہے کہ ان کی تمام تصنیفات نہایت جامع پرمغز مفید بے نظیر اور عدیم المثال ہیں۔ امام بیہقی کا شمار ان علمائے اسلام میں ہوتا ہے جن کی کتابوں سے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا ہے، کتب صحاح کی شہرت و علوئے منزلت کے بعد جن محدثین کی تصنیفات کو عالم اسلام میں بقائے دوام حاصل ہوا اور جن کی علمی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا، ان میں امام الحدیث و شیخ السنۃ ابوبکر بیہقی بھی ہیں ان کا شمار ان ائمہ و حفاظ سبعہ میں ہوتا ہے جن کے متعلق حافظ ابن صلاح کا بیان ہے کہ انہوں نے عمدہ اور مفید کتابیں تصنیف کیں۔

بالخصوص شافعی مذہب کو ان سے زیادہ کسی اور مصنف کی تصنیفات سے فائدہ نہیں ہوا، اس مذہب کی تائید و حمایت، اس کی تفریع و تخریج نیز ضبط و تحقیق اور شرح و بسط ان کا خاص اور اہم کارنامہ ہے، اوپر گذر چکا ہے کہ کوئی شافعی المذہب نہ ان کے احسانات سے سبکدوش ہو سکتا ہے، اور نہ اُن کی کتابوں سے بے نیاز رہ سکتا ہے۔

---

[1] ابن خلکان ج ۱، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ والمنتظم ج ۸ [2] طبقات الشافعیہ ج ۳ و تذکرۃ الحفاظ ج ۳

[3] طبقات الشافعیہ ج ۳ و تذکرۃ الحفاظ ج ۳

Marfat.com

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ " امام بیہقی کی امانت، تدین، فضل و کمال اور ضبط واتقان
بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کی کتابوں سے چہار جانب کے لوگوں کو نفع بخشا، حافظ ابن کثیر فر
ہیں ان کی کتابوں کو مختلف شہروں میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، وہ اپنے زمانہ کے لو
میں تصنیف و تالیف میں یکتا تھے، ان کی چھوٹی بڑی تمام کتابیں بے نظیر اور مفید ہیں، عل
ابن سبکی کہتے ہیں کہ ان کی تمام تصنیفات بیش قیمت، بلند پایہ اور ترتیب و تالیف میں عمدہ ہیں متق
کی کتابیں بھی اس درجہ کی نہیں ہیں [1]
ذیل میں ان کی تصنیفات کے نام اور بعض کے متعلق مختصر معلومات درج کی جاتی ہیں
(۱) کتاب البعث والنشور (ایک جلد) (۲) بیان خطاء من اخطاء علی الشافعی (۳) ترغیب الد
(۴) کتاب الترغیب والترتیب (ایک جلد) (۵) جامع ابواب وجوہ قرأۃ القرآن (۶) کتا
الرؤیہ (۷) کتاب فضائل الاوقات (۸) فضائل الصحابہ یا المصنف فی فضائل الصحابۃ (۹) کتاب ال
(۱۰) کتاب مناقب احمد (۱۱) کتاب مناقب الشافعی (۱۲) کتاب المعارف (۱۳) کتاب ینابیع الاص
(۱۴) کتاب اثبات عذاب القبر۔ اس کا قلمی نسخہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ شیخ الاسلام میں ہے
(۱۵) کتاب الاسرار۔ ذہبی نے اس کا نام کتاب الاساری اور صاحب کشف الظنون
کتاب الاسرار لکھا ہے۔
(۱۶) کتاب المعرفیہ۔ معرفۃ العلوم، معرفۃ الحدیث اور معرفۃ علوم الاحادیث بھی اس
نام تحریر کئے گئے ہیں غالباً اس میں علم حدیث کے مصطلحات بیان کئے گئے ہوں گے۔
(۱۷) کتاب الآداب۔ ایک جلد مکارم اخلاق، بروصلہ اور آداب وغیرہ سے متعلق احاد
مشتمل ہے [2]
(۱۸ و ۱۹) کتاب الدعوات الصغیر و کتاب الدعوات الکبیر دونوں امام بیہقی کی اہم اور عمدہ کتا
(۲۰) کتاب الاربعین۔ یہ اخلاق سے متعلق سو حدیثوں کا مجموعہ اور چالیس ابواب پر مرتب

---

[1] العبر ج ۳، البدایہ والنہایہ ج ۲، طبقات الشافعیہ ج ۳ [2] رسالہ معارف ج ۱۸ [3] الرسالۃ المستطرف
[4] کشف الظنون ج ۲ و طبقات الشافعیہ ج ۳

ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے اربعین صغریٰ واربعین کبریٰ کے نام سے دو کتابوں کا ذکر کیا ہے [۱]

(۲۱) **کتاب احکام القرآن** - احکام قرآن کے نام سے کئی کتابیں لکھی گئی ہیں سب سے پہلی کتاب امام شافعیؒ کی بتائی جاتی ہے بیہقی نے اس میں ان کے اقوال کی تحقیق کی ہے، اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ شیخ الاسلام مدینہ میں ہے [۲]

(۲۲) **کتاب الخلافیات** - دو جلدوں میں ہے، علامہ ابن سبکی فرماتے ہیں کہ ایسی فاضلانہ کتاب وہی لکھ سکتا ہے جو فقہ و حدیث میں جامع اور نصوص کا ماہر ہو۔ صاحب کشف الظنون کا بیان ہے کہ اس میں ان مسائل کا ذکر ہے جو امام اعظم اور امام شافعی کے درمیان مختلف فیہ ہیں [۳]

(۲۳) **نصوص الشافعی** - یہ دس جلدوں میں ہے [۴]۔ لیکن حافظ ذہبی نے تین جلدیں بتائی ہیں، ابن خلکان اور ذہبی کا خیال ہے کہ امام شافعی کے نصوص جمع کرنے میں اولیت کا شرف بیہقی کو حاصل ہے، لیکن ابن سبکی نے اس کی تردید کی ہے۔

(۲۴) **دلائل النبوۃ** - یہ تین جلدوں میں ہے، علامہ ابن سبکی نے اس کو بے نظیر کتاب کہا ہے اور ذہبی فرماتے ہیں کہ اس کی تحصیل ضروری ہے۔ مدینہ منورہ کے کتب خانہ محمودیہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے، سراج الدین عمر بن علی المعروف بابن ملقن نے اس کا مختصر لکھا تھا [۵]

(۲۵) **کتاب مادر وفی حیاۃ الانبیاء بعد وفاتہم** ۱۳۴۹ھ میں یہ حیاۃ الانبیاء کے نام سے محمد بن محمد خانجی کی تعلیق کے ساتھ مصر سے پندرہ ۱۵ صفحات میں شائع ہوا ہے [۶] صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ یہ ایک ہزار مسائل پر مشتمل ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مطبوعہ رسالہ اصل کتاب کا مختصر ہے۔

(۲۶ و ۲۷) **کتاب الزھد** - اس موضوع پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں، امام احمد اور ابن مبارک کی کتابیں زیادہ اہم اور مشہور ہیں، امام بیہقی نے زہد میں کتاب الزہد الکبیر اور کتاب زہد الصغیر کے نام سے دو کتابیں لکھی تھیں۔ کتاب الزہد الکبیر کا ایک قلمی نسخہ مدینہ کے کتب خانہ شیخ الاسلام میں اور دوسرا مکتبہ سندیہ

---

[۱] کشف الظنون ج ۱ و بستان المحدثین [۲] کشف الظنون ج ۱ معارف جلد ۱۰ [۳] ایضاً و طبقات الشافعیہ ج ۳

[۴] ابن خلکان ج ۱ [۵] معارف ج ۱۰، کشف الظنون ج ۱

میں ہے [1]

(۲۸) کتاب الاعتقاد۔ اس میں عقائد کے وہ اصول و فروغ بیان کئے گئے ہیں جن کو جاننا او
ان پر اعتقاد رکھنا مکلف لوگوں کے لئے ضروری ہے، اس کی ترتیب ابواب پر ہے۔ امام
برہان الدین ابراہیم بن عمر بقاعی (م ۸۸۵ھ) نے خیر الزاد المنتقی من کتاب الاعتقاد کے نام سے
اس کا انتخاب کیا تھا، اس کا مکمل نام کتاب الاعتقاد والہدایہ الی سبیل الرشاد ہے، بعض نے کتاب المعتقد
بھی لکھا ہے، شاہ عبد العزیز صاحب فرماتے ہیں کہ "یہ بڑی نفیس اور عمدہ کتاب ہے [2]"

(۲۹) کتاب المبسوط۔ یہ عظیم الشان کتاب بیس جلدوں میں ہے، امام بیہقی خود فرماتے ہیں کہ
"امام شافعی کے قدیم اقوال نقل کرنے اور ان کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد میں نے توفیق الٰہی سے
ان کے دلائل تحریر کئے ہیں اور اس کو امام مزنی کی مختصر کی ترتیب پر اس لئے مدون کیا گیا ہے
کہ جو لوگ مفصل اور مبسوط مباحث دیکھنے کے خواہش مند ہوں وہ اس کی جانب رجوع کر سکیں [3]"

(۳۰) کتاب القرأۃ خلف الامام۔ یہ رسالہ مولانا ملطف حسین مرحوم کے زیر اہتمام مئی ۱۹۱۵ء میں
مطبع پرنٹنگ ورکس دہلی سے متوسط تقطیع کے ۱۷۶ صفحات میں شائع ہوا تھا۔ اصل کتاب ۱۶۰ صفحوں پر
مشتمل ہے، سولہ صفحات میں مضامین اور اغلاط کی فہرست ہے، اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ
امام مقتدی اور منفرد سب کو خواہ سری نماز ہو یا جہری سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے کیونکہ اس کے
بغیر نماز ہی نہیں ہوتی، مصنف نے اس بحث کی تمام روایات و احادیث جمع کر کے شوافع کے مسلک
کو قوی اور مرجح ثابت کیا ہے اور دوسرے فقہاء کے مسالک اور ان کی موید حدیثیں بھی ذکر
کی ہیں، حدیث و رجال کی فنی بحثیں اور اہل لغت و ادب کے بیانات بھی جہاں ضروری معلوم
ہوئے ہیں دے دیئے گئے ہیں۔

(۳۱) کتاب الاسماء والصفات۔ بیہقی کی اس مفید اور جامع کتاب کو علامہ ابن سبکی نے عدیم النظیر

---

[1] کشف الظنون ج ۲ والرسالۃ المستطرفہ و معارف ج ۱۸ و تذکرۃ النوادر

[2] ایضاً ، ایضاً و بستان المحدثین [3] ایضاً و کتاب السنن والآثار

اور بے مثال بتایا ہے، ۱۳۱۲ھ میں یہ پہلی مرتبہ مطبع انوار احمدی الہ آباد اور پھر مصر سے شیخ محمد زاہد کوثری کے حواشی تعلیقات کے ساتھ شائع ہوئی ہے، اس میں خدا کے ناموں اور صفتوں پر مبسوط بحث کی گئی ہے اور ہر مبحث کے متعلق حدیثیں جمع کی گئی ہیں، ضمناً تفسیر و کلام اور حدیث و رجال کی بعض فنی بحثیں بھی آگئی ہیں، علامہ کوثری اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"مصنف نے ہر باب سے متعلق جتنی حدیثیں مروی ہیں ان سب کو اکٹھا کر دینے کی کوشش کی ہے اور صحیح و غیر صحیح حدیث کی تصریح اور اسماء و صفات سے متعلق وارد نصوص کی توجیہ و تاویل، ماہرین فن اور اہل نظر کے بیان کردہ مرادی معانی بھی بیان کئے ہیں۔ چند مقامات سے قطع نظر مصنف کی اکثر بحثیں نہایت عمدہ اور خوب ہیں۱؎"

(۳۲) **کتاب المدخل** - یہ دراصل کتاب السنن الکبیر کا مقدمہ ہے، اسی لئے اس کا پورا نام المدخل الی السنن ہے، اس میں امام بیہقی نے فن حدیث کے نکات اور ضروری اصولی مباحث کی تشریح کی ہے تاکہ سنن سے استفادہ کرنے والوں کو سہولت ہو، یہ مقدمہ بعض حیثیتوں سے خود ایک مستقل کتاب ہے جو کئی ابواب پر مشتمل ہے، راقم کو اس کے صرف ایک ہی قلمی نسخہ کا علم ہو سکا ہے جو ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانہ کی زینت ہے مگر ناقص الاول ہے اور صرف ۲ دو ورقوں پر مشتمل ہے، اس کے متعلق مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی کا ایک مبسوط مقالہ معارف اپریل و مئی ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا ہے، اس کی ترتیب ابواب پر کی گئی ہے اور بارہ ۱۲ جزوں پر مشتمل ہے، ہر باب کے مطابق سرور روایات کے بعد نتائج کا استنباط بھی کیا گیا ہے، کتاب معرفۃ السنن میں اس کے حوالے کثرت سے ملتے ہیں، علامہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے کتاب المدخل کی تلخیص کی تھی، انہوں نے مقدمہ ابن صلاح کے مختصر میں جن فوائد کا اضافہ کیا ہے، ان میں سے اکثر کے متعلق خود یہ بیان کیا ہے وہ بیہقی کی کتاب المدخل سے ماخوذ ہیں، اسی طرح امام سیوطی کی تدریب الراوی میں بھی اس کے اکثر اقتباسات نقل کئے گئے ہیں، اور اصول حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی اس کے حوالے موجود ہیں۔

۱؎ بحوالہ فوائد جامعہ بر عجالہ نافعہ ۲؎ مختصر شعب ایمان

(۳۳) **شعب الایمان**۔ اس کا پورا نام الجامع المصنف فی شعب الایمان ہے، یہ بیہقی کی مفید و مشہور
کتاب ہے جو دو جلدوں اور ۷۷ ابواب پر مشتمل ہے۔ امام صاحب کے پوتے ابوالحسن عبیداللہ اور
ابوالقاسم زاہر بن طاہر شحامی اس کے راوی ہیں[۱]۔ اس میں مصنف نے صحیحین وغیرہ کی مشہور حدیث الایمان
بضع وسبعون شعبۃ[۲] کے مطابق ایمان کے ستر شعبوں کی تفصیل تحریر کی ہے، نیز ہر ہر شعبہ کے متعلق دوسری
روایتیں اور قرآنی آیتیں بھی استشہاد میں پیش کر کے ان کی شرح و توضیح کی گئی ہے۔

شمس الدین قونوی اور معین الدین محمد بن حمویہ نے اس کے مختصر اور جلال الدین سیوطی نے ایک
جلد میں زوائد تحریر کئے ہیں[۲]۔ اس کا مختصر مصر سے عربی میں اور اردو میں ترجمہ کارخانہ تجارت کتب
کراچی سے شائع ہوا ہے۔

(۳۴) **کتاب معرفۃ السنن والآثار**۔ یہ امام بیہقی کی معرکۃ الآرا کتاب ہے۔ امام صاحب ابھی اس کی
ترتیب و تالیف سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ بعض لوگوں نے اس کی اہمیت اور مقبولیت کے
خواب دیکھے۔ اس کے شروع میں حدیث و سنت کی اہمیت، روایت، اسناد میں احتیاط اور بعض
ضروری فنی مباحث، اجماع، اجتہاد، قیاس، عام و خاص، امر و نہی دلیل خطاب اور ناسخ و منسوخ وغیرہ
کی نوعیت، امام شافعی کے حالات و کمالات اور اجتہادی مرتبہ پر لطیف بحث کی گئی ہے، اس کے بعد
فقہی ابواب کی ترتیب پر احکام و مسائل سے متعلق روایات جمع کی گئی ہیں، روایات کے نقل میں
سرد و استقصاء سے کام لیا گیا ہے اور ایک نوع کی روایتوں کے متعدد طرق و اسناد کی تخریج،
ان کے صحت و سقم، ان سے استنباطات کا ذکر اور امام شافعی کے آراء و اقوال کی تشریح کی گئی ہے
علامہ ابن سبکی کا بیان ہے کہ کوئی شافعی المذہب اس کتاب سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، یہ کتاب
کئی اجزاء پر مشتمل ہے۔ اس کا ایک جزء جو طہارت اور نماز کے ابواب پر مشتمل ہے، مولانا ابو شفیع احمد
بہاری کے ہاتھ کا لکھا ہوا دارالمصنفین کے کتب خانہ میں ہے، مصنف نے اس کا ایک مختصر
جزء بانکی پور پٹنہ سے شائع بھی کیا ہے۔ اس میں طہارت کے اکثر ابواب آگئے ہیں۔

---

[۱] مختصر شعب ایمان
[۲] کشف الظنون ج ۱

Marfat.com

۳۵-۳۶ **کتاب السنن** - امام بیہقی کی سنن میں دو کتابیں ہیں، ایک السنن الکبیرہ یا سنن کبریٰ اور دوسری السنن الصغیرہ یا سنن صغریٰ کے نام سے موسوم ہے، اور جیسا کہ ناموں سے ظاہر ہے۔ احکامی احادیث پر مشتمل ہیں، ان کو امام مزنی کی مختصر کی طرح پر فقہی ابواب پر مرتب کیا گیا ہے، دونوں کی ابوالقاسم زاہر بن طاہر شحامی نے امام صاحب سے روایت کی ہے۔ بعض علمائے اسلام کا بیان ہے کہ اسلامیات کے ذخیرہ میں ایسی عظیم الشان کتابیں نہیں لکھی گئیں۔ سنن صغریٰ ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے، اس کے ناقص قلمی نسخے کتب خانہ خدیویہ مصر میں ہیں[۱] سنن کبریٰ مکمل دس جلدوں میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے، اس کا مختصر تعارف اور اس کے متعلق بعض معلومات درج ذیل ہیں:-

سنن کبریٰ، امام بیہقی کی مایہ ناز اور شہرہ آفاق تصنیف ہے جو نہ صرف بیہقیات بلکہ پورے ذخیرۂ حدیث کی ممتاز اور اہم کتاب ہے، اس کی عظمت اور اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ صحاح ستہ کے بعد جن کتابوں کو غیر معمولی شہرت اور بقائے دوام نصیب ہوا ان میں یہ بھی ہے۔ حافظ ابن صلاح نے صحاح ستہ کے بعد کی عمدہ اور پر منفعت اور علامہ سیوطی نے معتبر و مستند کتابوں میں اس کو شمار کیا ہے، اور شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ عبدالعزیز دہلوی نے کتب حدیث کے تیسرے طبقہ میں اس کو محسوب کیا ہے۔ اس کی اہمیت کی بنا پر بعض اساطین فن کا بیان ہے کہ اسانید علل، اسماء الرجال اور صحاح کے متون کے علاوہ جن متون کا علم و سماع ایک محدث اور طالب فن کے لئے ضروری ہے، ان میں کتاب السنن الکبیرہ کا متن بھی ہے اس کو مصنف کی زندگی ہی میں پوری شہرت و مقبولیت اور کامل اعتبار و استناد کیا تھا، ان کے استاد امام ابو محمد عبداللہ بن یوسف جوینی نے بصرف زر کثیر اس کا نسخہ حاصل کر کے بڑے شوق سے ملاحظہ فرمایا، اور اپنی مسرت و طمانیت کا اظہار کیا[۲] امام بیہقی نے اس کی ترتیب و تالیف اور متون و اسناد کی صحت و جودت میں بڑی احتیاط اور نہایت چھان بین سے کام لیا ہے۔ اہل فن کو اعتراف ہے کہ سنن میں دیدہ و

---

[۱] فہرست کتب خانہ خدیویہ مصر ج ۱ [۲] معرفۃ السنن والآثار مطبوعہ

دانستہ کوئی موضوع حدیث شامل نہیں کی گئی ہے۔

خصوصیات سنن بیہقی کی چند اہم اور نمایاں خصوصیات یہ ہیں:۔

(۱) جامعیت، ضخامت اور حجم وغیرہ سے قطع نظر اس میں متعدد ایسی حدیثیں شامل ہیں، جو حدیث کی معروف و معتبر کتابوں میں نہیں ہیں اور بے شمار ایسی حدیثیں بھی ہیں، جو اگرچہ دوسری کتابوں میں موجود ہیں لیکن بیہقی کی اسناد و متون میں بعض مفید اضافے ہیں، چنانچہ جو حدیثیں دوسری کتابوں میں مختصر و مجمل یا عام و مطلق مروی ہیں وہ اس میں مطول و مفسر اور خاص و مفید نقل کی گئی ہیں، اسی طرح جو حدیثیں دوسری کتابوں میں ضعیف سندوں یا موقوف مرسل اور منقطع نقل ہوئی ہیں وہ اس میں صحیح سندوں سے مرفوع، سند اور متصل درج کی گئی ہیں۔

درحقیقت وجوہ وطرق کی کثرت اور تعداد اسناد کو محدثین کے نزدیک بڑی اہمیت حاصل ہے، کیونکہ یہ حدیث کی قوت کا موجب ہے، سنن بیہقی اس اعتبار سے بڑا امتیاز رکھتی ہے، امام بیہقی نے تعدد طرق، کثرت اسانید اور متحد المعنی روایات کو جمع کرنے کی طرف خاص دھیان دیا ہے۔

(۲) تراجم کی کثرت بھی سنن بیہقی کی امتیازی شان ہے، انہوں نے ہر ہر مسئلہ کے لئے مستقل اور جداگانہ ابواب قائم کئے ہیں، اس کی وجہ سے ایک روایت کے گوناگوں پہلو اور مختلف گوشے سامنے آگئے ہیں۔

(۳) معانی و مطالب کی وسعت و تنوع اور استدلال، استنباط اور استخراج کے لحاظ سے سنن بیہقی بے نظیر کتاب مانی جاتی ہے، عنوانات اور ابواب قائم کرکے آیات و احادیث سے لطیف استنباطات کئے گئے ہیں، بعض ابواب میں حدیثوں سے اتنے دقیق اور انوکھے استنباطات کئے گئے ہیں جن کی طرف عموماً ذہن منتقل نہیں ہوتا، اسی طرح استدلال میں نہایت دیدہ ریزی سے کام لیا گیا ہے، اس خصوصیت کا آگے مزید ذکر آئے گا۔

(۴) علامہ ابن سبکی نے اس کی ترتیب و تہذیب اور جودت تصنیف وغیرہ کے لحاظ سے

ے نظیر کتاب قرار دیا ہے، مصنف نے اس کی تالیف و ترتیب میں نہایت لطیف اسلوب
عمدہ پیرایہ بیان اختیار کیا ہے۔ طرز استدلال، تقسیم ابواب اور حدیثوں کی وضع و ترتیب میں ندرت
ے باوجود بڑی موزونیت اور مناسبت پائی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابواب کے تفنن اور
یب کے تنوع کے اعتبار سے اس کا درجہ اکثر کتب سنن و مسانید سے بڑھا ہوا ہے۔ امام بخاری
طرح امام بیہقی کے ابواب بھی حدیث سے ماخوذ ہوتے ہیں، کہیں کہیں مناسبت کا پہلو بہت
، اور کہیں کہیں نہایت معمولی ہوتا ہے۔ بعض ابواب کے آخر میں ایسی حدیثیں درج کی ہیں جن کی
ے والے باب و ترجمہ سے مناسبت بالکل واضح ہوتی ہے۔ جیسے باب قتل الرجل بالمرأۃ کے
کی حدیث میں ایک یہودی کے ایک مسلمان بچی کے قتل و قصاص کا ذکر ہے اور اس کے بعد
فیمن لاقصاص بینہ باختلاف الدینین لائے ہیں۔[1] بعض ابواب ظاہری مفہوم کے لحاظ سے
دگر مختلف معلوم ہوتے ہیں لیکن دراصل ان مختلف ابواب سے امام صاحب کا مقصد کسی خاص
جو ان کے نزدیک بالکل متحقق ہوتا ہے، الفاظ اور عبارتوں کے تنوع، تجدید ابواب اور تخریج
یث کے ذریعہ مدلل طور پر ثابت کرنا ہوتا ہے۔

ش) امام بیہقی نے حوالے اور ماخذ کی نشاندہی کر دی ہے، اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ
ث اور کن کن کتب حدیث میں مذکور ہے، صحیحین کے حوالے اس کثرت سے دیئے ہیں جیسے
بیہقی المستخرج علی الصحیحین بن گئی ہے، حوالہ دینے کے ساتھ انہوں نے اس فرق و اختلاف
واضح کر دیا ہے، جو ان کی دوسروں کی روایت کے سند و متن میں پایا جاتا ہے[2]

[1] السنن الکبریٰ ج ۸ [2] صحیحین کے حوالوں کے سلسلہ میں یہ واضح رہنا چاہیے کہ امام بیہقی نے الفاظ
اور متون وغیرہ کی ہو بہو اور بالکل ٹھیک ٹھاک مطابقت کا التزام نہیں کیا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی روایت میں
الفاظ و اسناد کا ذکر کیا ہے جو ان کے اپنے شیوخ سے ملے ہیں، اس لئے ان کے اور صحیحین کے الفاظ و معانی
میں معمولی اور خفیف سا فرق ہوتا ہے اور اس کی انہوں نے عمدہ تشریح و وضاحت کر دی ہے، علامہ ابن [illegible]
وھکذا اما اخرجہ المولفون فی تصانیفھم اسی طرح جن مصنفین نے جیسے امام بیہقی اور ابو نعیم [illegible]
[illegible]

(۶) سنن بیہقی فقہی مسائل ومعلومات کا گنجینہ ہے، اس کے ابواب وتراجم فقہی مسائل ہی کے لحاظ سے قائم کئے گئے ہیں، علاوہ ازیں ایک ایک حدیث سے مختلف مسائل کو مستنبط اور متعدد ابواب کی تفریع کی گئی ہے۔ اس سے امام بیہقی کے فقہی کمال اور اجتہادی مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے صحابہ وتابعین کے آثار اور ائمہ مابعد کے اقوال ومسالک بھی جمع کئے گئے ہیں، اور ضعیف وقوی اور مرجوح وراجح اقوال میں محاکمہ بھی کیا گیا ہے، امام شافعی کے قدیم وجدید اقوال، شوافع کے

(بقیہ حاشیہ) المستقلة کالسنن الکبیر للبیہقی وشرح السنة لابی محمد البغوی وغیرهما مما قالوا فیه "اخرجه البخاری ومسلم" فلا یستفاد بذالك اکثر من ان البخاری اومسلما اخرج اصل ذالك الحدیث مع احتمال ان یکون بینهما تفاوت فی اللفظ وربما کان تفاوتا فی بعض المعنی فقد وجدت فی ذالك ما فیه بعض التفاوت من حیث المعنی واذا کان الامر فی ذالك علی هذا فلیس لك ان تنقل حدیثا منها وتقول هو علی هذا الوجه فی کتاب البخاری اوکتاب مسلم الا ان تقابل لفظه اویکون الذی خرجه قد قال اخرجه البخاری بهذا اللفظ۔ (مقدمہ ابن صلاح صـ۱۲)۔

نے اپنی مستقل تصنیفات سنن کبیر وشرح السنة وغیرہ میں جو کہا ہے کہ "اس حدیث کی امام بخاری ومسلم نے تخریج کی ہے۔" تو اس سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اس کی اصل شیخین کے یہاں موجود ہے، ورنہ دونوں کے درمیان لفظ اور بعض اوقات معنی میں بھی فرق وتفاوت کا احتمال رہتا ہے۔ ایسی حالت میں تم اس طرح کی کتابوں سے کوئی حدیث نقل کرکے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بعینہٖ اسی شکل میں بخاری یا مسلم کی کتابوں میں موجود ہے، تاآنکہ تم دونوں کے الفاظ کا مذکرہ نہ کرلو یا یہ کہ خود تخریج کرنے والا اس متعلق یہ واضح کردے کہ اسی کی ہی لفظوں کے ساتھ امام بخاری نے کی ہے۔

Marfat.com

مذاہب، اصول اور دلائل خصوصیت سے ذکر کئے گئے ہیں، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب لکھ کر انہوں نے امام شافعی پر احسان کیا ہے۔ اس ضمن میں ان کی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے مختلف فیہ امور و مسائل کے متعلق صرف اپنے فقہی مسلک کی موید روایات، احادیث نقل کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ دوسرے مذہب کی موید حدیثوں کو بھی بیان کیا ہے۔

(۷) امام بیہقی جرح و تعدیل کے بھی امام تھے، اس لئے اس میں اسانید و متون کے متعلق مبسوط و مفصل کلام کیا گیا ہے، اور احادیث و رجال کی قوت و ضعف، جرح و عدالت، صحت و سقم اور ترجیح و تضعیف وغیرہ کے متعلق بڑا وافر مواد جمع کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ناقدین و مبصرین فن کے اقوال خاص اہتمام سے منضبط کئے گئے ہیں، اس طرح اسناد و رجال اور روایات و متون کے بارے میں اس کے اندر مختلف النوع مفید اور معلومات افزا وضاحتیں اور تشریحات آگئی ہیں۔

(۸) بعض کتب و ابواب کے شروع میں ان کی مناسبت اور محل کے اقتضاء کے لحاظ سے کلام مجید کی آیتیں اور حدیثوں کے ٹکڑے بھی نقل کئے گئے ہیں جو معنی خیز ہونے کے علاوہ امام بیہقی کی وسعت علم و نظر اور قوت استدلال کا نمونہ بھی تھے۔

(۹) امام بیہقی نے احادیث کی مناسب توجیہ و تطبیق، ان کے مصالح و حکم، ان کی کسی خاص دلالت، ان سے ثابت ہونے والے مخصوص مسئلہ اور ان سے استدلال و استنباط کے کسی اہم نکتہ اور پہلو کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ بعض بحثوں کے سلسلہ میں شارحین حدیث کے آراء اور اہل لغت کے اقوال بھی نقل کئے ہیں، کہیں کہیں فنی اور اصطلاحی تشریحات بھی کی گئی ہیں۔ سنن بیہقی کے ان گوناگوں خصوصیات اور جامعیت نے اس کو حدیث کی امہات کتب کی صف میں جگہ دی ہے درحقیقت یہ امام بیہقی کا ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جن کے سامنے ارباب کمال اور اہل فن سرنگوں نظر آتے ہیں، چنانچہ ان کو اعتراف ہے کہ متاخرین خصوصاً چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں امام دارقطنی کے بعد اس پایہ اور مرتبہ کا کوئی محدث نہیں گذرا ہے۔ علامہ ابن صلاح سنن کی خدمت و

اہمیت اور جامعیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

مانہ کتاب فی السنۃ اجمع للادلۃ من کتاب السنن الکبیر ی للبیہقی کانہ لم یترك فی سائر اقطار الارض حدیثا الا وقد وضعہ فی کتابہ [1]

دلائل کے لحاظ سے بیہقی کی سنن کبریٰ سے زیا[دہ] جامع اور مکمل تصنیف حدیث و سنت کے ذخیر[ہ میں] موجود نہیں، گویا امام صاحب نے تمام حدیثو[ں کو] چھان بین کرکے اس میں جمع کر دیا ہے ۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ تمام ترصحیح و ثابت حدیثوں کا ہی ذخیرہ نہیں ہے، جب ضعیف ا[ور] غیر معتبر روایتوں سے حدیث کی مشہور و متداول کتابیں بھی یکسر خالی نہیں ہیں تو اتنے ضخیم مجموعہ [میں] ضعیف اور کم تر درجہ کی حدیثوں کا شامل ہو جانا نہ تو تعجب انگیز ہے اور نہ اس سے سنن بیہقی کی [اہمیت] وعظمت میں کوئی فرق آسکتا ہے، امام بیہقی نے استقصار تعدد طرق اور کثرت اسانید کے پیش نظر [ان میں] بعض ضعیف، و متروک حدیثیں درج کی ہیں اور امکان کی حد تک ان کے سقوط و ضعف کی تصر[یح] بھی کر دی ہے ۔

امام بیہقی کی اس عظیم الشان اور شہرۂ آفاق تصنیف کو پہلی دفعہ شائع کرنے کا فخر المعا[رف] حیدرآباد کے حصہ میں آیا، دائرہ نے اس کو دس جلدوں میں (۱۳۴۴ھ تا ۱۳۵۶ھ) مخفید حواشی کے ساتھ اہتمام سے شائع کیا ہے، ہر جلد کے آخر میں ابواب (مضامین) اور نا[موں] (راویوں) کے لحاظ سے دو مفصل فہرستیں دی گئی ہیں، ترتیب و تصحیح کی خدمت دائرہ کے مشہو[ر] رکن مولانا محمد ہاشم ندوی مرحوم نے اپنے بعض رفقائے کار کے تعاون سے انجام دی ہے ۔

ان سب جلدوں کی تصحیح میں مصر، حضرموت، سندھ، مدراس، بمبئی اور رام پور [کے] کے نو۹ قلمی نسخوں سے مدد لی گئی ہے ۔

قاضی القضاۃ شیخ علاؤ الدین علی بن عثمان ترکمانی (م ۷۵۰ھ) نے سنن کا ایک ضخیم حا[شیہ] لکھا تھا، یہ الجواہر النقی فی الرد علی البیہقی کے نام سے موسوم اور سنن کے مطبوعہ نسخہ کے ...

---

[1] مقدمہ ابن صلاح

ئیے پر دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہوا ہے۔

علامہ ترکمانی اپنے زمانہ کے مشہور حنفی فاضل تھے، فقہ واصول میں ماہر اور حدیث و رجال میں تبحر رکھتے تھے، الجوہر النقی میں انہوں نے سنن بیہقی پر بطریق معارضہ مناقشات اور بیہقی کے نقد و نظر اور رجال و روایات کی تصحیح و تضعیف میں تساہل اور استدلال و استنباط کی بعض خامیوں کا تذکرہ اور اسی نوع کے بعض دوسرے تعقبات کئے ہیں، یہ حاشیہ دو حصوں میں ہے۔ ترکمانی کے بعض استدراکات اور تنقیدیں ضرور اہم ہیں لیکن بعض میں بحث و کلام کی گنجائش ہے۔ زین الدین قاسم بن قطلوبغا حنفی نے ترصیع الجواہر النقی کے نام سے حروف معجم پر اس کی تلخیص کی تھی مگر وہ ناتمام رہ گئی تھی۔

بیہقی و سنن بیہقی پر اعتراض

امام بیہقی پر کئے جانے والے اعتراضات میں تعصب اور شافعیت میں غلو کا اعتراض اہم اور قابل ذکر ہے۔ ان کے زمانہ میں شخصی تقلید کی بنیاد بھی پڑ چکی تھی، اور فقہی و جماعتی عصبیت میں بڑی شدت بھی پیدا ہو گئی تھی، چنانچہ بعض اکابر علماء کی طرح ان کا دامن کمال بھی اس سے آلودہ نظر آتا ہے، ان کی کتابوں میں شافعیت کی پر زور وکالت اور امام شافعی سے پرجوش عقیدت بہت نمایاں ہو گئی ہے، اس حد تک بھی مضائقہ نہ تھا لیکن بعض مسائل میں ان کا رویہ انصاف اور حق پسندی پر مبنی نہیں معلوم ہوتا۔ علاوہ ازیں انہوں نے معرفۃ السنن والآثار میں حنفی مذہب کے ممتاز و مجتہد امام طحاوی پر یہ اعتراض کیا ہے، کہ انہوں نے بعض کمزور حدیثوں کی جو ان کی رائے کے موافق تھیں تصویب اور بعض صحیح حدیثوں کی اپنی رائے و مسلک کے خلاف ہونے کی وجہ سے تردید کی ہے" یہ اعتراض بے جا ہے۔ اس کتاب کی پہلی جلد میں امام طحاوی کے تذکرہ میں اس پر تبصرہ گذر چکا ہے۔

تاہم امام بیہقی نے سنن میں بعض جگہ شوافع کے مسلک اور امام شافعی کے آراء کو مرجوح بھی قرار دیا ہے۔ کہیں کہیں امام شافعی کے ان اقوال کو صحیح اور اولیٰ قرار دیا ہے، جو متعارف اور مشہور قول کے خلاف ہوتے ہیں جیسے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ امام شافعی مسح میں تکرار کے قائل تھے، لیکن امام بیہقی نے اس کی تردید کی ہے، بعض جگہ انہوں نے امام شافعی کے قول کی

Marfat.com

تردید کرکے ان کی جانب سے توجیہہ پیش کی ہے، جیسے صیام عن المیت کے باب میں مختلف روایتیں اور حدیثیں بطور دلیل نقل کر کے ان کے قول کی تردید کی ہے، مگر آخر میں ان کی جانب سے یہ عذر بھی پیش کیا ہے کہ :

ولو وقف الشافعی رحمہ اللہ علی جمیع طرقھا ونظائرھا لم یخالفہا ان شاء اللہ [1]	اور اگر امام شافعیؒ ان تمام حدیثوں کے طرق سے واقف ہوتے، تو ان کی مخالفت نہ کرتے

اسی طرح انہوں نے سنن میں اپنے مسلک ومذہب کے مخالف اقوال اور دوسرے فقہا کے مذاہب کی مؤید حدیثیں بھی اسی فراخدلی کے ساتھ بیان کی ہیں، جس طرح وہ خود اپنے مذہب ومسلک کی موافق روایتیں نقل کی ہیں، یہ الگ بحث ہے، کہ ان کے نزدیک روایات کا پایہ اور درجہ کیا ہے۔

---

[1] سنن بیہقی ج ۴

Marfat.com

امام ابن عبدالبر قرطبی

(متوفی سنہ ۴۶۳ھ)

نام ونسب | یوسف نام، ابوعمر کنیت اور ابن عبدالبر عرفیت ہے۔ صحیح شجرہ نسب یہ ہے یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم[1]

ولادت | بروز جمعہ ۲۵ ربیع الآخر سنہ ۳۶۸ھ کو پیدا ہوئے[2]

خاندان ووطن | ابن عبدالبر کا وطن قرطبہ ہے جو اندلس کا پایہ تخت اور دنیائے اسلام کا عظیم الشان اور ممتاز شہر ہے، گو آپ کا مولد بلاد مغرب ہے، لیکن آباء و اجداد عرب منژاد اور قبیلہ نمر بن قاسط سے تعلق رکھتے تھے، آپ کے والد بزرگوار ابومحمد عبداللہ (متوفی سنہ ۳۸۰ھ) قرطبہ کے اکابر علماء و فقہاء اور ممتاز لوگوں میں تھے، ان کو شعر وادب سے بھی شغف تھا[3] ابن عبدالبر کی نشوونما اسی [illegible] کمال باپ کی آغوش...... میں ہوئی تھی، وہ وطن کی نسبت سے قرطبی اور خاندان کی نسبت سے نمری کہلاتے ہیں۔

اساتذہ | حافظ ابن عبدالبر نے جن ائمہ کمال سے استفادہ کیا تھا ان کے نام یہ ہیں۔

ابوذر یا اشعری، ابوسعید نصر، ابوعمر باجی، ابوعمر طلمنکی، ابوالقاسم بن ابوجعفر، ابومحمد بن اسد، ابوالولید بن فرضی، ابراہیم بن نصر، ابوعمر احمد بن حسور، احمد بن فتح الرسان، احمد بن قاسم بزاز، حسین بن یعقوب، خلف بن سہل، ابوالقاسم خلف بن قاسم، سعد بن نصر، سعید بن قزاز، ابوزید عبدالرحمن

۱؎ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ۲؎ ابن خلکان ج ۲ و تدریب الراوی ۳؎ الدیباج المذہب

بن یحییٰ، عبد اللہ بن محمد جہنی، ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن عبد المومن، ابو عبد اللہ محمد بن مالک بن ضیفون عبد الوارث بن سلیمان، یحییٰ بن وجہ الجنة۔

دور دراز کے حسب ذیل علماء نے ان کو روایت حدیث کی اجازت تحریراً عطا کی تھی، ابو ذر ہروی، ابو الفتح بن سیبخت، عبد الغنی منذری مصری، ابو القاسم عبد اللہ بن سقطی مصری اور ابو محمد نحاس مصری وغیرہ ان کو حافظ ابو الولید بن فرضی کی خدمت میں رہنے اور استفادہ کرنے کا زیادہ موقع ملا۔ ان سے حدیث، رجال اور ادب وغیرہ علوم حاصل کئے[1]

تلامذہ | ابن عبد البر سے جن لوگوں نے استفادہ کیا تھا ان کے نام یہ ہیں:۔

ابو العباس دلائی، ابو عبد اللہ حمیدی، ابو محمد بن ابی قحافہ، ابو احمد جعفر بن حجاف (امیر بلنسیہ) ابو علی حسین بن احمد غسانی، ابو بحر سفیان بن عاصی، ابو داؤد سلیمان بن ابو القاسم مقری، ابو الحسن طاہر بن مفوز، محمد بن فتوح انصاری[2]

رحلت وروایت حدیث کی ابتداء | ان کے علم وفن کی تحصیل اور سماع حدیث کی ابتداء کب ہوئی؟ اس کا پتہ نہیں چلتا، تاہم وہ اپنے معاصر خطیب کی ولادت کے وقت علم حدیث کی تحصیل میں مشغول ہو چکے تھے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے بچپن ہی میں اس فن کی تحصیل شروع کر دی تھی، بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ وہ نہ اندلس سے باہر تشریف لے گئے، اور نہ ان شتر علماء کے علاوہ جو اس زمانہ میں یکتا تھے کسی کو دیکھا اور نہ ان کے علاوہ کسی سے علم حاصل کیا، لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کا قیام عموماً زیادہ اندلس ہی میں رہا اور انہوں نے بلاد مغرب کے باہر قدم نہیں نکالا، مگر اندلس کے شرق وغرب اور مغرب کے اکثر شہروں میں تشریف لے گئے، چنانچہ مختلف وقتوں میں دانیہ، بلنسیہ اور شاطبہ میں سکونت اختیار کی، ان پر علم کا شوق ہمیشہ مستولی رہا، اور وہ کبھی علم کی طلب وتحصیل سے غافل نہیں ہوئے[3]

---

[1] کتاب الانساب وتذکرة الحفاظ ج ۳ وابن خلکان ۲ والدیباج ج ۱ [2] تذکرہ والدیباج حوالۂ سابق

[3] تذکرة الحفاظ ج ۳ وابن خلکان ج ۲ والدیباج المذہب، دبستان المحدثین

Marfat.com

حفظ وضبط اور ثقاہت علامہ ابن عبدالبر کے حفظ وضبط اور ثقاہت و اتقان پر محدثین اور ائمۂ فن کا اتفاق ہے۔ حفظ و اتقان میں سرآمد روزگار اور تمام معاصرین سے فائق ہونے کی بنا پر حافظ اندلس کہلاتے تھے، ابوالولید باجی فرماتے ہیں کہ اہل مغرب میں ان سے بڑھ کر نامور و ممتاز حافظ حدیث اور کوئی نہ تھا۔ صاحب دیباج لکھتے ہیں کہ اندلس کی سرزمین میں وہ سنن ماثورہ کے سب سے بڑے حافظ تھے، اہل سیر نے ان کی توثیق و تعدیل کرتے ہوئے ان کو ثقہ و ثبت بتایا ہے۔

حدیث میں درجہ و مرتبہ تمام علمائے فن نے حدیث میں ان کے کمال و امتیاز کا اعتراف کیا ہے، گو ان کو متعدد علوم سے مناسبت تھی، لیکن زیادہ اور اصلی اشتغال و انہماک اسی فن سے تھا اس لئے حدیث و رجال میں وہ نہایت ممتاز تھے، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مغرب کے باہر قدم نہیں رکھا مگر اس کے باوجود بقول شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ان کا پایہ خطیب، بیہقی اور ابن حزم جیسے ارباب کمال و اساطین فن سے کمتر نہیں تھا، بلکہ وہ بعض حیثیتوں سے ان سب میں ممتاز تھے۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ وہ حدیث و آثار کے حافظ اور ان کے متعلق علوم میں امام عصر تھے۔ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ مکثر حفاظ میں تھے، نیز علم حدیث و رجال کے ممتاز عالم تھے، انہوں نے فن حدیث میں ایسی مہارت اور پختہ استعداد بہم پہنچائی کہ متقدمین علمائے اندلس پر گو سے سبقت لے گئے۔ ابوالولید باجی کا بیان ہے کہ اندلس میں ابوعمر سے زیادہ حدیث میں بلند پایہ شخص نہیں تھا، صاحب دیباج رقمطراز ہیں کہ وہ علمائے اندلس کے شیخ اور محدث کبیر تھے، غسانی فرماتے ہیں کہ ابن عبدالبر کہتے تھے کہ ہمارے شہر میں قاسم بن محمد اور احمد بن خالد حباب کے ہم پایہ اور ہمسر کوئی شخص نہیں حالانکہ وہ خود ان لوگوں سے کمتر نہ تھے۔

حدیث میں ان کی عظمت و بلند پائیگی کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابن صلاح اور نووی نے ائمہ صحاح کے بعد کے سات اہم اور برگزیدہ محدثین کی فہرست میں ان کا نام بھی لکھا ہے اور شاہ عبدالعزیزؒ نے مالکیہ میں ان کو سب سے بڑا صاحب کمال شارح حدیث قرار دیا ہے

ؒ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و ابن خلکان ج ۲ و الدیباج المذہب و بستان المحدثین

ان کے علوئے اسناد سے بھی ان کے کمال کا پتہ چلتا ہے تمام محدثین نے ان کی اس خصوصیت
ذکر کیا ہے. علامہ ذہبی لکھتے ہیں امامت فن کی طرح علوئے اسناد کا بھی ان پر خاتمہ ہو گیا۔
کے علوئے اسناد کی بناء پر کہا جاتا ہے کہ (و کان سندہ مما یتنافس فیہ) یعنی ان کی سن
قابل رشک ہوتی ہیں. ان کے عوالی اسناد میں ابوداؤد کی سنن اور زعفرانی کی کتاب کا خصوصی
سے ذکر کیا جاتا ہے، کیونکہ ان کے اور ان مصنفین کے درمیان دو ہی واسطے ہیں[1]

رجال اور جرح و تعدیل میں امتیاز حافظ ابن عبدالبر کی حدیث میں جلالت قدر کا ثبوت
بھی ہے کہ وہ اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کے ماہر تھے. محدثین اور علمائے رجال
حدیث کی طرح اسماء الرجال سے بھی ان کے شغف کا ذکر کیا ہے. ابوعبداللہ حمیدی فرماتے
وہ علوم حدیث و رجال کے عالم تھے. حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ ان کی سند عالی اور وہ توثیق
تضعیف کے ماہر تھے، انہوں نے موطا کی جو شرحیں لکھی ہیں، ان سے ان کی حدیث اور جرح
تعدیل دونوں میں مہارت کا پتہ چلتا ہے. بعض اہل علم کا خیال ہے کہ ابن عبدالبر نے متن و سند
تصحیح مرسل و مسند کی تمیز، موصول و منقطع میں تفریق اور ضعفاء و ثقات میں امتیاز کر کے صحیح و سقیم
پوری کوشش سے الگ کر دیا اور مخفی و مستور حدیثوں کا کھوج لگا کر ان کے علل کی نشاندہی ا
اسقام و عیوب پر متنبہ کر دیا. موطاء کے شروح سندوں کی وضاحت پر خاص توجہ مبذول کی
اور مرسل و منقطع اور بلاغات موطاء پر لطیف بحث و کلام کیا ہے[2]

تفقہ و اجتہاد فقہ میں بھی نہایت ژرف نگاہ اور صاحب بصیرت تھے، ابوعلی غسانی ک
ہیں کہ ہمارے استاد ابن عبدالبر قرطبی نے اپنے وطن میں فقہ کی تحصیل کی اور اس میں نمایا
قابلیت اور بصیرت پیدا کی اور مشہور فقیہہ ابوعمر احمد بن عبدالملک بن ہاشم اشبیلی کی صحبت اختیا
کی اور ان سے مسائل کی تحصیل کی، ابن خلکان اور ذہبی نے علم حدیث و اثر کی طرح فقہ میں
ان کے تقدم اور فقہی بصیرت کا ذکر ہے، ابوعبداللہ حمیدی فرماتے ہیں کہ وہ فقیہہ اور اخلاقیات کے
عالم تھے۔

---

[1] تذکرۃ ج ۳ و ابن خلکان ج ۲، الدیباج [2] ایضاً فہرس الفہارس

ابن عبدالبر اپنے فقہی کمالات کے اعتبار سے مرتبۂ اجتہاد پر فائز تھے ، حافظ سید عبدالحئی کتانی تحریر فرماتے ہیں کہ وہ ائمہ مجتہدین کے مقام و مرتبہ پر فائز تھے ، اور مالکی ہونے کے باوجود بعض مسائل میں دوسرے ائمہ کے ہمنوا اور بعض میں منفرد رائے رکھتے تھے ۱؎

دیگر علوم | اوپر گذر چکا ہے کہ ابن عبدالبر تنہا فقیہ حدیث ہی میں ممتاز نہ تھے ، بلکہ ان کو متعدد علوم و فنون سے مناسبت تھی ، چنانچہ قرأت و تفسیر ، تاریخ و انساب ، سیر و اخبار اور ادب و عربیت وغیرہ مختلف علوم میں اچھی دست گاہ رکھتے تھے ، ان کے سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ علم انساب و اخبار میں ید طولیٰ رکھتے تھے ، ذہبی نے ان کو عربیت ، ادب اور معانی و بیان میں تبحر کا ذکر کیا ہے ، اور صاحب مطلع الانفس کا بیان ہے کہ فن ادب میں ان کا تبحر مسلم ہے ۲؎

شعر و سخن | شعر و سخن کی طرف بھی میلان تھا ، چند شعر ملاحظہ ہوں ۔

تذکرت من یبکی علی مداوما — فلم ار الا العلم بالدین والخبر

علوم کتاب اللہ والسنن التی — اتت عن رسول اللہ مع صحۃ الاثر

وعلم الاولی من ناقدیہ وفہمنا — لما اختلفوا فی العلم بالرای والنظر

ترجمہ : میں نے اس چیز کو یاد کیا جو مجھ پر ہمیشہ بکا کرتی رہے تو دین و حدیث کے سوا اور کوئی چیز مجھے نظر نہیں آتی یعنی اللہ کی کتاب ، اور رسول اللہ سے بطریق صحت مروی [illegible] اور نقاد ان فن کے علوم ، اور خود ہماری فہم و بصیرت ان چیزوں کے بارے میں جن کے علم میں لوگوں نے اختلاف رائے کیا ہے ۔

یہ دو شعر بھی ان سے منسوب ہیں : ۔

مقالۃ ذی نصح وذات فوائد — اذا من ذوی الالباب کان استماعہا

علیکم بآثار النبی فانہ — من افضل اعمال الرشاد اتباعہا

۱؎ تذکرہ ج ۳ و ابن خلدون ج ۳ ، الدیباج ، فہرس الفہارس ۲؎ تذکرہ [illegible]

ج ۲ ، والدیباج و مطلع الانفس

ترجمہ: عقلمندوں کی پُر عظمت اور فائدہ مند گفتگو کو سن لو، رسول اللہ کے آثار و حدیث کی پیروی کو لازم سمجھو کیونکہ تمام اعمال رشد سے بڑھ کر اس کا اتباع ہے۔

دو شعر اور ملاحظہ ہوں :-

اذا ھان حر عند قوم اتاھم ولم ینأ عنھم کان اعمی واجھلا

ولم تضرب الامثال الا العالم وما عوتب الانسان الا لیعلا[۱]

ترجمہ: جب کوئی شریف آدمی کسی قوم کے نزدیک ذلیل ہو جائے اور پھر بھی یہ ان سے دور نہ ہو تو وہ اندھا، اور جاہل ہے اور مثلیں تو عالم ہی کے لئے بیان کی جاتی ہیں اور انسان کو فہمائش ہی کے لئے جھڑکا جاتا ہے۔

اعتراف کمالات علامہ ابن عبدالبر کی عظمت شان، بلند پائیگی اور علمی کمالات کا تمام معاصرین فضلاء، ائمہ فن اور ارباب سیر نے اعتراف کیا ہے، ذہبی نے احد الاعلام اور صاحب شذرات نے العلامۃ العلم لکھا ہے، سمعانی کا بیان ہے کہ وہ جلیل القدر امام فاضل تھے، صاحب تذکرہ نے ان کو الامام و شیخ الاسلام بتایا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ اندلس میں وہ بڑے عظیم مقام و مرتبہ کے مالک تھے، ان کی شہرت کا ساری دنیائے اسلام میں غلغلہ تھا، لوگ ان کے پاس سماع کے لئے سفر کر کے آتے اور تمام علمائے زمانہ کے علمی کمالات کے سامنے سرنگوں ہو جاتے سید عبدالحئی کتانی فرماتے ہیں، ان کی تصنیفات ان کی وسعت علم، قوت فہم اور ابتکار ذہن کا ثبوت ہیں، شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں کہ وہ بلاد مغرب کے کبار اور منتخب علماء میں تھے، ان کا علمی پایہ خطیب بیہقی اور ابن حزم سے کم نہیں تھا حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے علمی کمالات کی وجہ سے نہایت مقبول، مرجع انام، یگانۂ روزگار اور امام وقت سمجھے جاتے تھے[۲]

فقہی مذہب بلاد مغرب کے اکابر و فضلاء کی طرح وہ بھی امام دارالہجرت کے مکتب فقہ و اجتہاد سے وابستہ تھے، عبدالحئی کتانی لکھتے ہیں کہ وہ مالکی تھے اور مالکیہ کے لئے قابل فخر تھے، اوپر گذرا ہے کہ

---

[۱] بستان المحدثین [۲] کتاب الانساب، العبر ج ۲، شذرات ج ۳، تذکرہ ج ۳، فہرس الفہارس و بستان المحدثین

ن میں اجتہادی شان تھی اس لئے مسائل میں آزادانہ غور و فکر کرکے مستقل رائیں رکھتے تھے پہلے
وہ اثری و ظاہری تھے، پھر مالکی ہوئے اور آخر تک اسی پر قائم رہے مگر مالکی ہونے کے باوجود
س مذہب کے جامد مقلد نہ تھے، چنانچہ بعض مسائل میں وہ شافعیہ کے ہمنوا تھے، حافظ ذہبی اور
بوعبداللہ حمیدی نے امام شافعیؒ کے اقوال و مذاہب کی طرف ان کے میلان کا ذکر کیا ہے۔ ان کے
س میلان کی وجہ سے ابن کثیر نے ان کا طبقات الشافعیہ میں تذکرہ کیا ہے۔ ان کی بعض تصنیفات
ں بھی شافعی مذہب کی جانب میلان کی جھلک موجود ہے، مثلاً مالک و شافعی کے اختلاف پر
ہوں نے جو کتاب تالیف کی ہے، اس میں شافعی مذہب کی طرف ان کا رجحان نظر آتا ہے
ی طرح رسالۃ الجہر بالبسملۃ میں بھی انہوں نے شوافع کے مذہب کی تائید کی ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے
، وہ مالکی تھے، البتہ ان میں اجتہادی بصیرت تھی اور ان کا شمار صاحب اختیار فقہا میں ہوتا ہے
سی لئے اپنے مذہب کے خلاف شوافع کی جانب ان کے میلانات کو قابل رد و انکار نہیں قرار
دیا گیا ہے۔ سید عبدالحئی کتانی لکھتے ہیں کہ ابن عبدالبر کی تصنیفات کے تتبع و استقراء سے معلوم ہوتا ہے
کہ وہ اندھی تقلید سے دور تھے۔ اور امام مالک کے مذہب و اصول سے مراجعت کرکے اپنے
عتماد پر کوئی قول اختیار کرتے تھے [1]

عہدۂ قضاء | فقہی جامعیت اور اجتہادی بصیرت کی وجہ سے محکمۂ قضا بھی ان کے سپرد کیا گیا
چنانچہ مظفر بن افطس کے زمانۂ امارت میں وہ اشبونہ اور شنترین کے قاضی رہے [2]

امراء و وزراء سے تعلقات | امراء و سلاطین سے تعلقات بھی تھے، اور ان کے ہدایا و تحائف
ابن عبدالبر کے پاس آتے تھے۔ شاطبیہ کے زمانۂ قیام میں کچھ لوگوں نے سلطان کے دستر خوان
پر کھانا کھانے اور اس کے ہدایا و تحائف قبول کرنے کی وجہ سے اعتراض کیا تو انہوں نے اس کے
رد میں اشعار کہے اور متعدد صحابۂ کرام، تابعین اور فقہاء نے حنفاء کا اس کے متعلق طرز عمل بیان کر
کے واضح کیا کہ یہ حضرات بھی امراء و سلاطین کے تحائف قبول کرتے تھے [3]

[1] تذکرہ ج ۲ و بستان و فہرس الفہارس [2] ابن خلکان ج ۳ و تذکرہ ج ۳ [3] نفح الطیب

تدین علم وفضل کی طرح ورع وتدین میں بھی ممتاز تھے، مؤرخین نے ان کے صدق، دیانت حسن عقیدہ، عفت، پاکدامنی اور اتباع سنت کا ذکر کیا ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں کہ جو صدق ودیانت، حسن عقیدہ اور اتباع سنت ان کے حصہ میں آیا وہ کسی اور کے حصہ میں کم آیا ہے[۱]

ابتلاء وآزمائش حافظ ابن عبدالبر کو ابتلاء وآزمائش سے بھی دوچار ہونا پڑا، چنانچہ وہ اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر اندلس اور مغرب کے دوسرے علاقوں میں چلے گئے۔ ابن خلکان اور صاحب دیباج لکھتے ہیں کہ:۔

رحل عن وطنہ فی الفتنہ فجال الغرب الاندلس[۲] — فتنہ کے وقت وہ اپنے وطن سے رحلت کرکے مغربی اندلس چلے گئے۔

لیکن اس کی مزید تفصیل معلوم نہیں ہوسکی کہ ان کو کس بناء پر ابتلاء کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

وفات اسی غریب الوطنی میں اندلس کے ایک شہر شاطبہ میں داعی اجل کا پیغام آگیا، اور ۹۵ سال سے زیادہ عمر میں جمعہ کا دن گزار کر ربیع الآخر کی آخری تاریخ کو ۴۶۳ھ میں انتقال ہوا[۳] انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اولاد آپ کی اولاد میں ابو محمد عبداللہ بن یوسف کا ذکر ملتا ہے۔ یہ بھی ذی کمال اور صاحب تصنیفات تھے، ارباب سیر لکھتے ہیں کہ یہ ادب وبلاغت کے فن کے عارف اور شاعر تھے سنہ وفات ۴۸۰ھ بتایا جاتا ہے[۴]

تصنیفات وہ ممتاز اور بلند پایہ مصنف تھے، تصنیف وتالیف کا ان کو فطری اور عمدہ ذوق تھا، علامہ ابن خلکان فرماتے ہیں کہ "تصنیف وتالیف میں توفیق الٰہی اور تائید ایزدی ان کے شامل حال تھی" "اللہ تعالیٰ نے ان کی کتابوں سے بڑا فائدہ پہنچایا" علامہ ابن حزم کا بیان کہ "ان کی کتابیں مختلف حیثیتوں سے اہم اور بے مثال ہیں، حافظ ابن کثیر رقم طراز ہیں کہ "ابن عبد

۱؎ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ وبستان المحدثین ۲؎ تاریخ ابن خلکان ج ۳ والدیباج

۳؎ تذکرۃ الحفاظ ج ۳، العبر ج ۳، ابن خلکان ج ۳ ۴؎ ابن خلکان ج ۳

Marfat.com

عمدہ اور عظیم الشان کتابوں کے مصنف تھے[1]۔ سید عبدالحئی کتانی لکھتے ہیں کہ وہ عدیم النظیر مصنف تھے، ان کی تصنیفات کو بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی جن کتابوں کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں:۔

(۱) البستان فی الاخدان (۲) البیان عن تلاوۃ القرآن یا البیان فی تاویلات القرآن[2] (۳) کتاب اخبار ائمۃ الامصار (سات جزوں کے بقدر) (۴) اختصار تاریخ احمد بن سعید (۵) اختصار التحریر (۶) اختصار التمییز لمسلم (۷) کتاب اختلاف اصحاب مالک ابن انس واختلاف روایاتہم عنہ (چوبیس جزوں میں) (۸) کتاب الاستظہار فی حدیث عمار (۹) کتاب الشواہد فی اثبات خبر الواحد (ایک جز میں) (۱۰) کتاب الفرائض (۱۱) کتاب المدخل فی القرآت یا کتاب التجوید والمدخل الی علم القرآت بالتجرید (دو جزوں میں (۱۲) فہرست الشیوخ۔

(۱۳) کتاب جمہرۃ الانساب۔ یہ عربی قبائل وانساب کے بیان میں ہے[3]۔

(۱۴) الاحتیال بما فی شعر ابی العتاہیۃ من الامثال۔ کتب خانہ شیخ الاسلام (مدینہ) میں اس کا قلمی نسخہ ہے[4]۔

(۱۵) الاجوبۃ الموعبۃ۔ اسی کا نام الاجوبۃ المرعیۃ علی المسائل المستغربۃ من صحیح البخاری بھی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں صحیح بخاری کے مشکلات حل کئے گئے ہوں گے۔

(۱۶) کتاب العقل والعقلاء۔ موضوع نام سے ظاہر ہے۔ اس میں عقل اور عقلاء کے بارے میں علماء وحکماء کے ملفوظات ایک جز میں درج ہیں۔

(۱۷) کتاب الکنیٰ۔ اس میں ان رواۃ کا ذکر ہے جو ناموں کے بجائے کنیتوں سے مشہور رہیں اسی لئے بعض لوگوں نے اس کا نام کتاب اسماء المعروفین بالکنیٰ لکھا ہے، یہ سات جزوں میں ہے۔

(۱۸) کتاب الاکتفاء فی قرأۃ نافع وابی عمرو۔ اس میں قراء سبعہ کے ان دونوں ائمہ کے اختلافات کی توجیہہ اور ان کے دلائل بیان کئے گئے ہیں، یہ ایک جزو میں ہے۔

(۱۹) کتاب الدرر فی اختصار المغازی والسیر۔ اس میں رسول اللہ کے حالات اور

---

[1] ابن خلکان ج ۲ و نفح الطیب ج ۲ و تذکرۃ الحفاظ ج ۳ والبدایہ ج ۱ [2] کشف الظنون ج ۱
[3] ابن خلکان ج ۳ [4] مقالات سلیمان ج ۲

Marfat.com

غزوات کے واقعات تحریر کئے گئے ہیں۔ یہ دراصل ابن اسحٰق و ابن عقبہ کی کتابوں کا خلاصہ ہے
کتب خانہ خدیویہ مصر میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے[1]، اور اب شائع ہو چکی ہے۔

(۲۰) کتاب بہجۃ المجالس وانس المجالس۔ اس میں ادب و محاضرات کی بلند پایہ کتابوں
نادر واقعات، دلچسپ حکایتیں، منتخب اشعار اور حکیمانہ اقوال جمع کئے گئے ہیں۔ ایک سو چوبیس ابوا
پر مشتمل یہ رسالہ دو یا تین جلدوں میں ہوگا۔ ابن خلکان نے اس کتاب کے مندرجہ ظریفانہ واقعا
نقل کئے ہیں۔ اس کے بعض اجزا چھپ گئے ہیں۔

(۲۱) کتاب الکافی۔ صاحب کشف الظنون نے اس کا نام کافی فی فروع المالکیہ لکھا ہے
یہ فقہ مدینہ اور مذہب مالکی کے فروع و جزئیات میں ایک مبسوط کتاب ہے جو پندرہ[2] یا ستّو
جزوں پر مشتمل ہے، اس میں ان باتوں کا ذکر ہے، جن کی معرفت مفتی کے لئے ضروری ہے
مدینے کے کتب خانہ سیدنا عثمانؓ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے[3]

(۲۲) القصد والامم۔ پورا نام القصد والامم فی التعریف باصول انساب العرب والعجم و م
اول تکلم بالعربیۃ من الامم ہے، اس سے موضوع کا پتہ چل جاتا ہے، یعنی بُعد وطن، مرور ا
اور امتداد زمانہ کی وجہ سے عربی و عجمی قبائل و اقوام کے حسب و نسب میں گڈمڈ اور خلط ملط
ہوجانے کا ذکر ہے[4]، ابتدا میں یہ بحث کی گئی ہے کہ سب سے پہلے کس شخص نے عر
میں بات چیت کی۔ یہ رسالہ ۱۳۵۰ھ میں قاہرہ سے چھپا ہے۔

(۲۳) الانباہ علی قبائل الرواۃ۔ یہ دراصل استیعاب کا دیباچہ ہے، اس میں اُن اہم قبا
کا ذکر ہے، جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت و اتصال اور روایت کرنے کا شر
حاصل ہوا ہے، مصنف کا خود بیان ہے کہ اس میں انہوں نے مندرجۂ ذیل اصحاب کی کتا
سے استفادہ کیا ہے۔

---

[1] فہرست کتب خانہ خدیویہ مصر جلد ۵ و تذکرۃ النوادر [2] ابن خلکان ج ۲ [3] مقالات سلیمان
[4] مقدمہ القصد والامم

(۱) ابوبکر محمد بن اسحٰق (۲) ابوالمنذر ہشام بن محمد بن سائب کلبی (۳) ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ۔
(۴) محمد بن عبدہ بن سلیمان، (۵) محمد بن حبیب، (۶) ابوعبداللہ احمد بن محمد بن عبید عددی۔
(۷) زبیر بن بکار (۸) مصعب بن عبداللہ زبیری (۹) علی بن کیسان کوفی (۱۰) علی بن عبدالعزیز
جرجانی۔ (۱۱) عبدالملک بن حبیب اندلسی۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب بڑی محنت و مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ اس میں مذکورہ بالا حضرات کے اقوال کے علاوہ احادیث و آثار اور اہل اخبار و سیر کے بیانات بھی شامل ہیں۔ اور عرب کے مختلف قبائل کے انساب کی اہمیت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ القصد والامم کے ساتھ یہ کتاب بھی ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوئی ہے، جلال الدین سیوطی نے اس کا ذیل لکھا تھا۔

(۲۴) **الانصاف فیما فی بسم اللہ من الخلاف** ۔ اس میں بسم اللہ کے متعلق صحابہ و تابعین، ائمہ سلف اور فقہا کے مذاہب کے مسالک و اختلافات نقل کئے گئے ہیں کہ وہ سورۂ فاتحہ کی آیت ہے یا نہیں؟ اور نماز میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ اس کو بھی پڑھنا چاہیئے یا نہیں اور اگر پڑھنا چاہیئے تو زور سے یا آہستہ سے۔ نیز وہ تمام قرآنی سورتوں کی آیت ہے یا صرف سورۂ نمل کی؛ مصنف نے ان امور کے متعلق تین مستقل مذاہب تحریر کئے ہیں کہیں کہیں ان مذاہب کے جزوی اختلافات کا ذکر بھی آگیا ہے، ہر ہر مذہب کے دلائل اور اس کی مؤید حدیثیں بھی جمع کی گئی ہیں، اس سے مصنف کی غیر جانبداری کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ رسالہ ۱۳۴۳ھ میں مصر سے شائع ہوا تھا۔

(۲۵) **الانتقاء فی فضائل الثلاثة الفقہاء مالک والشافعی وابی حنیفہ** } یہ فقہ اسلامی کے ائمہ ثلاثہ کے فضائل و مناقب اور اوصاف و کمالات کا مجموعہ اور تین جزوں پر مشتمل ہے پہلے جز میں امام مالک کا دوسرے میں امام شافعی کا اور تیسرے میں امام ابوحنیفہ کا تذکرہ ہے۔ مصنف نے ان اساطین فقہ کے تذکرہ میں ضمناً ان کے نامور تلامذہ اور ممتاز اصحاب کا بھی

لہ ملاحظہ ہو مقدمہ کتاب ہذا۔ لہ کشف الظنون ج ۱

Marfat.com

مختصر تذکرہ شامل کر دیا ہے، یہ رسالہ مکتبہ قدسی قاہرہ سے ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوا ہے، شروع میں
مصنف کے مختصر حالات بھی درج ہیں۔

(۲۶) **جامع بیان العلم وفضلہ**۔ یہ علم کی حقیقت، علماء کی فضیلت وعظمت اوران کے
فرائض وغیرہ کے متعلق ایک مفید اور جامع کتاب ہے، اس میں طلب علم کی اہمیت اس کے
ضروری آداب، طلبہ، شیوخ اور علماء کے اوصاف اور دین میں علم ونظر، فکر واستدلال، قیاس واجتہاد
فہم وبصیرت اور دلیل وبرہان کی ضرورت اور تقلید واتباع کا فرق واضح کیا گیا ہے، اور بحث و
مباحثہ، قیاس ورائے اور تقلید کی مختلف قسموں پر گفتگو کر کے یہ دکھایا گیا ہے کہ ان کی کون سی
صورتیں پسندیدہ اور...... کون سی ناروا اور ناپسندیدہ ہیں، مصنف نے ان امور کے متعلق
روایات وآثار اور سلف صالحین کے اقوال کا عمدہ ذخیرہ جمع کر دیا ہے، اور روایتوں کی صحت و
سقم اور سند دل کی قوت، وضعف پر فنی کلام بھی کیا ہے، یہ کتاب ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی
تھی۔ احمد بن عمر محمصانی بیروتی ازہری نے اس کا مختصر شائع کیا ہے، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی
مرحوم نے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے ایماء سے اس مختصر کا اردو ترجمہ کر کے ندوۃ المصنفین
سے شائع کیا تھا، اس کے مقدمہ میں انہوں نے اسلام سے پہلے اور بعد کی علمی حالت، اسلام میں
علم کی اہمیت اور مسلمانوں کے علم وفن میں اشتغال وانہماک کا ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن عبدالبر نامور محدث تھے خصوصاً حدیثوں کی شرح وتوجیہ میں وہ بڑے ممتاز سمجھے
جاتے ہیں، مالکیہ میں اس پایہ کا اور کوئی شارح حدیث نہیں گذرا انہوں نے موطاء امام مالکؒ کی کئی
..... شرحیں لکھی تھیں، ذیل میں ان شرحوں کے متعلق معلومات درج کئے جاتے ہیں۔

(۲۷) کتاب الاستذکار۔ اس کا پورا نام الاستذکار بمذاہب علماء الامصار فیما تضمنہ الموطاء من معانی
الرای والآثار ہے، یہ مصنف کی عظیم الشان شرح تمہید کا خلاصہ اور اسی کی طرح شروح حدیث
میں بڑی اہم کتاب خیال کی جاتی ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں:-

"یہ موطا کی بہترین اور عمدہ شرحوں میں ہے، اس کے ابواب کی تنسیق میں بڑی فنی مہارت سے کام لیا گیا ہے، اور مختصر ہونے کی وجہ سے نہایت مقبول و متعارف ہے"[1]

مدینہ کے کتب خانہ محمودیہ اور سیدنا عثمانؓ کے علاوہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں[2]

(۲۸/۲) **التغطا بحدیث الموطا** }
(۲۹/۲) **التقصی لحدیث الموطا** } بعض لوگوں نے ان دونوں کو ایک ہی تصنیف قرار دیا ہے، لیکن یہ دو مستقل کتابیں معلوم ہوتی ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کا بیان ہے کہ التغطا، موطا کی احادیث مسند و متصل کے انتخاب و ترتیب و بیان اور التقصی موطا کی منقطع، مرسل، منفصل اور بلاغات کے وصل و رفع و اسناد پر مشتمل ہے[3] صاحب کشف الظنون کے بیان سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے[4]

التقصی امام مالک کے شیوخ کے ناموں پر مرتب کی گئی ہے، باجی اور ابو عمران فارسی نے اس کو قابسی کے ملخص پر ترجیح دی ہے مدینہ کے کتب خانہ شیخ الاسلام عارف حکمت بے میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے[5]

التغطا کے متعلق کتانی نے لکھا ہے کہ یہ مرسل، منقطع اور معضل روایات کے ذیل میں ہے، موطا میں جو حدیثیں بلغنی عن الثقہ کہہ کر مسند بیان کی گئی ہیں ان کی تعداد اکسٹھ ہے۔ ان میں سے چار کے علاوہ سب دوسرے طرق سے مروی ہیں[6]

(۳۰/۲) **تجرید** ۔ یہ کتاب التمہید کا دیباچہ یا مختصر ہے، جو ۱۳۵۰ھ میں مکتبۂ قدسی قاہرہ سے چھپی ہے۔ اس کا نام ٹائیٹل پر "تجرید التمہید لما فی الموطا، من المعانی والاسانید او التقصی لحدیث الموطا و شیوخ مالک" درج ہے اور ناشر نے اس کو تمہید کا خلاصہ بتانے کے بعد یہ بھی لکھا ہے، کہ اس کا دو ناموں تجرید التمہید او التقصی سے موسوم کیا جانا عجیب نہیں ہے، کیونکہ پہلے زمانہ میں مصنفین عموماً اسی طور پر نام رکھتے تھے[7]

---

[1] بستان المحدثین [2] مقالات سلیمان جلد دوم، فہرست کتب خانہ خدیویہ مصر جلد ا [3] حیات مالک [4] کشف الظنون ج ۲ [5] مقالات سلیمان جلد دوم [6] الرسالۃ المستطرفہ [7] تجرید

اس بیان سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہیئے کہ تمہید اور تقصی ایک ہی کتاب ہے، کیونکہ تجرید کے مقدمہ سے بداہتہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تمہید کا مقدمہ یا خلاصہ ہے، چنانچہ مصنف لکھتے ہیں:۔

"تمہید کی طوالت کی وجہ سے ہم نے موطاء کی احادیث وسنن کو اس میں علیحدہ جمع کر دیا ہے، اور مسند، مرسل، متصل و منقطع کو ممیز کر دیا ہے، کیونکہ یہ سب امام مالک اور ان کے اتباع کے نزدیک حجت و واجب العمل ہیں...... پس اس کو کتاب التمہید کا ایک ایسا آسان مدخل (مقدمہ) خیال کرنا چاہیئے، جس میں امام مالک کے رواۃ کے وصل و ارسال پر مختصراً تنبیہ کی گئی ہے[۱]"

اس کی ترتیب حروف معجم کے مطابق ہے، اور اس میں امام مالک کے شیوخ کے نام، نسب، کنیت، سنین وفات، روایت میں ان کا درجہ، ضبط و ثقاہت، ان سے امام مالک کی مرویات کی تعداد، حدیثوں کے رفع واتصال اور وقف وانقطاع اور اسناد وارسال پر بحث کی گئی ہے، اور حدیثوں کا متن بھی دیا گیا ہے، اور آخر میں بلاغات ومراسیل کا علیحدہ باب ہے، مطبوعہ نسخہ کے اخیر میں تمہید کے بعض اجزاء بھی شامل کئے گئے ہیں۔

امام مالک کے رواۃ کے متعلق تجرید ایک عمدہ کتاب ہے۔

(۳/۵) **التمہید لما فی الموطاء من المعانی والاسانید**۔ یہ موطاء کی ضخیم اور عظیم الشان شرح ہے، اس کو حدیث کی عمدہ اور بہترین شرحوں میں خیال کیا جاتا ہے، اسی کی بدولت حافظ ابن عبدالبر کو ممتاز محدث اور مالکیہ میں سب سے بلند پایہ شارح حدیث قرار دیا گیا ہے۔ ابن خلکان نے اس کو ستر[۷۰] جزوں پر مشتمل بتایا ہے، بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ پندرہ[۱۵] یا بیس[۲۰] جلدوں میں تھی، اس کی اہمیت کا اندازہ علمائے فن کے ان بیانات سے ہوتا ہے۔

علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ "فقہ حدیث میں ایسی عمدہ کتاب میری نظر سے نہیں گذری"۔

---

[۱] تجرید۔

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ" ابن عبدالبر سے پہلے کسی نے ایسی عظیم الشان کتاب نہیں ...ھی۔"

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ رقم طراز ہیں "یہ فقہ حدیث میں نادرۂ روزگار اور روشن ضمیر مجتہدوں ...لئے سرمۂ بصیرت ہے، مذہب مالکی کے متعلق تنہا یہی کتاب کافی ہے[۲]۔"

مولانا محمد سورتی مرحوم اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں "شروح حدیث میں ابن ...دالبر کی قابل قدر اور بہترین کتاب ہے جس کی نظیر اب تک کوئی شرح نہیں دیکھی گئی۔ ابن حزم ...ے اس کی بے حد تعریف کی ہے اور یہ اس کا استحقاق بھی رکھتی ہے ...... یہ کتاب اپنے فن ...لاجواب اور اعلیٰ ترین علمی کارنامہ ہے[۳]۔"

اس کی ترتیب بھی امام مالکؒ کے رواۃ اور شیوخ کے ناموں پر کی گئی ہے۔ اور اس میں ...طا کی حدیثوں کی تشریح، ان کے معانی و مطالب کی وضاحت اور اس کی اسانید کی تحقیق کے ...ادہ فقہ و حدیث ...... کے گوناگوں فوائد و نکات تحریر کئے گئے ہیں، مصنف کا خود بیان ہے کہ:

"ہم نے تمہید میں سنن و روایات کے معانی و وجوہ اور ان کی بابت علماء کے آراء و مذاہب ...فصیل سے لکھے ہیں۔ اس لئے یہ شرح بہت طویل ہو گئی ہے، علاوہ ازیں اس میں شواہد و ادلہ کی کثرت ...ہے، شروع میں امام مالک کے فضائل و کمالات، نقل و روایت حدیث میں ان کی احتیاط اور ...پان ہیں اور حدیث کے اصول و ضوابط بیان کئے گئے ہیں۔ موطا کے مراسیل کا وصل ...قہ راویوں کے طرق سے بیان کر دیا گیا ہے، تاکہ مراسیل کی صحت پوری طرح ظاہر ہو جائے[۴]۔"

شاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلوی لکھتے ہیں کہ" اس کی ترتیب و تصحیح میں ابن عبدالبر نے موطا ...کے بارہ مستند اور مشہور نسخوں سے مدد لی تھی[۵]۔" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے کتنی محنت و جانفشانی اور کس قدر اہتمام سے یہ شرح لکھی تھی۔

تجرید کے مطبوعہ ایڈیشن کے آخر میں اس کے اجزاء جو شائع کئے گئے ہیں ان میں سے

---

[۱] نفح الطیب ج ۲ و تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و ابن خلکان ج ۲ والدیباج المذہب و بستان المحدثین [۲] معارف فروری ...

اندازہ ہوتا ہے، کہ یہ بڑی مفید، محققانہ اور معلومات افزا شرح ہے، مگر غالبًا ابھی تک یہ بے نظیر شرح شائع نہیں ہوئی ہے، تمہید کے جو قلمی نسخے ہندوستان، حجاز اور مصر کے بعض کتب خانوں میں موجود ہیں وہ ناقص ہیں۔

تمہید کی اہمیت اور ضخامت کی وجہ سے اس کے مختصرات لکھے گئے، خود مصنف نے استذکار و تجرید کے نام سے اس کے دو خلاصے لکھے تھے جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، صاحب کشف الظنون نے ابوالولید، سلیمان بن خلف باجی (م ۴۷۴ھ) شیخ زین الدین عمر حلبی اور ابو علی حسن ابن رشیق قیروانی (م ۴۵۶ھ) کے مختصرات کا ذکر کیا ہے [1]

(۳۲) **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب** ۔ یہ نہایت مفید اور اہم کتاب ہے اور مغرب کی طرح بلاد مشرق میں بھی اس کا آوازۂ شہرت پوری طرح بلند تھا، اور لوگ اس کو بڑی قدر و عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس میں ۳۵۸۵ صحابہ کرامؓ کے حالات و مناقب بیان کئے گئے ہیں۔ اس سے پہلے بھی صحابہ کرامؓ کے حالات میں کئی مستقل کتابیں لکھی جا چکی تھیں، مگر استیعاب کو ان میں یک گونہ اہمیت حاصل ہے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

"ابوعبداللہ بن مندہ، ابونعیم اور قاضی ابوعمر بن عبدالبر کی کتابیں زیادہ مشہور و مقبول اور متاخرین کی کتابوں کا ماخذ ہیں [2]"

علامہ ابن اثیر جزری (م ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:۔

"صحابہ کے حالات میں بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں، مگر سب میں جامع ابن مندہ ابونعیم اور ابن عبدالبر قرطبی کی کتابیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، ان کی تصنیفات عمدہ اور سعی بلیغ کا نتیجہ ہیں...... اس لئے میں نے ان کے مواد و محتویات کو یکجا کر کے ان میں بعض اضافے کرنے کا ارادہ کیا ہے" [3]

حافظ ذہبی ابن اثیر کی کتاب کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:۔

---

[1] کشف الظنون ج ۲ [2] مقدمہ الاصابہ [3] مقدمہ اسد الغابہ

Marfat.com

"اسد الغابہ ان تمام صحابہ کے ناموں پر مشتمل ہے جو معرفت صحابہ میں لکھی جانے والی چاروں
[...]دں میں مذکور رہیں، یہ ابن مندہ اور ابو عمر بن عبد البر کی کتابوں کا ذیل ہونے کے باوجود بعض
[...]اور مفید اضافوں پر مشتمل ہے[1]"

اس موضوع کی عظیم الشان اور معرکۃ الآرا کتاب حافظ ابن حجر کی الاصابہ فی تمیز الصحابہ ہے،
[...]عد میں لکھے جانے کی وجہ سے بڑی جامع اور مکمل ہے، تاہم قدماء کی تصنیفات خصوصاً ابن عبد البر
[...]کتاب اس کا بھی ماخذ ہے، صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں:۔

جمع فیہ مافی الاستیعاب و ذیلہ[2] — جو کچھ استیعاب میں ہے، اصابہ اس کی جامع بھی ہے اور اس پر ذیل بھی۔

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ معرفت صحابہ میں لکھی جانے والی اہم کتابوں میں استیعاب
[...]ہے، بلکہ ابن مندہ اور ابو نعیم کی کتابوں پر اس کو یک گونہ ترجیح بھی حاصل ہے، علامہ ابن حزم کا
[...]ن ہے کہ معرفت صحابہ میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں، لیکن متقدمین میں کسی کی کتاب ابن عبد البر
[...]کتاب کے ہم پایہ نہیں ہے" باجی سے منقول ہے کہ اس موضوع پر کوئی کتاب استیعاب کے
[...]بر نہیں ہے، ابن خلکان اور صاحب دیباج لکھتے ہیں کہ "اس فن میں یہ مفید اور بلند پایہ کتاب ہے[3]"

دوسرے متقدمین کی طرح اب ابن مندہ اور ابو نعیم کی کتابیں بھی معدوم اور ناپید ہیں مگر
[...]عبد البر کی کتاب موجود ہے اس کے بعد جو کتابیں لکھی گئیں ان میں ابن اثیر اور حافظ ابن حجر کی
[...]یں جو محفوظ رہ گئی ہیں، بڑی اہم اور جامع ہیں، تاہم استیعاب کو زمانی تقدم حاصل ہے۔

ترتیب استیعاب کو حروف معجم کی ترتیب کے مطابق علیحدہ علیحدہ ابواب پر مرتب کیا گیا
ہے لیکن مصنف کا تعلق بلاد مغرب سے ہے، اور اہل مغرب کے یہاں حروف معجم کی ترتیب
[...]مشرق سے مختلف ہے، اس لئے اس میں اسی کا لحاظ کیا گیا ہے، پہلے ناموں اور کنیتوں
کے لحاظ سے صحابہ کرام کا اور آخر میں ناموں اور کنیتوں کے اعتبار سے صحابیات کا ذکر ہے۔

[3] وفیات الاعیان ج ۳ والدیباج المذہب

[1] تجرید اسماء الصحابہ [2] کشف الظنون ج ۱

ہر حرف کے خاتمہ کے بعد جداگانہ فصل قائم کر کے اسی حرف کے باقی ماندہ اسماء کو بلا ترتیب باب الافراد کے عنوان کے تحت جمع کیا ہے۔

صحابہ کرامؓ سے پہلے شروع میں مصنف نے تبرک کے خیال سے رسول اللہ صلی اللہ کا بھی مختصر اور جامع تذکرہ لکھا ہے۔

مقصد تصنیف | ابن عبدالبر نے استیعاب کی تصنیف کی یہ وجہ لکھی ہے:۔

کتاب اللہ کی مراد کو واضح کرنے کا اصل ذریعہ اور اس کے بعد سب سے اہم اور مو سنن نبوی کا علم ہے، اور سنت کے حفظ وضبط میں سب سے زیادہ مفید و معاون چیز رسول کے حواری وصحابہ کی معرفت ہے، کیونکہ انہی لوگوں کے نقل و بیان، سے سنتیں ہم تک پہنچی ہیں یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان واسطہ ہیں، ان کی فضیلت تعدیل اور تزکیہ کا خود اور رسولؐ نے ذکر کیا ہے[1]۔"

شرائط | صحابی کی تعریف میں محدثین اور علماء کا اختلاف ہے۔ مصنف نے جس معیار اور شر مطابق صحابہ کے ناموں کو اس میں جمع کیا ہے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

"صحابی کی تعریف میں ہم نشینی ...... صحبت اور مجالست وغیرہ کی جو قید بیان کی گئی ہے نے اس پر اکتفاء نہیں کیا ہے بلکہ اس میں مزید وسعت دے کر ان لوگوں کو بھی شامل کر لیا ہے جنہوں نے حالت ایمان میں آپ سے ملاقات کی تھی، خواہ ان کی ملاقات ایک ہی دفعہ کی ہو اسی طرح جن لوگوں نے آپ کو ایک بار دیکھا تھا یا آپ سے کوئی ایک لفظ سن کر بیان کیا ہے اور یہ اصول روایت کے مطابق ہم تک پہنچا ہے یا جو لوگ آپ کے عہد میمون میں مسلمان والدین کے یہاں پیدا ہوئے اور آپ نے ان کو دیکھ کر ان کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی جن لوگوں نے آپ پر ایمان لا کر آپ کی خدمت میں صدقات بھجوائے مگر خود آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکے ان سب کا ہم نے تذکرہ کیا ہے[2]۔"

---

[1] مقدمہ استیعاب ج ۱ [2] ایضاً و خاتمہ ج ۲

خصوصیات | استیعاب کی بعض نمایاں اور اہم خصوصیات یہ ہیں :-

(۱) قدماء کی کتابوں کی غیر ضروری تفصیل اور واقعات کے تکرار نے صحابہ کے صحیح مقام و مرتبہ ان کے اصلی واقعات و کارنامے اور حقیقی فضائل و کمالات کو اوجھل کر دیا ہے، لیکن استیعاب میں اختصار کے ساتھ ضروری نکات اور مفید مباحث ہی درج کئے گئے ہیں تاکہ قاری غیر متعلق بحثوں میں الجھے بغیر اصل مقصود سے خاطر خواہ واقف ہو جائے۔

(۲) یہ ان کتابوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہے، جو اس سے پہلے لکھی گئی تھیں مگر اختصار کے باوجود اس قدر جامع ہے کہ اس کو پڑھنے کے بعد ان طویل و ضخیم کتابوں کو پڑھنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اس اعتبار سے قدماء کی ناپید کتابوں کی اس سے تلافی ہو گئی ہے، اس میں ان کے مختلف بیانات نقل کر کے مشہور و مرجح قول کی تعیین و تصریح بھی کی گئی ہے۔

(۳) گو اس کتاب کا اصل مقصد صحابہ کرامؓ کے سادہ واقعات زندگی بیان کرنا ہے، تاہم اس ضمن میں ان کے انساب و احساب کے متعلق معلومات اور روایات و اسناد پر اصول روایت کے مطابق محققانہ بحث و کلام بھی کیا گیا ہے وہ خود لکھتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرامؓ کے ناموں اور اہم واقعات کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ ان سے واقف ہو جانے کے بعد علم و معرفت حدیث میں بھی پورا درک حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں مرسل و مسند وغیرہ کے متعلق مفید معلومات ہیں

(۴) استیعاب نہایت معتبر و مستند کتاب ہے، مصنف کا خود بیان ہے کہ میں نے اس کی تالیف میں علمائے سیر و انساب کے مشہور اقوال کو نقل کرنے میں ان معروف و معتبر کتابوں پر اعتماد کیا ہے، جن پر علماء نے اسلامی عہد کے وقائع و احوال اور اہل اسلام کے سیر و سوانح کی معرفت کے سلسلہ میں اعتماد کیا ہے، اسی طرح اس میں ہر جہت کی تمام کتابوں یا تمام روایات سے جو کچھ مصنف کو معلوم ہو سکا اس کو تحقیق و انتخاب کے بعد شامل کیا ہے، مصنف نے مقدمہ میں ان تمام کتابوں کا ذکر کیا ہے جو ان کا ماخذ تھیں، اس سے ان کی دقت و تحقیق

لہ خاتمہ ص ۱

اور وسعت علم و نظر اور کثرت مطالعہ وغیرہ کا اندازہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعد میں یہ تمام کتابوں کا ماخذ بن گئی ہے۔

تلخیصات و ذیول استیعاب کی اہمیت کی وجہ سے اس کے مختصرات و ذیول بھی لکھے گئے، اور دوسری زبانوں میں اس کے ترجمے بھی کئے گئے، بعض خلاصوں کے نام یہ ہیں:۔

(۱) شہاب الدین احمد بن یوسف بن ابراہیم اذرعی مالکی نے روضۃ الاحباب فی مختصر الاستیعاب لکھا[۱]

(۲) محمد بن یعقوب بن محمد بن احمد خلیلی نے اعلام الصحابہ با علام الصحابہ کے نام سے اختصار و تلخیص کی[۲]

(۳) شیخ ابو محمد زکی الدین بن عبد القوی مندری شافعی مصری (م ۶۵۶ھ) نے استیعاب کے مختصر کا مختصر لکھا، اس کا قلمی نسخہ رام پور کے کتب خانہ میں ہے[۳]

(۴) ابن ابی طی یحییٰ بن حمیدہ حلبی (م ۶۳۰ھ) نے استیعاب کی تہذیب و تنقیح کی تھی[۴]

(۵) سلطان احمد خان عثمانی نے اپنے امام مولی مصطفیٰ کو اس کے ترجمہ کا حکم دیا لیکن وہ حرف ح تک مکمل کرنے کے بعد انتقال کر گئے۔ ان کے بعد مولی کمال الدین محمد بن احمد المعروف لبطاش کبری زادہ نے اس کو شروع کر کے حرف را تک مکمل کیا تھا کہ سلطان کی وفات ہوگئی اور ترجمہ ناقص رہ گیا[۵]

جامعیت کے باوجود استیعاب میں بعض صحابہ کے حالات رہ گئے تھے اس لئے بعض اصحاب علم نے اس کے ذیول لکھے۔

(۱) ابوبکر بن فتحون مالکی اندلسی (متوفی ۵۱۹ھ) نے جو قاضی عیاض کے شیوخ میں ہیں ایک عمدہ اور سیر حاصل ذیل لکھا، اس میں ابو عمر کے شرائط کے مطابق ان پر استدراک کر کے

---

[۱] فہرست کشف الظنون ج ۱ [۲] الرسالۃ المستطرفہ [۳] فہرست کتب خانہ رام پور ج ۱
[۴] و [۵] کشف الظنون ج ۱

...ردناموں کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۲) ابن فتحون کے معاصر ابو اسحٰق بن امین نے بھی ذیل لکھا تھا۔

۲) ابو القاسم محمد بن عبد الواحد غافقی غرناطی (متوفی ۶۱۹ھ) نے ذیل لکھا۔

۱) ابو الحجاج یوسف بن محمد بن مقلد جماہری (متوفی ۵۵۵ھ) نے الارتجال فی اسماء الرجال
...نام سے ذیل لکھا، اس میں استیعاب پر استدراک بھی کیا گیا ہے[1]

اس گرانمایہ کتاب کو دائرۃ المعارف حیدرآباد نے پہلی دفعہ دو جلدوں میں ۱۳۱۸-۱۹ھ
شائع کیا، دونوں جلدوں کے صفحات کی مجموعی تعداد ۸۰۸ اور ۹۲ صفحے فہرست کے ہیں
...نا حسن بن احمد حنفی نے تصحیح کی اور مختصر حواشی لکھے ہیں، دوسری مرتبہ اس کو ابن حجر کی اصابہ
...حاشیئے پر مصر سے ۱۳۲۸ھ میں چار جلدوں میں شائع کیا گیا ہے۔

...ک شبہہ کا ازالہ

حافظ ابن حجرؒ اصابہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔
ابن عبد البر نے اس خیال سے کہ انہوں نے متقدمین کی کتابوں کے تمام
...و معلومات کو اس میں شامل کر دیا ہے۔ اس کا نام استیعاب رکھا ہے، لیکن اس میں بہت
...ے صحابہ کا ذکر نہیں آسکا ہے، اسی لئے اس کے متعدد ذیول لکھے گئے ہیں:

اس بیان سے استیعاب کی عظمت و اہمیت میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ فی الواقع اس
...ے اندر کوئی خاص اعتراض کی بات ہے کیونکہ اس کا تجزیہ کرنے سے دو باتیں معلوم
...تی ہیں:۔

(۱) چونکہ یہ متقدمین کی کتابوں کے مباحث و معلومات پر مشتمل ہے اس لئے اس کا
...م استیعاب رکھا گیا ہے۔

(۲) اس میں بہت سارے صحابہ کا تذکرہ نہیں ہے۔

پہلے جز سے کوئی الزام ثابت نہیں ہوتا۔ دوسرے جز میں جو اعتراض کی بات معلوم

[1] کشف الظنون ج ۱ و الرسالۃ المستطرفۃ

Marfat.com

ہوتی ہے وہ اسی وقت درست ہوسکتی ہے جب ابن عبدالبر نے یہ دعویٰ کیا کہ انہوں نے
اس میں تمام صحابہ کے ناموں کا احاطہ کرنے کی وجہ سے اس کا نام استیعاب رکھا ہے،
لیکن جب اُن کا یہ دعویٰ ہی نہیں ہے، بلکہ انہوں نے اس کا نام استیعاب اس لئے رکھا
ہے کہ یہ متقدمین کی کتابوں کے مباحث کو حاوی ہے، علاوہ ازیں ان کا خود یہ بیان بھی
کہ مجھے امید ہے کہ میری یہ کتاب ان لوگوں کی نسبت سے جن کا اس میں تذکرہ ہے
نیز دوسرے فوائد کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر ثابت ہوگی اور اس کے مطالعہ میں
و بیان وغیرہ کے لحاظ سے دشواری بھی کم پیش آئے گی تاہم میں احاطہ و استقصاء کا دعویٰ
نہیں کرتا بلکہ اس تقصیر کا اعتراف کرتا ہوں جو انسان کا خاصہ ہے[1]، اس بناء پر یہ بیان
واقعہ تو صحیح ہوسکتا ہے، لیکن بطور اعتراض درست نہیں ہوسکتا۔

---

[1] مقدمہ استیعاب

Marfat.com

امام ابوبکر خطیب بغدادی

متوفی ۴۶۳ھ

نام و نسب: احمد نام، ابوبکر کنیت، خطیب لقب اور سلسلۂ نسب یوں ہے:
احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت[۱]۔

ولادت و وطن: امام ابوبکر خطیب کی ولادت پنج شنبہ کے دن ۲۴ جمادی الاخری ۳۹۲ھ کو عراق کے قریہ درزیجان میں ہوئی۔ یہ بغداد کے قریب اس کے مغرب جانب دریائے دجلہ کے کنارے ایک بڑا گاؤں تھا[۲] لیکن امام صاحب کی اصل نشوونما دنیائے اسلام کے مشہور و عظیم الشان شہر دار السلام بغداد میں ہوئی۔ اسی لئے وہ بغدادی کہلاتے ہیں۔ ان کے والد بزرگوار کو علم و فن خصوصاً حدیث سے اشتغال و مناسبت تھی، اور وہ درزیجان میں خطیب تھے۔ اسی لئے یہ ان کے اور ان کے فرزند کے نام کا جزو ہو گیا تھا، امام سمعانی کہتے ہیں کہ خطیب کی نسبت منبر پر خطبہ دینے کی طرف ہے، اس نسبت سے جو علماء و محدثین منسوب ہیں، ان میں ابوبکر احمد زیادہ مشہور ہیں۔

اپنے صاحب علم و کمال باپ کی توجہ سے ابوبکر خطیب بچپن ہی سے علم و فن کی تحصیل میں منہمک ہو گئے تھے[۳]۔

---

[۱] ابن خلکان ج ۱ ص ۴۶ [۲] معجم البلدان ج ۴ [۳] کتاب الانساب، طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۱۲

Marfat.com

اساتذہ خطیب کے اساتذہ میں مختلف اسلامی ملکوں اور مرکز حدیث کے فضلاء شامل ہیں، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں :

ابراہیم بن مخلد باقرجی، ابونصر احمد بن حسین کسار، ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، ابوبکر جری، ابوحازم عبدوی، ابوسعید مالینی، ابوعمر بن مہدی فارسی، ابوالفتح بن ابوالفوارس، ابوالحسن بن زرقویہ، ابوالحسن بن صلت اہوازی، ابوالحسن بن عبدکویہ، ابوالحسین بن بشران، ابوالحسین بن تیم، حسین بن حسن جوالیقی، ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن سراج، ابوعمر قاسم بن جعفر ہاشمی، محمد بن عبداللہ شہریار، محمد بن عیسیٰ اور ہلال حفار وغیرہ۔

علوم فقہ کی تحصیل ابوالحسن محاملی، قاضی ابوالطیب طاہر بن عبداللہ طبری اور ابونصر بن صباغ اور شیخ ابواسحٰق، وغیرہ سے کی، امام ابوداؤد صاحب سنن کے وہ دو واسطوں سے شاگرد ہیں۔

تلامذہ خطیب کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے، ان میں بعض بیہقی ہیں جن سے خود خطیب کو شرف تلمذ حاصل ہے، احمد بن احمد متوکلی، ابوبکر احمد بن محمد برقانی، ابوبکر بن خاضبہ، ابوعبداللہ حمیدی، ابوالفضل بن خیرون، ابوالقاسم ازہری، ابومنصور بن خیرون، ابونصر بن ماکولا، طاہر بن سہل، اسفرائنی، عبداللہ بن احمد سمرقندی، عبدالرحمٰن بن محمد شیبانی، عبدالعزیز بن احمد کتانی، عبدالکریم ابن ہمزہ، عبیداللہ بن احمد بن عثمان، علی بن احمد بن قیس غسانی، مبارک بن طیوری، محمد بن علی بن ابوالعلاء مصیصی، محمد بن مرزوق زعفرانی، ابوالفتح نصراللہ بن محمد مصیصی، ہبتہ اللہ بن عبداللہ شرطی یوسف بن ایوب ہمدانی۔

علامہ سمعانی فرماتے ہیں کہ میں نے خطیب کے پندرہ تلامذہ سے سماع کیا ہے اور حافظ ابن عساکر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کو چوبیس شاگردوں سے شرف تلمذ حاصل ہے۔[1]

رحلت وسفر خطیب اپنے علم وفن کے دلدادہ والد ماجد کی ترغیب وتشویق سے بچپن ہی سے تحصیل علم میں لگ گئے تھے، ۴۰۳ھ میں گیارہ

---

[1] کتاب الانساب طبقات الشافعیہ ج ۳ تذکرہ ج ۳

Marfat.com

سال کے ہوئے تو ان کے والد نے باقاعدہ حدیث کا سماع شروع کرایا۔ اس کے بعد بیس سال کی عمر تک وہ اپنے وطن ہی کے علماء و اساطین فن سے کسب فیض کرتے رہے۔ اس کے بعد بصرہ، کوفہ، نیشاپور، اصفہان، دینور، ہمدان، رے، مکہ، مدینہ، دمشق، قدس اور صور تشریف لے گئے۔

خطیب کو علم و فن سے اشتغال اور مطالعہ حدیث کا شوق اتنا زیادہ تھا کہ راستہ چلتے تھے تو ان کے ہاتھ میں کسی نہ کسی کتاب کا جزو ہوتا تھا۔ اور وہ اس کو پڑھتے رہتے تھے۔[1]

حدیث میں درجہ و مرتبہ

خطیب کی حدیث میں متعدد تصنیفات ہیں گو ان کا پایہ زیادہ بلند نہیں ہے۔ تاہم خطیب کا شمار محدثین اور حفاظ میں ہوتا ہے۔ علمائے فن نے ان کے حفظ و ضبط، ثقاہت و اتقان اور روایت و درایت میں اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔

ابوسعد بن سمعانی کا بیان ہے کہ وہ ثقہ، متحری، حجت اور کثیر الضبط تھے۔ اور ان پر حفظ و ضبط کا خاتمہ ہو گیا۔ ابوالعینان رواسی کا بیان ہے کہ وہ اس فن میں امام تھے۔ ان کے جیسا باکمال کوئی شخص میں نے نہیں دیکھا۔ خطیب کے نامور شاگرد ابن ماکولا جو علم حدیث و رجال میں بہت ممتاز تھے، فرماتے ہیں کہ "حدیث رسول کی معرفت، حفظ و ضبط اتقان اور فنون علل و اسناد، صحیح و غریب، فرد و منکر اور سقیم و غیر معتبر روایتوں کی شناخت اور تمیز میں وہ آخری اور نامور محدث تھے، جن کو ہم نے دیکھا ہے۔ درحقیقت اہل بغداد میں امام دارقطنی کے بعد ان جیسا صاحب کمال محدث پیدا نہیں ہوا۔ میں نے صوری سے خطیب اور ابونصر سجزی کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے واضح طور پر خطیب کو افضل اور برتر قرار دیا۔ ہم کو اس فن میں جو کچھ حاصل ہوا وہ دراصل اسی امام فن کے فیض و برکت کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ المنتظم ج ۸

مؤتمن ساجی فرماتے ہیں کہ بغداد میں امام دارقطنی کے بعد خطیب سے بڑا حافظ حدیث پیدا نہیں ہوا"، ابوعلی بردانی کا بیان ہے کہ شاید خطیب نے بھی اپنے جیسا صاحب فن نہ دیکھا ہو، ابواسحٰق شیرازی فرماتے ہیں کہ "خطیب معرفت و حفظ حدیث میں دارقطنی اور ان کے ہم پایہ لوگوں کے ہمسر تھے"۔ ابواسحٰق شیرازی خطیب کے اساتذہ میں تھے، لیکن وہ ان کی مہارت فن اور احادیث میں بلند پائے گی کی وجہ سے ان کے نہایت مداح و معترف تھے، ایک دفعہ خطیب ان کے درس میں حاضر ہوئے تو شیخ نے ایک حدیث بحر بن کثیر سقا کے واسطے سے بیان کر کے کہا کہ ان کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ خطیب نے ادب سے ان کا حال بیان کرنے کی استاد سے اجازت لی۔ اس وقت شیخ ان کے سامنے سنبھل کر نہایت ادب سے شاگرد کی طرح بیٹھ گئے، جب خطیب نے شرح و بسط سے ان کا حال بیان کیا تو شیخ ابواسحٰق نے بے اختیار آفرین کہا اور فرمایا کہ خطیب اپنے وقت کے دارقطنی ہیں"۔ علامہ سمعانی لکھتے ہیں کہ وہ متقدمین حفاظ اور ائمہ کبار یحییٰ بن معین، علی بن مدینی اور احمد بن ابی خثیمہ وغیرہ کے ہم پایہ اور علامہ عصر تھے اور اپنے اقوال و منقولات اور تصنیفات کے جمع و انتخاب میں ثقہ، حجت صدوق اور معتمد تھے"۔

ابن عبدالبر کی طرح جو خطیب کے معاصر، نہایت بلند پایہ محدث اور اپنے کمالات کی وجہ سے حافظ مغرب کہلاتے تھے، یہ بھی اپنے زمانہ میں حافظ مشرق کہلاتے تھے"، شجاع ذہلی کا بیان ہے کہ وہ بے نظیر محدث تھے"، سعید مودب فرماتے ہیں کہ وہ کثیر الروایت اور جمع و تحریر حدیث پر خاص دھیان دینے والے ثقہ، ضابط، متقن اور نہایت باخبر محدث تھے۔ علامہ ابن صلاح اور حافظ نودی نے ائمہ صحاح کے بعد جن سات اکابر محدثین کا ذکر کر کے ان کی تصنیفات کو بیش قیمت اور پُر منفعت قرار دیا ہے اُن میں طبقہ ثانیہ کے لوگوں میں خطیب کا نام بھی لیا ہے، علامہ ابن کثیر ان کو مشاہیر محدثین میں بتاتے ہیں، اور ابن خلکان فرماتے ہیں کہ "وہ حفاظ متقنین میں تھے"۔ ابوالحسن ہمذانی نے خطیب کی وفات کو "علم حدیث کی مو

ردیا ہے"۔ ابن جوزی کا بیان ہے کہ" وہ فنون حدیث میں فائق تھے، اُن پر یہ علم تمام ہو
یا"۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ" وہ امام و حافظ و کبیر اور شام و عراق کے محدث تھے۔ ضبط و اتقان
رحفظِ حدیث کا ان پر خاتمہ ہو گیا"۔ علامہ ابن سبکی اور ابوبکر بن ہتبہ اللہ نے بھی ان کی مہارتِ
ن، عظمتِ شان اور حدیث میں امامت و جلالت کا ذکر کیا ہے۔

خطیب کی حدیث میں عظمت اور بلند پائے گی کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جرح و
تعدیل کے فن میں یکتا اور روایات و احادیث کی شناخت و تمیز میں ماہر تھے۔ حدیث، رجال، جرح و تعدیل
اور اصول اسناد و روایات میں ان کی کئی کتابیں ہیں، حدیث کے متعلقہ علوم میں شائد ہی کوئی ایسا
فن ہو جس میں انہوں نے کتابیں نہ لکھی ہوں، حدیث میں ان کے وثوق و اعتبار کا اس سے بڑا
ثبوت اور کیا ہو گا کہ بادشاہِ وقت نے یہ فرمان جاری کر دیا تھا کہ" واعظین، علماء اور محدثین ان کے
سامنے پیش کئے بغیر کوئی حدیث نہ بیان کریں، جس حدیث کی روایت کی خطیب اجازت دیں وہ
بیان کی جائے اور جس کی ممانعت کریں، لوگ اس کو بیان کرنے سے باز رہیں۔

حدیث میں ان کی غیر معمولی بصیرت، گہری تحقیق اور وسیع نقد و نظر کا یہ حال تھا کہ ایک
دفعہ کچھ یہودیوں نے جو خیبر میں رہتے تھے اور حضرت عمر فاروق کے زمانے میں شام کے اطراف و
جوانب میں آباد ہو گئے تھے، خلیفہ کے سامنے ایک خط پیش کیا اور اس کے متعلق دعویٰ کیا کہ وہ
رسول اللہ کا ہے، جس کو حضرت علیؓ نے لکھا ہے، اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر اور بعض
صحابہ کرام کی شہادتیں بھی ثبت تھیں، اس خط کا مضمون یہ تھا کہ "ہم نے یہود کے فلاں فلاں
قبیلے سے جزیہ معاف کر دیا"۔ خلیفہ نے خط کی اصلیت کا پتہ لگانے کے لئے اس کو خطیب
کے پاس بھیجا، انہوں نے اس کو بالکل جعلی اور من گھڑت قرار دیا ہے، وجہ دریافت کرنے پر
بتایا کہ اس میں حضرت امیر معاویہؓ اور سعد بن معاذؓ کی گواہیاں بھی درج ہیں، حالانکہ فتح خیبر کے وقت
حضرت معاویہؓ مسلمان نہیں ہوئے تھے، اور حضرت سعدؓ کو غزوہ خندق میں ایسا کاری زخم لگا
کہ جانبر نہ ہو سکے اور ان کی وفات غزوہ بنی قریظہ کے قریب زمانہ میں ہو گئی تھی، اس لئے وہ

فتح خیبر کے وقت زندہ ہی نہ تھے[1]

فقہ خطیب، ممتاز اور نامور فقیہہ بھی تھے، علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ وہ اصلاً فقیہ تھے، لیکن فن حدیث و تاریخ سے ان کو زیادہ سروکار رہا، اسی لئے ان علوم کا پر غلبہ ہو گیا۔ علامہ ابن سبکی فرماتے ہیں کہ وہ اکابر و اعیان فقہا میں تھے، اور جید و نامور فقہا سے اس فن کی تحصیل و تکمیل کی تھی۔ ان کی تحقیقات سے ان کی فقہی جزرسی کا اندازہ ہوتا ہے

تاریخ حدیث کی طرح تذکرہ و تراجم اور تاریخ بھی ان کا خاص موضوع تھا۔ اس پر ان کی تصنیف شاہد ہیں۔ ان کے سوانح نگاروں نے ان کو بلند پایہ مؤرخ بتایا ہے۔ حافظ ابن کثیر فنِ تاریخ میں اُن کے کمال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "وہ ان لوگوں میں سے تھے، جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ۔

مازلت تدأب فی التاریخ مجتهداً
حتی رأیتك فی التاریخ مکتوباً[2]

قرأت و علم القرآن فن قرأت و تجوید اور علوم قرآنی میں بھی ممتاز تھے۔ بڑے خوش الحان تھے، اور قرآن مجید نہایت ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے۔ مؤرخین نے ان کے حسن قرأت اور فصیح اللہجہ ہونے کا خاص طور پر ذکر کیا ہے[3]

شعر و ادب خطیب اسلامی علوم ہی کے یگانہ و فاضل نہ تھے، بلکہ شعر و ادب میں بھی صاحب کمال تھے، ان کی تصنیفات، ادبی شکوہ، حسن تحریر، لطافت بیان اور سلاست کلام سے معمور ہیں۔ ان کو لغت و اعراب کے فن سے پوری واقفیت تھی، احادیث صحیح اعراب کے ساتھ پڑھتے تھے۔ شعر و ادب کے بڑے عارف تھے اور اس پر ان کی

---

[1] تذکرہ الحفاظ ج ۳ و طبقات الشافعیہ ج ۳ و المنتظم ج ۸ مختلف صفحات و ابن خلکان ج ۱ و کتاب الانساب و البدایہ ج ۱۲ و مقدمہ ابن صلاح و بستان المحدثین وغیرہ۔ [2] البدایہ و النہایہ ج ۱۲
[3] المنتظم ج ۸۔

Marfat.com

ناظر بھی، خود بھی دادِ سخن دیتے تھے۔ یاقوت نے معجم الادباء میں تفصیل سے ان کا
خاص تذکرہ کیا ہے۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ ادب کے واقف کار اور اچھے شاعر تھے
تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں ان کے متعدد اشعار درج ہیں، چند شعر درج ذیل ہیں

ان کنت تبغی الرشاد محضا لامر دنیاک والمعاد

فخالف النفس فی هواها ان الهوی جامع الفساد

ترجمہ: اگر دنیا و عقبیٰ کے معاملہ میں خالص ہدایت کے طالب ہو تو اپنے نفس کی خواہش کی مخالفت
کرو، کیونکہ یہ مفاسد اور برائیوں کا سرچشمہ ہے۔

لا تغبطن اخا الدنیا لزخرفها ولا للذة وقت عجلت فرحا

فالدهر اسرع شیء فی تقلبه وفعله بین للخلق قد وضحا

کم شارب عسلا فیه منیته وکم تقلد سیفا من به ذبحا

ترجمہ: دنیا کی رعنائی و دلفریبی کی وجہ سے دنیا والوں پر رشک نہ کرو اور نہ عارضی لذت و
آسودگی پر اتراؤ، کیونکہ زمانہ کا انقلاب نہایت تیز اور اس کا کارنامہ لوگوں کے سامنے
بہت کھلا ہوا ہوتا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی اور زمانہ کی نیرنگی کا یہ حال ہے کہ
کتنے شہد پینے والے ایسے ہوتے ہیں جن کی اسی سے موت ہو جاتی ہے اور کتنے ایسے
ہیں جو اپنی گردنوں میں حفاظت کے خیال سے تلواریں لٹکائے رہتے ہیں
مگر وہ انہی سے موت کے گھاٹ اتار دیے جاتے ہیں۔

طلبت اخا صحیح الود محضا سلیم الغیب مأمون اللقاء

فلم اعرف من الاخوان الا نفاقا فی التباعد واللقاء

وعالم دهرنا لاخیر فیه تری صورا تروق بلا معانی

ترجمہ: میں نے سچی محبت کرنے والے اور ایسے دوستوں کو تلاش کیا جن کا ظاہر
و باطن یکساں قابل اعتماد ہو تو مجھے اپنے تمام دوستوں میں نفاق اور دوغلے پن کے

Marfat.com

علاوہ کوئی چیز نہیں نظر آئی، اور ہمارے زمانہ کے علماء اس قدر سے قبیح ہیں کہ ان کی صورتیں تو چمکدار ہیں لیکن ان میں کوئی کیفیت و معنی نہیں ہے۔

یہ تو پند و نصائح اور دنیا کی بے ثباتی وغیرہ کے متعلق حکیمانہ اشعار تھے، اب تغزل کی رنگینی و رعنائی ملاحظہ ہو۔

شمس تشبهه والبدر يحكيه — والدر يضحك والمرجان من فيه

ومن سرى وظلام الليل معتكر — فوجهه عن ضياء البدر يغنيه

ترجمہ: میرے ممدوح کا حسن و جمال شمس و قمر سے بڑھ کر ہے، اسی لئے یہ اس کے جمال کی نقل کرتے ہیں، اس کے دانت اتنے آبدار، چمکدار اور خوبصورت ہیں کہ جب وہ ہنستا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موتی و مرجان ہنس رہے ہیں، اگر کوئی شخص گھٹا اندھیری رات میں سفر کرے تو محبوب کے جلوۂ جمال آرا اور رخ زیبا کی تابناکی اس کو بدر کامل کی روشنی سے مستغنی کر سکتی ہے۔

وكم حكيم رآه ظنه ملكا — ورد الفكر فيه انه بشر

ترجمہ: بعض دانشوروں نے اس کی عفت و معصومیت کی وجہ سے اس کو فرشتہ خیال کیا لیکن جب انہوں نے اس کو بغور دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ انسان ہے۔[1]

دیگر کمالات

ان گوناگوں کمالات کے ساتھ ان کا خط نہایت عمدہ اور پاکیزہ تھا اور وہ خطاطی اور خوش نویسی کے لئے مشہور تھے، بڑے فصیح البیان تھے، آواز اتنی بلند تھی کہ جامع منصور میں حدیث بیان کرتے تو آخری کونے میں سنائی دیتی تھی۔

ذہانت و فطانت اور مطالعہ سے دلچسپی

ان کی دماغی قوت و صلاحیت بڑی حیرت انگیز اور ذہانت و ذکاوت نہایت غیر معمولی تھی، ہر وقت علم و مطالعہ کا شغل جاری رکھتے تھے، صبر آزما اور مشقت طلب کاموں میں لگے رہنے کے باوجود علمی مشاغل میں بھی مصروف رہتے تھے، حج کے زمانہ میں

[1] بستان المحدثین

Marfat.com

رآن مجید غروب آفتاب کے وقت تک ختم کر دیتے۔ اس کے بعد لوگ ان کے پاس آتے اور حدیثیں
یان کرنے کی درخواست کرتے تو ذرا بھی کبیدہ خاطر نہیں ہوتے بلکہ پوری [illegible]
ن کو حدیثیں سناتے۔

مکہ کے زمانۂ قیام میں کریمہ بنت احمد مروزی سے جو مرو کے ایک گاؤں کشمیہن کی
الم، عبادت گزار اور صاحب فضل و کمال خاتون اور صحیح بخاری کی مشہور راویہ تھیں [illegible]
رف پانچ روز میں ختم کر دیا، اسی طرح بخاری کے ایک اور مشہور راوی ابو عبد اللہ [illegible]
احمد فربری سے تین مجلس میں اس کو ختم کیا، دو روز مغرب کے وقت سے [illegible]
فجر تک پڑھتے رہتے، تیسرے روز چاشت کے وقت سے شروع کر کے مغرب کے وقت
ت مکمل کر لیا، علامہ ذہبی نے اس حیرت انگیز دماغی قوت اور ذہانت کو [illegible]

وازو مقبولیت

علمی حیثیت سے خطیب کا پایہ بہت بلند تھا۔ ابن خلکان نے ان کو
علمائے متبحرین میں بتایا ہے۔ ان کے علمی کمالات [illegible]
ے کہ بقول سمعانی (فضله اشهر من ان یوصف) ان کو شمار اور بیان نہیں کیا جا سکتا
کمالات نے ان کو امامت اور مقبولیت کا درجہ عطا کیا تھا [illegible]
م امام عصر تھے۔ سمعانی کا بیان ہے وہ بلا شبہ امام [illegible]
ے اپنی مقبولیت اور اعزاز کے لئے اللہ تعالیٰ سے [illegible]
پی کر دعا کی تھی اور ان کی یہ دعا ایسی مقبول ہوئی کہ بغداد میں کسی کو ان کے سامنے بیٹھ
ے بغیر حدیث بیان کرنے کی اجازت نہ تھی۔[1]

لوہ و دبدبہ اور وقار و متانت

علمی کمالات کے ساتھ ان کی شان و شوکت، ظاہری
وجاہت اور رعب داب بھی تھا۔ اور بڑے وقار،
انت اور سنجیدگی سے رہتے تھے۔

---

[1] بستان المحدثین و تذکرۃ الحفاظ ج ۳

علامہ سمعانی لکھتے ہیں:

وكان مهيبا وقورا نبيلا ثقة خير الفضيلة[۱] — ذی ہیبت، باوقار، پرعظمت اور ثقہ و سنجیدہ آدمی تھے۔

ان کی مجلس درس بھی نہایت آراستہ ہوتی تھی، بغداد کی سب سے اچھی اور عمدہ جگہ کو درس کے لیے منتخب کیا تھا۔

زہد و تدین

خطیب زہد و تقویٰ میں بھی نمایاں تھے، عبادات و تلاوت قرآن سے بڑا شغف تھا، اور انفاق فی سبیل اللہ کا ذوق بہت بڑھا ہوا تھا۔ تصنیف و تالیف، درس و تدریس اور مطالعہ حدیث سے جو وقت بچتا وہ عبادت اور تلاوت قرآن میں بسر ہوتا۔ ہر روز و شب میں ایک قرآن مجید ختم کرنے کا معمول تھا۔ اس میں فرق نہیں آنے دیتے، غیر معمولی اوقات و حالات اور سفر میں بھی یہ معمول جاری رہتا۔ چنانچہ حج بیت اللہ کے سفر میں بھی ہر روز غروب آفتاب کے وقت تک مع اعراب و ترتیل کے ساتھ قرآن مجید ختم کر دیتے تھے۔ مستجاب الدعوات تھے، ایک دفعہ زمزم کا پانی پی کر خدا سے تین باتوں کی دعا کی: اول یہ میری کتاب تاریخ بغداد کو شرف قبول اور حسن اعتبار حاصل ہو، دوسرے بغداد کی جامع منصور میں سب سے عمدہ اور مقدس جگہ میں حدیث کی تعلیم و املاء میں مشغول رہنے کی مجھ کو توفیق میسر آئے، اور آخری دعا یہ تھی کہ بشر حافی کی قبر کے متصل ان کے پہلو میں دفن کیا جاؤں، خدا نے ان تینوں دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا[۲]

دولت و ثروت کی فراوانی اور جذبۂ خیر و خیرات

اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیوی اعزاز وجاہت اور مال و دولت سے بھی اچھی طرح نوازا تھا، بڑے دولت مند شخص تھے، لیکن ان کی دولت و ثروت غریب

---

[۱] کتاب الانساب۔ [۲] تبیین کذب المفتری و تذکرہ ج ۳

و رنادار وں کے لیے وقف تھی اصحاب علم اور محدثین کی خدمت کے لئے [illegible]

تھے، حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ وہ حدیث کے طالب [illegible]

کا بیان ہے کہ میں جامع دمشق کے منارہ میں رہتا تھا اور خطیب [illegible]

کتابیں پڑھتا تھا، ایک روز وہ خود مجھ سے ملنے کے لئے [illegible]

باتیں کرنے کے بعد مجھے ایک کاغذ دیا اور کہا یہ اپنی [illegible]

دیکھا تو اس میں پانچ دینار تھے، پھر دوسری دفعہ [illegible]

وفات سے پہلے [illegible]

تقسیم کر دیا [illegible] مسلمانوں کے لئے وقف [illegible]

کے بعد [illegible] صدقہ خیرات کر دیا [illegible]

امرا و وزراء سے تعلقات

[illegible]

زمانہ میں [illegible] خطیب [illegible]

کیا [illegible] حدیث کے [illegible]

تھا [illegible] چلے [illegible]

[illegible] تعلقات ہو گئے تھے [illegible]

کا خوب حق ادا کیا۔

استغنا و بے نیازی

امرا و وزراء سے قربت [illegible]

تھا اور حرص و [illegible]

بے نیازی [illegible] فضل ابن خیرونی کا بیان ہے [illegible]

لہ تذکرۃ [illegible] المنتظم [illegible]

جامع منصور کے اندر ایک نذری شخص ان کے پاس کچھ دینار لے کر آیا اور کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ ہدیہ دیا ہے تاکہ آپ اس کو اپنی ضرورت میں صرف کریں۔ خطیب نے کہا مجھے ضرورت نہیں۔ اس نے کہا غالباً آپ اس کو کم سمجھ رہے ہیں اس لئے اس نے تھیلی کھول کر مصلیٰ پر بکھیر دیا، اس میں تین سو دینار تھے۔ خطیب برافروختہ ہو گئے اور مصلیٰ اٹھا کر دیناروں کو نہایت شکستگی سے زمین پر جھٹک دیا، اور خود مسجد سے باہر چلے آئے۔ اس پر وہ شخص بہت خفیف ہوا۔[1]

فقہی مسلک

خطیب شافعی المذہب تھے۔ حافظ ذہبی نے ان کو اکابر شافعیہ میں بتایا ہے اس لئے مذہب میں ان کے غلو و تعصب کا ذکر بھی کیا جاتا ہے، اس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

عقیدہ

محدثین اور اصحاب روایت کی طرح وہ عقائد میں امام ابوالحسن اشعری کے ہمنوا تھے۔ حافظ ابن عساکر نے تبیین میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وکان یذھب فی (الکلام) الی مذھب ابی الحسن الاشعری[2]	وہ کلام وعقیدہ میں مذہب اشعری کے پابند تھے۔

انتشار و آزمائش

امام ابوبکر خطیب کے زمانہ میں اسلامی ممالک خصوصاً بغداد میں سخت انتشار اور ہیجان برپا تھا۔ ایک طرف شیعہ سنی تصادم اور فقہی مذاہب کے ماننے والوں کے باہمی اختلافات نے ملت اسلامی کا شیرازہ درہم برہم کر دیا تھا اور دوسری طرف حکام و امراء کے اقتدار کی باہمی کشمکش اور افتراق نے حکومت و سلطنت کے نظام کو تہ و بالا کر دیا تھا۔ ان حالات کا اثر خطیب کی زندگی پر بھی پڑا۔ ان کے بعض اعیان دولت سے تعلقات کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔ قائم بامر اللہ کے دور حکومت میں ایسے واقعات

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و طبقات الشافعیہ ج ۳۔ [2] تبیین کذب المفتری

Marfat.com

پیش آئے جن کی وجہ سے کچھ امراء و وزراء ان کے درپے آزار ہو گئے اور ان پر بغداد کی زمین تنگ ہو گئی، اور وہ بغداد چھوڑ کر قید و بند کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔

۴۴۸ھ اور ۴۵۰ھ کے درمیان بغداد میں ارسلان المعروف بہ بساسیری [illegible] کا ایک ترکی غلام اور بغداد کے ترکوں کا سردار تھا۔ آثار و قرائن [illegible] امر اللہ کے خلاف بغاوت کر دی۔ یہ اگرچہ آخر میں مخذول ہوا [illegible] بانی وہ دولت عباسیہ کا تختہ الٹ [illegible] بن گیا تھا [illegible] تھے عراق و خوزستان میں ان کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا [illegible] کے اکثر علاقوں پر اس کا اقتدار و تصرف ہو گیا تھا [illegible] بغداد [illegible] ۴۵۰ھ میں [illegible] دمشق چلے گئے [illegible] وہ شریف [illegible] کی پناہ میں آ گئے۔ شریف نے [illegible] دمشق سے خطیب کی جلاوطنی کا فرمان جاری کر دیا۔ اور [illegible] واپس آ گئے۔[1]

[illegible] خطیب نے [illegible] آخری حصے میں [illegible]

[1] تذکرۃ [illegible] طبقات الشافعیہ الکبریٰ

انہوں نے حدیث کا درس دیتے ہوئے فضائل عباس کی حدیثیں بیان کرنا شروع کیں تو رافضی اور اہلبیت مشتعل ہو گئے یہاں تک کہ انہوں نے خطیب کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن وہ شریف زینبی کی پناہ میں آگئے۔ ان کی کوشش و سفارش سے اگرچہ لوگ ان کے قتل کے ارادہ سے باز آگئے مگر وہ بغداد سے جلاوطن کر دیئے گئے۔[1]

ان دونوں بیانوں میں معمولی اختلاف کے باوجود خطیب کے آلام و مصائب اور مختلف محنتوں میں مبتلا ہونے کی تصریح موجود ہے۔

خطیب کو اپنی فقہی اور جماعتی عصبیت کی وجہ سے بھی ابتلاء و محن سے دوچار ہونا پڑا وہ شافعی المذہب تھے اور حکمت و اشارہ سے ان کے تعلقات بھی تھے، اس کی وجہ سے حنابلہ نے ان کو زد و کوب کیا۔

وفات — ماہ رمضان المبارک ۴۶۳ھ میں بیمار ہوئے، بیماری بڑھتی گئی یہاں تک کہ ذی الحجہ کی ابتدائی تاریخوں میں ان کی حالت زیادہ خراب ہو گئی اور بالآخر دو شنبہ ۷ ذی الحجہ کو اکہتر سال کی عمر میں داعی اجل کا پیام آگیا۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ شوال میں انتقال ہوا۔

دوسرے روز ابو منصور کو تجہیز و تکفین کی گئی جنازہ اٹھانے اور کندھا دینے والوں میں خطیب کے استاد اور مشہور شافعی فقیہ شیخ ابو اسحاق شیرازی بھی تھے۔ جنازہ میں ایک جم غفیر تھا، ایک جماعت یہ منادی کرتی تھی:

ھذا الذی کان یذب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذا الذی کان ینفی الکذب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذا الذی کان یحفظ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	یہ اس شخص کا جنازہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے سینہ سپر رہا کر آپ کی طرف سے کذب و افتراء کی تردید کرتا تھا، اور آپ کی حدیثوں کی حفاظت کرتا تھا۔

(۱) ابطال النکاح بغیر ولی (۲) الاسماء المتواطئۃ والانساب المتکافئۃ (۳) امالی الخطیب
(۴) بیان اہل الدرجات العلی (۵) کتاب التبیین لاسماء المدلسین یا کتاب اسماء المدلسین (۶)
کتاب البسملۃ وانہا جزء من الفاتحۃ بعض لوگوں نے اس کتاب کا نام نہج الصواب فی ان البسملۃ
من فاتحۃ الکتاب اور بعض نے نہج الصواب فی ان البسملۃ آیۃ من فاتحۃ الکتاب بھی لکھا ہے۔
(۷) کتاب الجہر بالبسملۃ ایک جزء میں (۸) کتاب التفصیل لمبہم المراسیل یا کتاب مبہم المراسیل۔
(۹) کتاب تمییز المزید فی متصل الاسانید (۱۰) کتاب التنبیہ والتوقیف علی فضائل الخریف (۱۱)
کتاب الاجازۃ للمعدوم والمجہول یا اجازۃ المجہول والمعدوم (۱۲) کتاب الاحتجاج بالشافعی
فیما اسند الیہ والرد علی الطاعنین بعظیم جہلہم علیہ (۱۳) جزء حدیث اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ
الا المکتوبۃ (۱۴) جزء حدیث الامام ضامن والمؤذن مؤتمن (۱۵) جزء حدیث السنۃ من التابعین
وطرقہ واختلاف وجوہہ (۱۶) جزء حدیث طلب العلم فریضۃ (۱۷) جزء حدیث النزول (۱۸)
جزء حدیث عبد الرحمن بن سمرۃ وطرقہ (۱۹) کتاب الدلائل والشواہد علی صحۃ العمل بخبر الواحد (۲۰)
کتاب الرحلۃ یا الرحلۃ فی طلب الحدیث ایک جزء میں (۲۱) کتاب الرواۃ عن مالک (۲۲)
کتاب روایات الصحابۃ عن التابعین (۲۳) کتاب روایۃ الابناء عن الآباء یا کتاب روایۃ الآباء
عن الابناء (۲۴) کتاب السابق واللاحق (۲۵) کتاب الاسماء والالقاب (۲۶) صلوۃ التسبیح و
الاختلاف فیہا ایک جزء میں (۲۷) کتاب صوم یوم الشک یا کتاب النہی عن صوم یوم الشک
ایک جزء میں (۲۸) کتاب طرق حدیث قبض العلم (تین جزوں میں) (۲۹) عوالی مالک بن
انس (۳۰) کتاب غسل الجمعۃ (تین جزوں میں) (۳۱) کتاب الفصل للوصل والمدرج فی النقل
(۳۲) کتاب الفقیہ والمتفقہ (۳۳) کتاب الفنون یا کتاب الشئون (۳۴) الفوائد الصحاح و
الغرائب (۳۵) القضاء بالیمین مع الشاہد (دو جزوں میں) (۳۶) کتاب القنوت والآثار
المرویۃ فیہ (تین جزوں میں) (۳۷) کتاب القول فی النجوم یا کتاب القول فی علم النجوم (۳۸) کشف
الاسرار (۳۹) کتاب المتفق والمفترق (۴۰) کتاب المسلسلات الرباعیات (تین جزوں میں)

Marfat.com

(۴۱) مسند ابی اسحٰق الشیبانی (تین جزو میں) (۴۲) مسند ابی بکر الصدیق علی شرط الصحیحین (ایک جز) (۴۳) مسند بنان بن بشر (۴۴) مسند حفص بن سلم (۴۵) مسند حفص بن غیاث (۴۶) مسند محمد بن جحادہ (۴۷) مسند محمد بن سوقہ (۴۸) مسند [illegible] (۴۹) مسند مطر الوراق (۵۰) مسند نعیم بن حماد [illegible] (۵۱) کتاب [illegible] (۵۲) کتاب [illegible] (۵۳) کتاب الکفیل فی بیان [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

عمدہ کتاب ہے. بعض محدثین نے اس کا انتخاب کیا ہے، جو ملک عرب میں مشہور ہے اور
درس حدیث و اجازت کے وقت اس منتخب کو پڑھاتے ہیں ؎

(٢٧) کتاب الجامع فی ادب الراوی والسامع یا کتاب الجامع الاخلاق الراوی وآداب
السامع یہ الجامع اور جامع خطیب کے نام سے بھی موسوم کی جاتی ہے۔ اس میں اصول حدیث
کے مباحث اور راوی و سامع کے آداب و شرائط کا ذکر ہے ؎

(٢٨) کتاب التطفیل یا کتاب التطفیلیین، دمشق سے ١٣٤٦ھ میں چھپ گئی ہے
خطیب نے اپنے کسی دوست کی فرمائش پر اس میں طفیلیوں کے واقعات و حکایات اور نادر
اقوال و اشعار جمع کئے ہیں۔ اس کا شمار ادب و محاضرات کی عمدہ اور دلچسپ کتابوں میں ہوتا
ہے۔ اس کے شروع میں ناشر نے خطیب کے مختصر حالات و سوانح بھی لکھے ہیں۔

(٢٩) کتاب شرف اصحاب الحدیث۔ اس کا مخطوطہ برلن اور مدینہ میں موجود ہے
جامعہ دہلی حدیث کے ایک صاحب علم مولانا محمد صاحب مدرس مدرسہ محمدیہ واڈیجر انبالہ
شہری نے رحمت اللہ کے سفر حج میں مدینہ کے نسخہ کی نقل لے کر ١٣٤٥ھ میں مجبوب المطابع
دہلی سے اس کو شائع کیا تھا۔ عربی متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ اس میں حدیث
کے ناقلین اور راویوں کے مراتب و فضائل سے متعلق احادیث و آثار اور علمائے اسلام کے
اقوال درج کئے گئے ہیں۔

(٣٠) کتاب غنیۃ المقتبس فی تمییز الملتبس۔ اس کا ایک قلمی نسخہ دارالمصنفین کے
کتب خانہ میں ہے، اس کو ١٣٢٥ھ میں مولانا حمیدالدین فراہی نے حیدرآباد میں نقل کرایا
تھا۔ یہ کسی شخص کے استفسار کے جواب میں لکھی گئی ہے اور اس میں مشتبہ ناموں کے بارے
میں اشتباہات کو رفع کیا گیا ہے۔ ۱۲ پارہ جزوں پر مشتمل ہے اور رجال پر مفید کتاب ہے۔

بستان المحدثین ؎ کشف الظنون ج ۱

(۷۰) (۱۰) کتاب تلخیص المتشابہ فی الرسم وحمایۃ ما اشکل منہ عن نوادر التصحیف والوہم
یہ رجال پر ایک ضخیم کتاب ہے۔ علاء الدین علی بن عثمان ماردینی نے اس کا مختصر لکھا تھا۔ راویوں کے نام ونسب اور ان کے واقعات واخبار کی تحقیق کے لئے یہ بڑی مفید کتاب ہے اس کا قلمی نسخہ سات سو صفحے میں کتب خانہ خدیویہ مصر میں موجود ہے۔ مگر ناقص الآخر ہے۔ خود مصنف نے تالی التلخیص یا باقی التلخیص کے نام سے اس کا ایک ضمیمہ بھی لکھا ہے۔

(۷۱) کتاب الکفایہ: تیرہ جزوں پر مشتمل مصطلحات حدیث میں اہم کتاب ہے اس میں روایات واحادیث کے اصول وضوابط کے متعلق اصحاب فن اور محدثین کے اقوال بیان کئے گئے ہیں۔ جن مباحث میں علمائے جرح وتعدیل کے اختلافات منقول ہیں ان پر بحث کرکے ان کے متعلق اپنی ترجیحی رائے تحریر اور بعض مبہم اقوال کا مفہوم اور دقیق استدلال کی تشریح بھی کردی ہے۔ اس کی اہمیت وافادیت کے متعلق حافظ ابن حجر جیسے ماہر فن کا یہ بیان ملاحظہ ہو۔

"مصطلحات حدیث میں قاضی ابو محمد رامہرمزی نے سب سے پہلے المحدث الفاصل لکھی لیکن اس میں استیعاب سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ اس کے بعد ابو عبداللہ حاکم کی تصنیف ہے۔ لیکن یہ مہذب ومرتب نہیں۔ ابو نعیم نے حاکم کی کتاب کا مستخرج لکھا لیکن انہوں نے بھی آئندہ آنے والے کے لئے بعض چیزیں چھوڑ دی ہیں۔ ان لوگوں کے بعد خطیب نے قوانین روایت میں کفایہ اور آداب روایت میں الجامع لآداب الراوی والسامع لکھی۔ حدیث سے متعلق شاید ہی کوئی ایسا فن ہو جس میں ان کی علیحدہ تصنیف نہ ہو۔ ابوبکر بن نقطہ کا بیان ہے کہ جو شخص انصاف سے ان کی کتابیں پڑھے گا اس کو معلوم ہوگا کہ خطیب کے بعد کے محدثین ان کی کتابوں کے محتاج ہیں۔"

لہ کشف الظنون ج ۱ ج ۲ و تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ ج ۲

اس کے قلمی نسخے برلین، لیڈن، مصر اور ہندوستان میں حیدرآباد، سندھ اور پٹنہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ کا نسخہ بڑا گراں قدر ہے، یہ سلطان صلاح الدین کے بیٹے احمد کی ملکیت رہ چکا ہے، اس پر شہزادہ کی خود نوشتہ تحریر ہے، یہ بہت سے محدثین اور علماء کے استعمال میں بھی رہا ہے۔

حیدرآباد کے دائرۃ المعارف نے ۱۳۰۵ھ میں اس کا متن مختصر حواشی کے ساتھ شائع کیا ہے، تعداد صفحات ۱۵۴ ہے، چند صفحوں میں خطیب کے حالات وکمالات دیئے گئے ہیں، تصحیح ومقابلہ کا کام مولانا سید ہاشم ندوی مرحوم نے اپنے بعض رفقاء کی معاونت سے انجام دیا۔

(۳) تاریخ بغداد، خطیب کی سب سے ضخیم، عظیم الشان اور شہرۂ آفاق کتاب ہے علامہ ابن خلکان فرماتے ہیں کہ اگر ان کی اور تصنیفات نہ بھی ہوتیں تو تنہا یہی کتاب ان کے فخر وشرف اور فضل وکمال کے لئے کافی تھی، اور اس سے ان کے علمی تبحر، وسعت، مطالعہ اور دقت نظر وغیرہ کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔ خطیب کو خود بھی اس کتاب پر بجا طور سے فخر تھا۔ پہلے گذر چکا ہے کہ انہوں نے اس کی مقبولیت کے لئے خدا سے جو دعا مانگی تھی وہ قبول ہوئی، اور تاریخ بغداد کو بے نظیر اور حیرت انگیز حسن قبول حاصل ہوا۔ بغداد کی متعدد تاریخیں لکھی گئیں۔ خطیب کو اولیت کا شرف بھی حاصل نہیں ہے، تاہم اس کے جیسی شہرت ومقبولیت کسی کے حصہ میں نہیں آئی۔ خطیب اس کے موضوع ومحتویات کے بارے میں خود لکھتے ہیں:۔

"یہ کتاب مدینۃ السلام (بغداد) کی تاریخ ہے، اس میں اس کی آبادی اور تعمیر کا ذکر اور یہاں کے مشاہیر واعیان، واردین، علماء وفضلاء کا تذکرہ ہے"[1]

دوسری جگہ اس کی نوعیت وترتیب وغیرہ کے متعلق مزید تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس میں دارالسلام بغداد کے خلفاء، اشراف، کبراء، قضاۃ، فقہا، محدثین، قراء، زہاد

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱

Marfat.com

علماء اور ارباب شعر و ادب کا ذکر ہے جو لوگ یہاں پیدا ہوئے یا پیدا تو کسی دوسری جگہ ہوئے لیکن یہاں سکونت اختیار کر لی یا جو یہاں کی سکونت ترک کر کے دوسری جگہ فوت ہوئے یا دوسرے مقامات کے جو لوگ یہاں آئے، ان سب کا نیز بغداد کے مضافات اور نواح میں رہنے والوں کا اس میں تذکرہ ہے، ان کی کنیت، نسب، لقب، ان کے مشہور واقعات، مناقب و فضائل، مدت عمر، تاریخ وفات اور تمام حالات غرض ان لوگوں کے بارے میں جو روایتیں بزرگوں سے محفوظ و منقول چلی آ رہی ہیں سب جمع کر دی گئی ہیں، خواہ ان کا تعلق مدح و قبول اور تعدیل سے ہو یا ذم و قدح اور جرح سے۔ ترتیب حروف معجم کے مطابق لیکن جن لوگوں کا نام محمد ہے، ان کا تبرک کے خیال سے میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔

اس زمانہ کے دستور کے مطابق خطیب نے حالات و واقعات بسلسلہ روایت واسناد لکھے ہیں، اس کے اسلوب و طریقہ بیان کے متعلق نامہ ہمدرد فاضل اجل مولانا حبیب الرحمن خان شروانی مرحوم لکھتے ہیں:

"تاریخ خطیب جس طرح بہترین زمانہ کی تاریخ ہے، اسی طرح طرز بیان کے لحاظ سے مسلمان مورخین کی تصنیف کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ الفاظ بقدر معانی استعمال کئے ہیں عبارت آرائی، مدح طرازی کا نام نہیں۔ بیان صاف اور متین ہے۔ جرح و تعدیل دونوں بے لاگ ہیں۔ اگرچہ بعض مختلف الآراء مقامات میں قوت فیصلہ کی کمی نمایاں ہے۔ مگر نامہ دیانت ہیں۔ ادیبانہ مبالغہ، منطقیانہ تذبذب پاس نہیں۔" (معارف جلد ۲۴ عدد ۲ ص ۱۰۶)

پہلی جلد کا نصف حصہ بغداد کے متعلق مختلف النوع علمی، فقہی، کلامی اور تاریخی مباحث پر مشتمل ہے۔ مثلاً بغداد کی زمین کی بیع و شراء اور اس کی پیداوار کا کیا حکم ہے، چونکہ حضرت عمر نے سواد (عراق) کی زمین کو مسلمانوں کے لئے وقف فرما دیا تھا۔ اس لئے اس پر مالکانہ قبضہ و تصرف فقہاء کے ایک گروہ کے نزدیک ناجائز و مکروہ ہے۔ بعض علماء کو اسی لئے بغداد کی سکونت میں کلام تھا۔ خطیب نے اس بحث پر موافق و مخالف دونوں پہلوؤں سے مبسوط

Marfat.com

بحث کی ہے اور فیصلہ جواز کے حق میں دیا ہے۔ دوسرے باب میں یہ بحث ہے کہ حضرت عمرؓ نے ارض سواد فاتحین میں تقسیم کیوں نہیں فرمایا؟ اسی سلسلے میں عہد فاروقی کے بندوبست اراضی کا ذکر آتا ہے۔ اس بیان میں بندوبست شدہ اراضی کی شرح لگان، پیداوار کی قسمیں، تعداد رقبہ وغیرہ سب کچھ آگیا ہے۔ آگے ایک باب میں ان روایتوں کا ذکر ہے جو بغداد کی مذمت سے متعلق ہیں۔ مصنف نے ان روایتوں کو نقل کرنے کے بعد ان پر بحث و تنقیح کر کے ان کو ضعیف و سقیم قرار دیا ہے۔ اس کے بعد بغداد کے مناقب اور اہل بغداد کے اوصاف کا تذکرہ ہے۔ اس سلسلہ میں بغداد کی معتدل آب و ہوا اور ساکنین بغداد کی عقل و اخلاق کی تعریف اور ان کے علمی کارناموں اور خدمات حدیث کا تذکرہ ہے۔ پھر بغداد کی دو مشہور نہروں دجلہ و فرات کے فوائد و منافع کا ذکر ہے۔ اس کے بعد بغداد کی وجہ تسمیہ کا بیان شروع ہوتا ہے۔ اور بانی بغداد ابوجعفر منصور عباسی کے حالات و مناقب، بغداد کی بنا، سنہ تعمیر، مصارف تعمیر، طریقۂ تعمیر، پایۂ تخت حکومت، محل شاہی، بازاروں، محلات، شوارع، مساجد، مقابر اور پلوں کا ذکر ہے۔ تعمیر میں جو ترمیمات اور اضافے ہوئے ان کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

بغداد سے متصل ہی چونکہ مدائن واقع ہے۔ اس لئے اس کے متعلق بھی معلومات بیان کی گئی ہیں اور مدائن کا تذکرہ ان پچاس صحابہ کرام کے ذکر کی تقریب بن گیا ہے جن کے قدوم سے مدائن مشرف ہوا تھا۔ مدائن کے اسی شرف و مزیت کی بنا پر اس کا بغداد سے متصل دیگر قصبات نہروان و انبار وغیرہ سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ اس تاریخ میں مدائن ہی کے تعلق و مناسبت سے صحابہ کرام کا تذکرہ شامل ہے، ورنہ بغداد میں کسی صحابی کا آنا ثابت نہیں ہے۔ اس کے بعد بغداد کے ساکنین، واردین و صادرین کے تراجم کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو چودہ جلدوں پر جا کر تمام ہوتا ہے۔

تاریخ بغداد صرف رجال بغداد کا ترجمہ و تذکرہ ہی نہیں ہے بلکہ رجال کے حالات کے ضمن میں علمی دقائق اور مجتہدانہ مباحث بھی محدثانہ قوت کے ساتھ حل کئے گئے ہیں،

Marfat.com

صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں :-

فکتب علی طریقۃ المحدثین	اس میں محدثین کے انداز اور طریقہ کے مطابق
جمع فیہ رجالہا ومن ورد	بغداد کے رجال و واردین کا تذکرہ اور دیگر
بہا وضم الیہ فوائد جمۃ	بے شمار فوائد شامل کئے ہیں، اس لئے یہ
فصار کتابا عظیما الحجم	کتاب نہایت ضخیم اور پُر منفعت ہو گئی
والنفع [1]	ہے۔

بغداد کے لوگوں کے تذکرہ کی ابتداء تر کا محمدؐ کے نام سے کی ہے اور سب سے پہلے محمد بن اسحٰق صاحب کی سیرۃ کا ذکر کیا ہے، اور اس کا سبب یہ بتایا ہے کہ ان سے زیادہ کوئی کبیر السن عالی الاسناد اور قدیم العہد شخص نہ تھا۔[2]

"ان کو تاریخ بغداد کی ترتیب اور اہل بغداد کا تذکرہ لکھنے کا خیال غالباً حافظ ابو الفضل صالح بن احمد تمیمی کے اس قول کی وجہ سے ہوا، کہ طالب حدیث کے لئے مناسب ہے کہ سب سے پہلے اپنے شہر کی کتب حدیث اور ان کے مؤلفین کے حال سے آغاز کرے اور ان کی فہم میں ملکہ بہم پہنچائے تاکہ صحیح وسقیم کی مکمل معرفت حاصل ہو، اس کے بعد دوسرے شہروں کو لے[3]"

پہلے گزر چکا ہے کہ خطیب نے رجال کی مدح وثنا، ذم وقدح، قبول ورد اور جرح و تعدیل کے بارے میں جو کچھ منقول ہے سب جمع کر دیا ہے، اس لئے بعض ائمہ و اساطین فن کے مناقب و فضائل کے ساتھ ساتھ ان کے متعلق نقد و جرح کے اقوال بھی تحریر کئے ہیں، اسی حیثیت سے حنفی مذہب کے اساطین ثلاثہ امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے بارے میں بھی مدح ومنقبت اور رد و جرح پر مشتمل اقوال نقل ہوئے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ خطیب کی اپنی رائے

---

[1] کشف الظنون ج ا ص [2] تاریخ بغداد ج ا ص [3] ایضاً

Marfat.com

نہیں ہے بلکہ وہ ان حضرات کے عظمت شناس اور کمالات کے معترف تھے۔ رہے مخالفانہ ا
تو وہ محض مورخانہ فرض ادا کرنے کے لئے جمع کئے گئے ہیں۔

تاریخ بغداد سات ہزار آٹھ سو اکتالیس مشاہیر رجال کا جو مختلف طبقوں سے تعلق
رکھتے ہیں تذکرہ ہے۔ یہ مصر سے مختصر حاشیوں کے ساتھ ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۱ء میں چ
جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ رجال کی فہرست اور صفحے پر سطروں کا شمار بھی دیا گیا ہے
صفحات کی تعداد ۶۰۹۱ ہے، اس میں فہرست کے صفحے بھی شامل ہیں۔

اس تاریخ کی اہمیت کی وجہ سے اس کے متعدد ذیول لکھے گئے ہیں، ان کے نام ی

ذیول

(۱) امام ابوسعد عبدالکریم سمعانی صاحب کتاب الانساب (م ۵۶۲ھ) نے خط
کے منہج واسلوب پر پندرہ جلدوں میں ذیل لکھا۔

(۲) عماد الدین ابوعبداللہ محمد بن حامد کاتب وزیر (م ۵۹۷ء) نے سمعانی کے ذ
پر تین جلدوں میں ذیل لکھا، اس میں اس پر بعض اضافے کئے ہیں۔

(۳) ابوعبداللہ محمد بن سعید المعروف بابن الدبیثی وسطی (م ۶۳۷ھ) کے ذیل م
بھی سمعانی کے ذیل پر اضافے ہیں۔

(۴) ابن قطیعی نے ابن دبیثی کے ذیل پر ایک ضمیمہ لکھا۔

(۵) حافظ شمس الدین ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے ابن دبیثی کے ذیل کی تلخیص واضا
کیا اور اس کا نام المختصر المحتاج الیہ من تاریخ بغداد رکھا۔

(۶) تاریخ خطیب کا سب سے طویل وضخیم ذیل حافظ محب الدین محمد بن محم
المعروف بابن النجار بغدادی (م ۶۴۳ھ) نے لکھا اس میں مذکورہ بالا تمام ذیلوں کے مقاب
میں زیادہ اضافے ہیں، کہا جاتا ہے کہ یہ تیس جلدوں میں ہے۔

(۷) ابن نجار کے ذیل پر تقی الدین محمد بن رافع متوفی ۷۷۴ھ نے عمدہ اور بہت
ذیل لکھا۔

(۸) ابن نجار کے ذیل پر ابوبکر مارستانی کا بھی ذیل ہے۔

(۹) مارستانی کے ذیل پر تاج الدین علی بن انجب شاعر بغدادی نے ایک ذیل لکھا۔

(۱۰) خطیب کے شاگرد ابوالیمن مسعود بن محمد بخاری (م ۴۹۱ھ) نے تاریخ کا مختصر درخلاصہ لکھا۔ اس کا قلمی نسخہ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی مرحوم کے کتب خانہ میں ہے، جو فل سکیپ سائز کے ۳۸۱ صفحے پر مشتمل ہے۔[1]

(۱۱) مشہور مستشرق (SALAMONS) نے تاریخ خطیب کے شروع کے حصہ کو جس میں بغداد کے نام اور تاریخ بناء وغیرہ کا ذکر ہے اور جس کی حیثیت مقدمہ کی ہے ۱۹۰۴ء میں پیرس سے فرانسیسی ترجمہ کے ساتھ شائع کیا تھا۔

(۱۲) تاریخ خطیب جب پہلی دفعہ شائع ہوئی تو نواب صدر یار جنگ حضرت مولانا حبیب الرحمن خان شروانی مرحوم نے معارف کے کئی نمبروں میں اس پر ایک مبسوط، پرمغز اور معلومات افزا تبصرہ لکھا جو ۳۰ء میں کتابی صورت میں بھی شائع ہو گیا ہے۔ اس میں پہلے خطیب کے مختصر و جامع حالات ہیں، اس کے بعد تاریخ بغداد کے خصوصیات اور اس کے مندرجات و مشمولات کا تعارف اور آخر میں اس کے بعض حصوں پر مدلل اور جامع تبصرہ کیا گیا ہے۔

(۱۳) امام محمدی۔ مولوی محمد صاحب اڈیٹر اخبار محمدی دہلی نے اس میں تاریخ بغداد سے امام ابوحنیفہؒ کے ترجمہ و سوانح حیات کا حصہ جمع کرکے اردو ترجمہ کے ساتھ ۱۳۴۵ھ میں دہلی سے شائع کیا تھا۔ یہ امام صاحب کے رد و قدح اور مناقب و مثالب دونوں پر مشتمل ہے۔ معلوم نہیں اس کی اشاعت کی ضرورت ہی کیا تھی؟

تاریخ بغداد کی غیر معمولی شہرت اور حیرت انگیز مقبولیت کے باوجود اس پر بعض اعتراضات کئے گئے ہیں اور اس کے رد میں مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔ ان کتابوں میں اکثر

---

[1] یہ کتب خانہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی میں منتقل ہو گیا ہے۔

Marfat.com

کا تعلق ان جرحوں سے ہے جو رجال خصوصاً امام ابوحنیفہ وغیرہ کے متعلق اس میں نقل کی گئی ہیں

(۱) السہم المصیب فی رد الخطیب۔ اس کو سلطان[1] عیسٰی بن ابو بکر ایوبی نے ۶۲۱ھ میں خطیب کے رد اور امام ابوحنیفہ کی تائید کے لئے تالیف کیا تھا۔ طرز بیان اچھا ہوا ہے۔ مولانا اعز علی دیوبندی مرحوم نے جدہ کے قلمی نسخہ سے نقل کر کے اس کو ۱۳۵۰ھ میں مطبع جامعہ ملیہ دہلی سے شائع کیا تھا۔

(۲) الانتصار لامام ائمۃ الامصار۔ ابو المظفر یوسف بن عبداللہ المعروف بسبط ابن الجوزی نے دو جلدوں میں امام ابوحنیفہ کی تائید اور خطیب کی تردید کی ہے۔

(۳) جامع المسانید۔ اس کے مقدمہ میں ابو المؤید الخوارزمی نے خطیب کا رد لکھا ہے۔

(۴) تانیب الخطیب۔ یہ مصر کے مشہور محقق و نامور فاضل محمد زاہد بن حسن کوثری کی تصنیف ہے، اس میں امام ابوحنیفہ اور مذہب حنفی کے اساطین، ابو یوسف، محمد بن حسن اور حسن ابن زیاد کے متعلق خطیب کے بیانات کا محققانہ جائزہ لیا گیا ہے، اور ان روایتوں کو جو ان بزرگوں کے رد و قدح اور جرح و ذم سے متعلق ہیں، غیر صحیح قرار دیا گیا ہے، مصنف نے ان روایتوں کو جن کو خطیب نے مورخانہ فرض و دیانت سمجھ کر نقل کیا تھا، اور ان کے بارے میں معذرت کر دی تھی، خود خطیب کی رائے قرار دیا ہے۔ اسی غلط فہمی نے ان کی تحریر میں مناظرانہ رنگ پیدا کر دیا ہے اور انہوں نے خطیب پر بعض ناروا ذاتی تنقیدیں بھی کی ہیں خطیب کا تعصب مسلم سہی مگر ان کو امام ابوحنیفہ کی عظمت و شان میں کلام نہ تھا۔

کوثری صاحب نے خطیب کے بارے میں اس انصاف سے بھی کام نہیں لیا جو خطیب نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں کیا تھا چنانچہ انہوں نے خطیب کے ترجمہ میں صرف ان کے مثالب ہی بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے اور اس ضمن میں بعض غیر مح

---

[1] صاحب کشف الظنون نے اس کا نام عیسٰی بن ابو بکر حنفی (م ۶۲۴ھ) لکھا ہے (جلد ۲)

Marfat.com

تعات کو زیادہ نمایاں طور پر پیش کر کے تاریخ کو چھوٹ پوٹ کا انبار اور خطیب کی بدنیتی پر مبنی
رار دے کر ان کے علمائے جرح و تعدیل میں شمار کئے جانے کو خلاف انصاف قرار دیا ہے۔ اس
تاب کے جواب میں بھی بعض کتابیں لکھی گئی ہیں۔ دائرۃ المعارف النعمانیہ کے ایک مصحح مولانا
بدالرحمن بن یحیی معلمی یمانی نے بھی جواب تحریر کیا تھا۔ جو ہماری نظر سے نہیں گزرا مگر کوثری صاحب
اجواب الجواب ہم نے دیکھا ہے۔ تالیف الخطیب دو سو صفحے پر مشتمل ہے اور ۱۹۴۲ء میں مصر
سے شائع ہوئی ہے۔

خطیب پر بعض اعتراضات

دوسرے اکابر علماء کی طرح خطیب اور ان کی تصنیفات پر بھی اعتراضات ہوئے ہیں۔ ذیل میں ان کا جائزہ لیا جاتا ہے:-

۱۔ تعصب۔ خطیب پر زیادہ اہم اعتراض یہ ہے کہ ان کو حنبلی و حنفی مذہب سے
نت کد تھا۔ حنبلی مذہب سے عناد کا ذکر حافظ ابن جوزی نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

خطیب پہلے حنبلی تھے۔ لیکن مبتدعینؒ کے بارے میں نرم اور ان کی جانب مائل تھے
س لئے حنابلہ اُن کے درپئے آزار ہوئے۔ اس کا ردعمل یہ ہوا کہ انہوں نے شافعی مسلک
ختیار کر لیا۔ اور اپنی کتابوں میں جہاں ممکن ہوا ہے اشارۃً و صراحتاً امام احمدؒ۔ ان کے تلامذہ
ور حنبلی مذہب کے خلاف تعصب سے کام لیا ہے مثلاً

انہوں نے امام احمدؒ کو سید المحدثین، اور امام شافعیؒ کو تاج الفقہاء لکھا ہے۔ اس سے
ظاہر ہوتا ہے کہ وہ امام احمدؒ کے تفقہ و اجتہاد کے معترف نہ تھے۔ حسین کرابیسی کے ترجمہ
یں امام احمدؒ کے متعلق ان کا یہ قول نقل کرتے ہیں:-

لہ غالباً اس سے اشاعرہ متکلمین مراد ہیں جن کے متعلق خطیب کی نرمی و مداہنت کا ذکر کیا جاتا ہے اور اگر اہل بدعت واقعۃً
مراد ہیں تو خطیب کے ان کی جانب میلان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ یہ حنابلہ کی غلط فہمی اور شدت پسندی کا نتیجہ ہے۔

الیش نعمل بھذا الصبی ان	آخر ہم کیا کریں ؟ اگر ہم کہتے ہیں کہ ہمارا لفظ بالقرآن
قلنا لفظنا بالقرآن مخلوق	مخلوق ہے تو یہ امام احمد اس کو بدعت
قال بدعة وان قلنا	کہتے ہیں اور اگر ہم اس کو غیر مخلوق کہتے ہیں
غیر مخلوق قال	تب بھی وہ اس کو بدعت بتاتے ہیں ۔
بدعة ؎	

اسی طرح امام احمد کے بعض اصحاب و تلامذہ کے بارے میں بھی خطیب کے رد و قدح کی بعض مثالیں تحریر کی ہیں، جن کو طوالت کی وجہ سے قلم انداز کیا جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور حنفی مذہب کے خلاف خطیب کے تعصب کا مولانا عبدالرشید نعمانی نے اس طرح ذکر کیا ہے۔

" امام ابوحنیفہ سے سخت عداوت رکھنے والوں میں خطیب بھی ہیں، علامہ محمد معین سندھی دراسات اللبیب میں لکھتے ہیں۔

" امام دارقطنی کی طرح خطیب بغدادی بھی امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں مفرط و غالی تھے لیکن ان کی اور ان کے متبعین کی رائے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ امام ابوحنیفہ کی توثیق جلالت قدر اور عظیم مرتبہ و منقبت پر مکمل اتفاق ہے "

حافظ محمد بن یوسف صالحی شافعی عقود الجمان میں لکھتے ہیں :

" امام ابوحنیفہؒ کی عظمت شان کو مجروح کرنے والے ان بیانات سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے جو خطیب بغدادی نے نقل کئے ہیں، انہوں نے امام صاحب کے مداحوں کی رائیں بھی تحریر کی ہیں، لیکن آخر میں مذمت کرنے والوں کے اقوال ذکر کر کے اپنی کتاب میں زبردست دھبہ لگا دیا ہے "

ایک جگہ اور لکھتے ہیں۔

" ابن القطان خطیب کی طرح امام ابوحنیفہ کے معاملہ میں مفرط تھے، اس لئے ا

Marfat.com

احب کے بارے میں دونوں کی جرحیں خواہ مفسر ہی کیوں نہ ہوں؟ قبول نہیں کی جائیں گی، درحقیقت دونوں خود اسی غلو وافراط تشنیع کی وجہ سے مجروح ہو گئے ہیں[1]

تعصب کے متعلق ان بیانات کی تنقیح سے پہلے یہ وضاحت کر دینا مناسب ہو گا کہ یب کے زمانے میں فقہی وجماعتی عصبیت میں تدریجاً شدت پیدا ہو گئی تھی، بلکہ ان کے بعد حنابلہ اور شوافع کی معرکہ آرائیوں کا مرکز بھی بن گیا تھا، اگر حافظ ابن جوزی کا یہ بیان تسلیم کر لیا ئے کہ وہ ابتداءً حنبلی تھے تو اس مذہب کے خلاف ان کا ردعمل بالکل قدرتی امر ہے لیکن یہ قرین س نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان جیسے صاحب علم وکمال شخص نے محض حنابلہ کی سختیوں سے تنگ اپنی رائے کو تبدیل کر دیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عام مورخین نے اس کی کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ تہ یہ ضرور مسلم ہے کہ شافعی ہونے کی بنا پر حنابلہ نے خطیب کو زدوکوب کیا تھا۔ اور یہ بات ی درست ہے کہ حنابلہ سخت گیری اور تشدد کے لئے مشہور ہیں۔ اس کے برخلاف خطیب کے اج میں نرمی، اعتدال اور توسیع پسندی تھی اس لئے ان کی حنابلہ سے ہم آہنگی مشکل تھی۔

ان حالات میں خطیب کے اندر اگر اشتعال پیدا ہو گیا ہو اور وہ دوسرے مذہب کے اف یک گونہ عصبیت سے کام لیتے رہے ہوں تو یہ بعید نہیں ہے۔ لیکن اس کی جو الیں بیان کی گئی ہیں، ان سے خطیب کا تعصب ثابت نہیں ہوتا۔ اس کی وجہیں حسب ل ہیں۔

خطیب کو امام احمد کے فقیہ و مجتہد ہونے میں کوئی کلام نہیں تھا۔ انہوں نے امام مد کے ترجمہ میں کئی جگہ ان کے تفقہ واجتہاد کا ذکر کیا ہے، خود امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "میں نے جب بغداد چھوڑا تو وہاں اس وقت امام احمد سے بڑا صاحب ورع وتقویٰ در فقیہ وعالم شخص کوئی نہیں تھا"۔ اسی طرح اور بھی متعدد اصحاب علم وفن کے ایسے بیانات

لہ ماتمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ بحوالہ ذب ذبابات الدراسات

نقل کئے ہیں، جن سے امام احمد کی فقہ و اجتہاد میں عظمت و مرتبت پوری طرح واضح ہوتی ہے اس بناء پر یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ امام احمد کے تفقہ و اجتہاد کے معترف نہیں تھے، البتہ یہ ممکن ہے کہ اکثر متقدین کی طرح خطیب کو ان کے امام فقہ و صاحب مذہب ہونے میں کلام رہا ہو کیونکہ چوتھی صدی ہجری تک امام صاحب کی اس حیثیت سے شہرت نہیں ہوئی تھی، علامہ ابن جریر نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ (انما هو رجل حديث لا رجل فقه) خطیب کے معاصر اور مشہور مالکی محدث، علامہ ابن عبدالبر نے انتقاء میں صرف ائمہ ثلاثہ کے تذکرہ پر اکتفا کیا ہے۔ بشاری مقدسی نے ان کو فقہاء کے بجائے محدثین کے زمرہ میں شامل کیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شروع میں امام احمد کی اصل شہرت محدث کی حیثیت سے زیادہ تھی، لیکن بعد میں وہ امام فقہ اور صاحب مذہب کی حیثیت سے بھی مشہور ہوئے اور یہ شہرت اس قدر بڑھی کہ اب لوگ ان کو محدث کے بجائے فقیہ و مجتہد ہی کی حیثیت سے زیادہ جانتے ہیں چنانچہ ساتویں صدی میں فقہاء ثلاثہ کے ساتھ ان کا بھی نام لیا جانے لگا اور وہ اُن چار مشہور ائمہ اسلام اور فقہاء مجتہدین میں شمار کئے جانے لگے جن کے فقہی و اجتہادی مذاہب پر مسلمانوں کا اب تک عمل ہے، اس کی تفصیل اس کتاب کی پہلی جلد میں امام احمد کے ترجمہ میں گزر چکی ہے، یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

پس خطیب کا امام احمدؒ کو امام فقہ و اجتہاد کی حیثیت سے ذکر نہ کرنا ان کی عظمت شان کے منافی ہے، اور نہ اس سے ان کا مقصد امام احمدؒ کا استخفاف ہے، رہی وہ جرح و قدح جو مثالاً پیش کی گئی ہے تو اس کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ "خطیب نے واقعات و اقوال کو ذکر کرنے میں مؤرخانہ فرض و دیانت سے کام لیا ہے، اس لئے جہاں ائمہ و رجال کے مناقب سے متعلق اقوال جمع کئے ہیں وہیں مخالفانہ اور نقد و جرح سے متعلق اقوال بھی تحریر کئے ہیں، اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ خطیب خود اس کے قائل تھے یا یہ واقعی ان کی

Marfat.com

ئے تھی۔

اس حیثیت سے حسین کرابیسی کا قول امام احمد کے متعلق صرف بطور واقعہ نقل کیا گیا ہے، اس کا مقصد ان کی مذمت و تنقیص نہیں ہے، امام صاحب اور کرابیسی کے درمیان عقائد کے سلسلہ میں شدید اختلافات تھے، اس سلسلہ میں دونوں میں بعض مناقشات بھی ہوئے امام احمد ان کے سخت نکتہ چین تھے، دوسرے محدثین نے بھی کلام سے دلچسپی کی وجہ سے کرابیسی کے بارے میں رد و قدح کی ہے، امام احمد خلق قرآن کے باب میں جس قدر متشدد تھے، اس کا حال پہلی جلد میں گزر چکا ہے، لیکن کرابیسی پر خلق قرآن کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ خطیب نے ایک مورخ کی حیثیت سے ان باتوں کا تذکرہ کیا ہے، اسی سلسلہ میں انہوں نے ایک واقعہ کا بھی ذکر کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص نے کرابیسی سے دریافت کیا کہ قرآن کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا وہ غیر مخلوق ہے۔ اس شخص نے پوچھا کہ جو قرآنی الفاظ آپ کے منہ سے ادا ہوتے ہیں ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کرابیسی نے جواب دیا کہ وہ مخلوق ہیں۔ اس شخص نے امام احمد سے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے اس پر رد و نکیر کرتے ہوئے کہا کہ یہ بدعت ہے۔ سائل نے دوبارہ کرابیسی سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے "تلفظ بالقرآن کو غیر مخلوق قرار دیا، چنانچہ اس شخص نے امام احمد کو کرابیسی کے رجوع کی خبر دی، انہوں نے ناگواری ظاہر کرتے ہوئے اس کو بھی بدعت قرار دیا[1] شخص مذکور نے جب

---

[1] غالباً امام احمد نے یہ جواب اس لئے دیا ہوگا کہ محدثین اور متدین علما، کلامی مباحث میں غور و خوض سے بھی محترز رہتے تھے۔ اور اس کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ امام بخاری جب نیشاپور تشریف لے گئے اور وہاں لوگوں نے اس کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے تلفظ بالقرآن کو مخلوق بتایا اس پر سخت ہنگامہ برپا ہوا اور امام ذہلی نے جن کو اس مسئلہ پر بڑا غلو تھا یہاں تک کہا کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ میرے منہ سے نکلنے والے قرآنی الفاظ مخلوق ہیں وہ بدعتی ہے، نہ اس کے پاس بیٹھنا چاہیئے، اور نہ اس سے گفتگو کرنی چاہیئے۔ (طبقات الشافعیہ ترجمہ بخاری)

کرابیسی سے امام صاحب کی رائے کو بیان کیا تو انہوں نے کہا آخر ہم کیا کریں، اس شخص کا منشا کیا ہے؟ ہم اگر کہتے ہیں کہ تلفظ بالقرآن مخلوق ہے تو وہ اس کو بدعت قرار دیتا ہے، اور اگر غیر مخلوق کہتے ہیں، تب بھی بدعت ہی قرار دیتا ہے۔ جب امام احمد اور ان کے تلامذہ کو اس کی اطلاع ہوئی، تو وہ لوگ بہت برہم ہوئے، اور ان لوگوں کی حسین پر نکتہ چینی کی یہی وجہ ہے[1]

ظاہر ہے اس واقعہ کا امام احمد کی تنقیص سے کوئی تعلق نہیں ہے، خطیب کا اگر واقعی کوئی جُرم ہے تو وہ محض نقل حکایت اور بیان واقعہ، اب واقعہ کی صحت و عدم صحت تو قابلِ بحث ہوسکتی ہے، لیکن ہے، لیکن مجرد اس کے نقل کو اعتراض کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ اگر دقتِ نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کرابیسی اور امام احمد کے اختلافات کے درمیان خطیب کا رجحان امام احمد کے موقف کی جانب تھا۔ اگرچہ انہوں نے کرابیسی کے بعض کمالات کا اعتراف کیا ہے لیکن کلام کے متعلق ان کی رایوں کو وہ پسند نہیں کرتے تھے، اسی لئے خاص طور پر اس کے متعلق محدثین اور اہل فن کی جرحیں اور کرابیسی کے بارے میں بعض علماء کے سخت آراء تحریر کئے گئے ہیں[2]

اس کے مقابلہ میں امام احمد کی تعریف میں وہ نہایت رطب اللسان نظر آتے ہیں، چنانچہ ان کے ترجمہ میں ان کے جملہ محامد و فضائل اور خدمات حدیث کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا دل امام احمد کی محبت و عقیدت سے معمور و سرشار تھا، جس شخص نے امام احمد کے متعلق اس قسم کے اقوال نقل کئے ہیں :۔

من سمعتوه يذكر احمد بن حنبل بسوء فاتهموه على الاسلام۔	اگر کسی شخص کو امام احمد کا برائی سے تذکرہ کرتے ہوئے سنو تو اس کے اسلام پر تہمت عائد کرو۔

آگے لکھتے ہیں :۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۸ [2] ایضاً

"امام احمد کی ذات، مبارک ایسی کسوٹی ہے جس پر مسلم و کافر پرکھا جا سکتا ہے۔ ان کی
ت کرنے والا فاسق ہے۔"

نیز فرماتے ہیں :-

اضحی ابن حنبل محنۃ مامونۃ	وبحب احمد یعرف المتنسک
واذا رأیت لاحمد متنقصا	فاعلم بان ستورہ ستہتک [1]

(یعنی امام ابن حنبل کی ذات درحقیقت ایک ابتلاء و آزمائش ہے۔ ان کی محبت زہد
ری کی علامت ہے، اگر کوئی شخص ان پر نکتہ چینی کرے تو سمجھ لو کہ اس کا پردہ چاک ہو کر رہیگا)
اس کے دل میں اس امام جلیل کے استخفاف اور نکتہ چینی کا خیال بھی کس طرح آ سکتا ہے؟
واقعی ایسا ہوتا تو وہ ان کی مذمت کے متعدد واقعات و اقوال تحریر کرتے لیکن معترضین کو تاریخ
بغداد جیسی ضخیم کتاب میں خوردہ گیری کے باوجود اس کے سوا اور کوئی مثال نہیں مل سکی، جو بالکل
بے بنیاد ہے۔ یہی حال ان الزامات کا بھی ہے جو ان پر امام احمد کے تلامذہ کی نکتہ چینی کے
رے میں لگائے گئے ہیں، اس لئے ان کی بحث و تنقیح کو ضروری سمجھ کر ہم نے نظر انداز کر دیا۔
کتاب الکفایہ کے آخر میں خطیب کے سوانح نگار نے لکھا ہے :-

ثم ذکر امثلۃ مما زعمہ تعصبا	ابن جوزی نے اپنے گمان کے مطابق خطیب
من الخطیب علی الحنابلۃ ومن	کے حنابلہ کے بارے میں تعصب کی جو
نظر بعین الانصاف لم	مثالیں بیان کی ہیں اگر ان پر کوئی شخص
یجد فیما مثالا واحدا یظھر	انصاف سے غور کرے گا تو اسے معلوم ہو گا
منہ التعصب [2]	کہ ان میں سے کسی مثال سے بھی ان کا تعصب
	ظاہر نہیں ہوتا۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۲۔ [2] خاتمہ کتاب الکفایۃ ترجمۃ المولف

امام ابو حنیفہؒ کے خلاف خطیب کے تعصب کی بنیاد تاریخ بغداد کے ان بیانات کو قرار دیا گیا ہے، جو ان کے ترجمہ میں درج ہیں، لیکن اس کے متعلق یہ وضاحت پہلے کی جا چکی ہے کہ خطیب نے ایک مورخ کی حیثیت سے وہ سب اقوال و بیانات جمع کر دیئے ہیں جو انہوں نے سنے تھے یا جن کا ان کو علم ہوا تھا، خواہ ان کا تعلق مناقب و محامد سے ہو یا مثالب و معائب سے، علاوہ ازیں انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کے متعلق جو جرحیں تحریر کی ہیں ان کے بارے میں پہلے ہی معذرت کر دی ہے، نیز انہوں نے کہیں سے اس کو ظاہر نہیں ہونے دیا ہے کہ یہ ان کی اپنی رائے بھی تھی، بلکہ اس کے برعکس وہ امام صاحب کی جلالت قدر کے پوری طرح معترف معلوم ہوتے ہیں - البتہ چونکہ محدثین کی ایک جماعت امام ابو حنیفہؒ کو حدیث میں زیادہ بلند پایہ نہیں سمجھتی تھی اس لئے اس سے ان کے متعلق بعض سخت رائیں منقول ہیں۔ ممکن ہے خطیب پر اس کا اثر رہا، ہو نیز چونکہ ان کے زمانہ میں جماعتی عصبیت کا رجحان پیدا ہو رہا تھا، اس کی وجہ سے ممکن ہے ان کے اندر بھی عصبیت کا شائبہ آگیا ہو لیکن تاریخ کے ان بیانات کو اس کا ثبوت قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

(۲) اشاعرہ و متکلمین سے تعلق - حافظ ابن جوزی نے خطیب پر اعتراض کا بھی ذکر کیا ہے کہ :-

" ان کو اشاعرہ و متکلمین سے بڑی شیفتگی تھی۔ حالانکہ یہ محدثین کے شایان شان نہیں حدیث میں کلام کی مذمت کی گئی ہے، اور خود امام شافعیؒ سے بھی اس کی تردید منقول ہے[1]

اس کا جواب یہ ہے کہ اشاعرہ و متکلمین سے دلچسپی اہل بدعت کی جانب میلان کا نتیجہ نہیں ہے، جیسا کہ حنابلہ نے غلطی سے سمجھا ہے، عقائد و صفات کے بارے میں خطیب کی رائے ... کے موافق تھی، رہی امام ابو الحسن اشعری کی ہمنوائی تو یہی قدیم و جدید محدثین کا

---

[1] المنتظم ج ۸

Marfat.com

مذہب تھا۔ محتاط اور ثقہ علمائے کلام دعقائد میں غور وخوض کو ممنوع اس لئے قرار دیا ہے کہ ان مسائل میں توغل وانہماک سے لوگ مہمات دین سے غافل ہو جاتے تھے۔

(۳) عامیانہ جرح وتعدیل کا اعتراض۔ حافظ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ جرح وتعدیل کے معاملہ میں خطیب کا حال ان عوام محدثین کی طرح ہے، جو قلت فہم کی وجہ سے خلاف واقعہ جرحیں کرتے ہیں۔ خطیب نے کتاب الجہر وکتاب القنوت میں غیر صحیح حدیثیں بیان کی ہیں، اور مسئلہ صوم یوم الغیم کے بارے میں ایک موضوع حدیث ذکر کرکے اس سے استدلال کیا ہے اور اس کے سقم، جرح اور وضع کے بارے میں اصحاب فن کے بیانات نہیں نقل کئے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ جس نے جان بوجھ کر جھوٹی حدیث بیان کی وہ بھی جھوٹا ہے[1]۔

عامیانہ جرح وتعدیل کا الزام خطیب پر اس لئے عائد کیا گیا ہے کہ ان کو جو کچھ معلوم ہوا، اور انہوں نے جو کچھ سنا اس کو بلا نقد وتبصرہ اور بلا بحث وتحقیق جمع کر دیا ہے۔ لیکن دراصل اس معاملہ میں انہوں نے ایک مورخ کا فرض ادا کیا ہے۔ باقی غیر صحیح حدیثوں کے نقل واحتجاج کا جہاں تک معاملہ ہے تو اس کے بارے میں ہم کچھ تیقن کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کی تصنیفات ہماری نظر سے نہیں گزریں۔ ممکن ہے کہ انہوں نے کچھ غیر صحیح حدیثیں ذکر کی ہوں۔ لیکن اس میں قصد وارادہ کو دخل نہیں اور نہ وہ جان بوجھ کر موضوع حدیث سے استدلال کر سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ ان کے اصول ومذہب کے خلاف ہے، غیر صحیح حدیثوں سے حدیث کی کوئی کتاب خالی نہیں، اور خطیب کی عظمت شان اگرچہ مسلم ہے لیکن پہلے گزر چکا ہے کہ ان کی تصنیفات حدیث کا پایہ زیادہ بلند نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ان کو چوتھے طبقہ کی کتب حدیث میں محسوب کیا ہے۔ اس لئے ان میں ضعیف وساقط الاعتبار ہر قسم کی

---

[1] المنتظم ج ۸

حدیثیں شامل ہیں۔

(۴) ناصبیت کا الزام۔ خطیب پر ایک الزام ناصبیت کا بھی ہے۔ اس کی وجہ پہلے گزر چکی ہے کہ جامع دمشق میں حدیث کا درس دیتے ہوئے انہوں نے فضائل عباس کی روائتیں بیان کی تھیں لے مگر یہ ناصبیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ صحابہ کے فضائل اور مراتب و درجات کے قائل اور اہل بیت سے محبت رکھتے تھے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ فضائل عباس کی حدیثیں بیان کرنے کی وجہ سے چونکہ روافض اور فاطمیہ اس قدر مشتعل ہو گئے تھے کہ وہ خطیب کو قتل کر دینا چاہتے تھے۔ اس لئے اس اشتعال اور ان کے زمانہ میں دمشق میں شیعیت کے استیلا اور فاطمیوں کے بڑھتے ہوئے اثرات کے ردعمل میں خطیب میں نمایاں جوش و خروش پیدا ہو گیا ہو اور انہوں نے اس معاملہ میں شدت سے کام لیا ہو جس کا ان کو خمیازہ بھگتنا پڑا تھا، لیکن یہ ناصبیت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

(۵) تصنیفات کے متعلق اعتراض۔ ایک اعتراض یہ ہے کہ ان کی اکثر کتابیں حافظ بن عبداللہ ساحلی صوری (م ۴۴۱ھ) کی تصنیفات سے ماخوذ ہیں۔ صوری جن کتابوں کو شروع کرنے کے بعد مکمل نہیں کر سکے تھے، خطیب نے انہی کی تکمیل کی اور صوری کی کتابوں کی بنیاد پر اپنی کتابیں مرتب کیں گو خطیب کی بعض کتابیں واقعتہً صوری کی کتابوں کی تخریج ہیں تاہم اس کی وجہ سے ان کی سب کتابوں کی صوری کی کتابوں کا چربہ قرار دینا صحیح نہیں ہے، اس کے متعلق ابن جوزی کا بیان قابل غور ہے:۔

"ایک شخص کی نکالی ہوئی راہ پر لامحالہ دوسرے لوگ بھی چلنے ہی لگتے ہیں۔ اس لئے خطیب کا کسی ڈھانچہ کو اصلی قالب اور نیا رنگ و روپ دے دینا کوئی عیب کی بات نہیں ہے، اصل میں یہ چیز دیکھنی چاہیئے کہ ان کے کارناموں کی نوعیت کیا ہے؟ سو اس حیثیت سے خطیب کسی طرح قاصر نظر نہیں آتے۔ ان کی تصنیفات عدیم المثال اور بے نظیر ہیں، ان کا بغور مطالعہ کرنے سے ان کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ دارقطنی وغیرہ کی تصنیفات بھی اس معیار اور پایہ کی نہیں ہیں [۳]

[۱] البدایہ والنہایہ ج ۲ و تذکرۃ الحفاظ ج ۳ [۲] المنتظم ج ۸ [۳] ایضاً

Marfat.com

ابوعبداللہ محمد بن ابونصر فتوح حمیدی

(المتوفی سنہ ۴۸۸ھ)

نام ونسب محمد نام، ابوعبداللہ کنیت اور نسب نامہ یہ ہے: محمد بن ابونصر فتوح بن عبداللہ بن فتوح بن حمید بن یصل[1]

ولادت حمیدی سے منقول ہے کہ میں ۴۲۰ھ سے پہلے پیدا ہوا، عام مورخین نے اسی بیان پر اعتماد کرکے لکھا ہے کہ وہ ۴۲۰ھ سے پہلے پیدا ہوئے تھے[2] لیکن صاحب اعلام نے تصریح کی ہے کہ وہ ۴۱۸ھ (مطابق ۱۰۲۷ء) میں پیدا ہوئے[3] ابن عماد کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ حمیدی کا انتقال تقریباً ستر سال کی عمر میں ہوا[4] ان کا سنہ وفات ۴۸۸ھ ہے۔ اس لحاظ سے سنہ ولادت ۴۱۸ھ ہوگا۔

وطن حمیدی کا اصل وطن رصافہ، قرطبہ ہے، لیکن ان کے والد میورقہ میں جو شرق اندلس کے قریب ایک جزیرہ ہے، آباد ہوگئے تھے، یہیں حمیدی کی ولادت ہوئی۔ اس جزیرہ کی نسبت سے جو اکابر منسوب ہیں ان میں حمیدی کا نام زیادہ ممتاز ہے۔ آخر عمر میں وہ بغداد چلے آئے تھے، اور اسی کو اپنا وطن بنالیا تھا[5]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ و ابن خلکان ج ۲ و کتاب الانساب [2] ایضاً [3] اعلام ج ۳ [4] شذرات الذہب ج ۳
[5] ابن خلکان ج ۲ و تذکرۃ ج ۴ و المنتظم ج ۹ و معجم البلدان ج ۸ بستان المحدثین و نفح الطیب ج ۱

نسبتیں اُن کی سب سے مشہور نسبت حمیدی ہے۔ جو ان کے پردادا حمید بن لیصل کی جانب ہے، بعض مورخین نے اس کی نسبت مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے صاحبزادے حمید کی جانب بتائی ہے مگر ابن خلکان نے اس کی تردید کی ہے۔

ان کی دوسری معروف نسبت میورقی ہے جو ان کے مولد میورقہ کی جانب ہے، ایک نسبت ازدی بھی ہے، یہ غالباً خاندان کی جانب ہوگی، وہ ظاہری بھی کہلاتے تھے، اس سے ان کے فقہی مذہب کا پتہ چلتا ہے۔

مغربی اور اندلسی کی نسبتوں سے ان کا اندلسی اور مغربی ظاہر ہوتا ہے۔

اساتذہ انہوں نے جن اساتذہ سے علم دین کی تحصیل کی تھی ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔ ابوبکر احمد بن علی خطیب، ابوجعفر بن سلمہ، ابوعبداللہ قضاعی، ابوعمر بن عبدالبر ابوغالب ابن بشران اموی، ابوالقاسم جیانی دمشقی، ابوالحسن عبدالدائم بن حسن ہلالی، ابوذر عبدالرحیم بخاری، عبدالصمد بن مامون، عبدالعزیز بن احمد کتانی۔ ابومحمد عبدالعزیز بن حسن ضراب، ابومحمد بن حزم علی بن احمد، ابوتمام علی بن محمد واسطی۔

صحیح بخاری کی مشہور راویہ کریمہ مروزیہ سے انہوں نے مکہ معظمہ میں ملاقات کی تھی۔

ارباب سیر نے تصریح کی ہے کہ ان کا ابن حزم سے خاص تعلق تھا، اور وہ ان کے اجل تلامذہ میں تھے[1]

تلامذہ حمیدی کے مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں:۔ ابواسحٰق بن بنہان رقی۔ ابوعامر عبدری، اسمٰعیل بن سمرقندی، اسمٰعیل بن محمد طلحی، حسین بن حسن مقدسی، ابوعبداللہ حسین بن نصر، صدیق بن عثمان بربری، علی بن علی امینی، ابوالفضل محمد بن بطی، محمد بن طرخان، محمد بن علی خلال، محمد بن ناصر، یوسف بن ایوب ہمدانی زاہد۔

---

[1] ابن خلکان ج ۲ و تذکرہ ج ۴، کتاب الانساب و بستان المحدثین

ان کے شیوخ میں خطیب نے بھی ان سے روایت کی ہے [1]

ب علم اور سماع حدیث کے لئے سفر

حمیدی نے مشہور ممالک اسلامیہ اور مراکز حدیث کا دورہ کر کے علم و فن کی تحصیل کی اور حدیث
س کے متعلقہ فنون میں درک و مہارت بہم پہنچائی اس سلسلہ میں انہوں نے اندلس، عراق،
ان، حجاز، شام، افریقہ اور مصر وغیرہ کا سفر کیا اور ان مقامات کے علمائے فن اور ارباب
سے استفادہ کیا۔ شروع میں وہ بلاد مغرب میں مقیم رہے۔ ۴۴۸ھ میں بلاد مشرق کا سفر
اور پہلی دفعہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے، یہیں ان کی کریمہ مروزیہ سے ملاقات ہوئی، وہ نہایت
نی میں علم و فن کی تحصیل اور حدیث کی روایت و سماع میں مشغول ہو گئے تھے، ان کا خود بیان
سب سے پہلے میں نے ۴۲۵ھ میں فقیہ اصبغ بن راشد سے سماع کیا۔ گو اس وقت
عمر کم تھی تاہم ان کے سامنے جو کچھ پڑھا جاتا تھا۔ اس کو سمجھ لیتا تھا [2] صاحب نفح الطیب
ہیں کہ وہ لوگوں کے دوش پر بیٹھ کر سماع کے لئے جاتے تھے [3]

غال علم

ان کو علم و فن سے بڑا تعلق تھا۔ اور وہ برابر اس کی طلب و تحصیل اور نشر و اشاعت
میں منہمک رہتے تھے۔ ابن ماکولا کا بیان ہے کہ ان سے زیادہ میں نے علم
اشتغال رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ یافعی کا بیان ہے کہ وہ علم اور تحصیل علم کے دلدادہ
ہمیشہ پورے شوق اور نہایت توجہ و محنت سے علمی کاموں میں معروف رہتے تھے۔
ں تک کہ گرمی کی تکلیف دہ راتوں میں بھی وہ علمی اشتغال کو انہماک کے ساتھ جاری رکھتے تھے
ے تعلق اور اس کی نشر و اشاعت سے ان کی دلچسپی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ انہوں
کتابوں کا ایک وسیع ذخیرہ جمع کیا تھا، اور ان کا کتب خانہ طلبہ اور شائقین علم کے

---

[1] ابن خلکان ج ۲ و تذکرۃ ج ۴ کتاب الانساب و بستان المحدثین [2] تذکرہ ج ۴ العبر ج ۳ و ابن
کان ج ۲ [3] نفح الطیب ج ۱

نے وقف رہتا تھا۔[1]

ضبط و ثقاہت اُن کے حفظ و ضبط اور عدالت و ثقاہت میں کوئی کلام نہیں کیا گیا اُن کے معاصرین، تلامذہ اور سوانح نگاروں نے ان کو حافظ، الم المشہور، الحافظ الکبیر، احد حفاظ عصرہ، ثقہ، ثبت، حجت، قدوہ اور متقن وغیرہ کہا ہے

حدیث میں درجہ و مرتبہ حمیدی کا درجہ حدیث و روایت میں مسلم ہے، ارباب فن نے کو صاحب حدیث اور حافظ مکثر کہا ہے۔ جو اس فن میں ا عظمت و جلالت کا ثبوت ہے۔ ابنِ ماکولا نے ان کے تیقظ کی تعریف کی ہے۔ یحیی ابراہیم سلماسی فرماتے ہیں کہ "وہ حدیث اور اس کے علل و رواۃ کے عارف و امام اور ا ضبط و تحقیق اور تلبیس و اصول میں ماہر تھے۔"

ذہبی کا بیان ہے کہ ان کو حدیث سے ویسی ہی واقفیت تھی جیسی ہونی چاہئے صاحب نفح الطیب لکھتے ہیں کہ وہ حدیث کے حفظ و ضبط اور معرفت۔ نیز ثقاہت اور صدق وغیرہ میں امام تھے، اور ان کی یہ خصوصیت بھی بیان کی جاتی ہے کہ وہ حدیث بڑے دلکش اور عمدہ انداز میں پڑھتے تھے۔[2]

علم رجال حدیث کی طرح اس کے متعلقہ علوم یعنی علل حدیث اور فن رجال میں بھی ما تھے۔ علم حدیث کے سلسلہ میں اسماء الرجال کے فن کو جو اہمیت حاصل ہے حمیدی کو اس کا پورا اندازہ تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ علم حدیث کے سلسلہ میں تین چیزیں خاص طور سے دھیان دینے اور ان کا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک کتاب العلل اس میں سب سے عمدہ تصنیف امام دارقطنی کی ہے، دوسری

---

[1] نفح الطیب ج ۱، ابن خلکان ج ۲، تذکرہ ج ۴، المنتظم ج ۹، مرآۃ الجنان ج ۳، شذرات ج ۲ تاریخ ابن اثیر ج ۱۰ [2] تذکرہ ج ۴، ابن خلکان ج ۲، بستان و نفح الطیب ج ۱

Marfat.com

وتلف ومختلف۔ اس فن میں امیر ابن ماکولا کی اکمال سب سے عمدہ کتاب ہے مگر تیسرن دفیات شائع۔ اس میں کوئی کتاب نہیں ہے۔ اس لئے میں نے اس کو مرتب کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ لیکن ابن ماکولا کا بیان ہے کہ وہ صحیحین میں اشتغال کی وجہ سے اس کی جانب اعتنا نہیں کرتے اور ان کی وفات ہو گئی۔

ذہانت و وسعت علم مؤرخین نے حمیدی کی ذہانت و فطانت، وسعت علم و مطالعہ اور کثرت معلومات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ وہ علوم کا مخزن تھے۔ ابو عامر حیدری نے ان کو علمی حیثیت سے عدیم المثال بتایا ہے۔ یحییٰ بن ابراہیم سلماسی فرماتے ہیں کہ وہ فضل و شرافت اور وفور علم میں بے نظیر تھے۔ میں نے علم و فن کی اشاعت کا ان سے زیادہ حریص شخص نہیں دیکھا۔

فقہ فقہ میں بھی امتیاز رکھتے تھے۔ اپنے والد اور مشہور فقیہ محمد بن ابو یزید سے اس فن کی تحصیل کی تھی۔ ان سے انہوں نے الرسالہ مختصرہ وغیرہ کی روایت بھی کی ہے۔ ابو عامر حیدری کا بیان ہے کہ وہ فقہ و حدیث دونوں میں جامع تھے۔

سیر و تاریخ حمیدی کی اخبار، سیر، تاریخ اور وقائع پر بھی گہری نظر تھی۔ اس پر ان کی تصنیفات شامل ہیں۔

ادب و عربیت دینی علوم کی طرح ادبیات سے بھی شغف تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں:۔

در علم عربیت و ادب و حل تراکیب قرآن و دریافت لطافت بلاغت | علم و عربیت و ادب، قرآن کی ترکیبوں کے حل اور اس کی بلاغت و لطافت کی

لے تاریخ ابن خلکان ج ۲ و تذکرہ ج ۴ و مراۃ الجنان ج ۳ ستہ نفح الطیب ج ۱ تذکرہ ج ۴ و مراۃ الجنان ج ۳ ستہ تذکرہ ج ۴ و نفح الطیب ج ۱

آں دستگاہی کلی نصیب دارد[1] دریافت میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

صاحب نفح الطیب کا بیان ہے کہ وہ علم وادب وعربیت میں متبحر تھے[2] اح

شعر وسخن

حمیدی نے موزوں طبیعت پائی تھی، اس لئے شعر وشاعری بھی کرتے تھے ان کے اشعار وعظ وپند اور حکمت وموعظت پر مشتمل ہوتے تھے، چند اشعا ملاحظہ ہوں :۔

لقاء الناس لیس یفید شیئا — سوی الهذیان من قیل وقال

فاقلل من لقاء الناس الا — لاخذ العلم او اصلاح حال

ترجمہ :۔ لوگوں سے میل جول بے فائدہ ہے، اس سے بکواس اور لایعنی قیل وقال کے سو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے علم کی تحصیل یا اپنی اصلاح کے علاوہ لوگوں سے جلنا بالکل ترک کر دو۔

کتاب الله عز وجل قولی — وما صحت به الآثار دینی

وما اتفق الجمیع علیه بدأ — وعودا فهو عن حق مبین

فدع ما صد عن هذا وخذها — تکن منها علی عین الیقین[3]

ترجمہ :۔ اللہ کی کتاب اور صحیح روایت و آثار میرا مسلک و دین ہے، اور جن چیزوں پر ام اوّل سے آخر تک متفق ہو وہ بھی بجا طور پر حق مبین ہے، اس لئے اگر تم بھی ان اختیار کر لو اور جو چیزیں ان میں مانع ہوں ان کو چھوڑ دو تو عین یقین پر فائز ہو جاؤ گے

ورع وتقویٰ

علم وفضل کی طرح تقویٰ کے زیور سے بھی آراستہ تھے، ان کے ورع وعف عفت وتدین اور پاکبازی کا تمام ارباب سیر نے ذکر کیا ہے، علامہ ا خلکان لکھتے ہیں کہ وہ نباہت ومعرفت، اتقان، تدین اور ورع سے متصف تھے، اُن کے معا

---

[1] بستان المحدثین [2] ایضاً واتحاف النبلاء

ردوست امیر ابن ماکولا فرماتے ہیں کہ مجھ کو پاکی، نزاہت، عفت اور پرہیزگاری میں حمیدی کا کوئی ل نظر نہیں آیا۔ اتباع سنت ان کا خاص شعار تھا۔ حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے تھے، رم وحیا کا پیکر تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز ابوبکر بن میمون نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا، میدی نے غفلت کی وجہ سے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ سمجھے کہ غالباً مجھ کو اندر جانے کی اجازت ہے، چنانچہ وہ کمرے کے اندر داخل ہوگئے۔ اس وقت حمیدی کی ران کھلی ہوئی تھی، وہ شرم سے پانی پانی ہوگئے، اور دیر تک ان پر رقت طاری رہی، انہوں نے کہا جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے اس وقت سے آج تک کسی نے میری ران کو برہنہ نہیں دیکھا تھا۔[1]

دنیا سے بیزاری

ورع وتدین کی بنا پر وہ دنیا سے نہایت بیزار اور کنارہ کش رہتے اور دنیا اور اس کے زخارف کے تذکرہ سے کبھی ان کی زبان آلودہ نہ ہوتی، اور نہ ان کی مجلسوں میں مال ومتاع دنیا کا کوئی چرچا ہوتا تھا، ان کی زندگی نہایت سادہ اور صبر وقناعت کی تھی، صرف کفالت پر گزر بسر کرتے تھے۔ ابوبکر بن حافیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو کبھی دنیا کا تذکرہ کرتے ہوئے نہیں پایا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں کہ لوگوں نے ان کی مجلسوں اور گھر وغیرہ میں بارہا ان کا امتحان لینا چاہا، لیکن ان کی زبان پر دنیا اور اس کی جاہ وحشمت کا کوئی ذکر نہیں آیا، ان کی شاعری بھی نہایت پُراز حکمت دنیا کی مذمت پر مشتمل ہوتی تھی۔

فقہی مذہب ومسلک

وہ امام ابن حزم کے اخص تلامذہ میں تھے۔ اس لئے ان کا رجحان بھی اپنے استاد کی طرح ظاہری مذہب کی طرف تھا، غالباً اُن کے زمانہ میں اہل ظاہر کے خلاف گونہ شورش وہیجان پایا جاتا تھا، اس لئے وہ اپنی ظاہریت کو مخفی رکھتے تھے۔ قاضی عیاض کا بیان ہے کہ اس کے باوجود ان کو فتنوں سے دوچار ہونا پڑا اور بعض علماء نے ان کے ساتھ سختی اور شدت کا معاملہ کیا، اس سے تنگ آکر بلا مشرق

---

[1] ابن خلکان ج ۳ وتذکرہ ج ۴ [2] تذکرہ ج ۴ وبستان المحدثین

کی طرف چلے گئے۔[1]

وفات حمیدی نے منگل کی شب میں ۱۰ ذی الحجہ ۴۸۸ھ کو اس جہان فانی کو الوداع کہا اور بدھ کے روز باب ابرز میں شیخ ابو اسحٰق شیرازی کے مزار کے پاس دفن کئے گئے مشہور شافعی فقیہ محمد بن احمد بن حسین نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

مدفن مشہور ہے کہ انہوں نے وفات سے پیشتر بغداد کے افیسر اعلیٰ مظفر کو وصیت کی تھی مجھ کو بشر حافی کے مزار کے پاس دفن کیا جائے، لیکن اس نے اس وصیت کا خیال نہیں کیا اس لئے وہ پہلے شیخ ابو اسحٰق کے مقبرہ کے قریب دفن کئے گئے، مگر کچھ دنوں کے مظفر نے خواب دیکھا کہ حمیدی اس بارے میں اس سے گلا وشکایت کر رہے ہیں، اس کا اثر کہ ماہ صفر ۴۹۱ھ میں اس نے ان کو سابق مدفن سے منتقل کر کے بشر حافی کے مقبرہ کے پاس دفن کرا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود ان کا کفن تر وتازہ اور جسم صحیح و سالم تھا، اور دور تک اس کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی، بعض مورخین نے اس واقعہ کو ان کی کرامات میں شمار کیا ہے۔[2]

تصنیفات حمیدی سے جو تصنیفات یادگار رہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں:۔

(۱) کتاب الجمع بین الصحیحین۔ یہ حمیدی کی سب سے اہم اور مشہور تصنیف ہے اس کو انہوں نے صحابہ کے ناموں پر ان کے فضل و تقدم کے اعتبار سے مرتب کیا ہے، اس لئے اس میں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور اس کے بعد خلفائے راشدین، پھر عشرہ مبشرہ کی حدیثیں ہیں، اور اس کے بعد دیگر صحابہ کے مرویات ان کے مراتب کے اعتبار سے درج ہیں اس موضوع پر اور علمائے بھی کتابیں لکھی ہیں، لیکن حمیدی کی تصنیف کو خاص امتیاز حاصل ہے اور وہ بڑی مستند و معتبر خیال کی جاتی ہے، علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ و بستان المحدثین و نفح الطیب ج ۱

Marfat.com

واعتمدت فی النقل من الصحیحین علی ما جمعه الحمیدی فی کتابه فانه احسن فی ذکر طرقه واستقصی فی ایراد رواته والیه المنتهی فی جمع هذین الکتابین .

میں نے صحیحین کی حدیثیں (اپنی کتاب جامع الاصول میں) نقل کرنے میں حمیدی کی کتاب پر اعتماد کیا ہے ، کیونکہ انہوں نے روایات کے طرق بیان کرنے میں بڑی خوبی سے کام لیا ہے ، اور رواۃ کا بھی نہایت استقصاء سے ذکر کیا ہے پس ان دونوں کتابوں کے بارے میں یہی کتاب اصل مرجع ہے ۔

اس کتاب کی اہمیت کی وجہ سے اس کی شرحیں اور تلخیصات بھی کی گئی ہیں جو حسب ذیل ہیں :

۱۔ الایضاح عن معانی الصحاح ۔ یہ عون الدین ابو المظفر یحییٰ بن محمد المعروف بابن ہبیرہ حنبلی (م ۵۶۰ ھ) کی شرح ہے ، اس میں حکم نبوی کی شرح و وضاحت کی گئی ہے ، اور یہ چند جلدوں پر مشتمل ہے ۔ اس کی پہلی جلد کو لوگوں نے کتاب الافصاح کے نام سے علیحدہ اور مستقل کتاب قرار دیا ہے ۔

۲۔ الحجہ ۔ ابو علی حسن بن خطیر نعمانی الظہیر فارسی (م ۵۹۸ ھ) کی شرح ہے جو کتاب الافصاح کا مختصر ہے ۔ تاہم اس میں بعض اضافے بھی ہیں ۔

۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ ھ) نے الجمع کی تلخیص کی ہے ۔ الجمع کے قلمی نسخے شیخ الاسلام مدینہ ، خدیویہ مصر اور خدا بخش خان پٹنہ کے کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں [1]

ایک اعتراض اور اس کا جواب

عراقی کا بیان ہے کہ حمیدی نے اس میں بعض ایسے الفاظ اور تتمے بڑھائے ہیں جو صحیحین میں موجود نہیں ہیں

[1] مقالات سلیمان ج ۲ و فہرست خدیویہ ج ۲ ، فہرست کتب خانہ خدا بخش پٹنہ ج ۱

اس بنا پر اصل و اضافہ میں تمیز مشکل ہو گئی ہے، لیکن بقاعی نے اس کا جواب دیتے ہوئے
حمیدی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ گو میں نے اس میں تتمے کے طور پر صحیحین کے ساتھ اعتنا کر
والے بعض لوگوں مثلاً اسماعیلی و برقانی وغیرہ کے بیانات الفاظ حدیث کی تشریح وغیرہ کے
میں نقل کئے ہیں، مگر اصل و اضافہ میں امتیاز کے لئے اس قسم کے الفاظ بھی لکھے ہیں

الی ھھنا انتھت روایۃ البخاری او من ھنا زادہ البرقانی او کذا زادہ فلان[1] — یہاں بخاری کی روایت تمام ہو گئی یا یہ سے برقانی کا اضافہ شروع ہوتا ہے یا یہ شخص کا اضافہ ہے۔

(۲) کتاب اندلس۔ اس کا اصل نام جذوۃ المقتبس فی تاریخ علماء الاندلس یا جذوۃ المقتبس فی اخبار علماء الاندلس ہے، اس کے شروع میں مصنف نے لکھا ہے کہ انہوں نے کو اپنی یادداشت سے مرتب کیا ہے[2]

(۳) کتاب الامانی الصادقۃ (۴) کتاب تسہیل السبیل الی علم الترسیل (۵) کتاب ما من النصوص والاخبار حفظ الجار (۶) کتاب ذم النمیمۃ (۷) کتاب الذھب المسبوک فی وعظ الملوک (۸) کتاب الرسل (۹) جمل تاریخ الاسلام یا تاریخ الاسلام (۱۰) کتاب مخاطبات الاصدقاء فی المکاتبات واللقاء (۱۱) کتاب من ادعی الامان من اہل الایمان[3]

---

[1] کشف الظنون ج ا [2] ایضاً و بستان المحدثین [3] ایضاً و نفح الطیب ج ا

حافظ شیرویہ بن شہردار دیلمی

(م ۵۰۹ھ)

نام ونسب شیرویہ نام، ابو شجاع کنیت اور نسب نامہ یہ ہے۔ شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ ابن فناخسرو۔

ولادت ووطن ۴۴۵ھ میں ہمدان میں پیدا ہوئے۔

خاندان وہ نسباً عجمی تھے۔ اور ان کا سلسلۂ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی فیروز دیلمی سے ملتا ہے۔ حضرت فیروز دیلمی کو مدعی نبوت اسود عنسی کے قاتل ہونے کا فخر حاصل ہے۔[1]

شیوخ شیرویہ کے بعض مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں:-

ابوالقاسم بن البسری ریاالبسری، احمد بن عیسیٰ بن عباد دینوری، سفیان بن حسین بن فنجویہ، ابومنصور عبد الباقی بن محمد ریاعلی، العطار، عبدالحمید بن حسن قشانی، ابومحمد عبدالوہاب بن مندہ، ابوالفرج علی بن محمد حریری بجلی، ابوالفضل محمد بن عثمان قومسانی، [illegible]

---

[1] طبقات الشافعیہ ج ۴ و شذرات الذہب ج ۴

دینوری اور یوسف بن محمد بن یوسف مستملی وغیرہ [1]

تلامذہ چند تلامذہ کے نام یہ ہیں :۔
حافظ ابوموسیٰ مدائنی، حافظ ابوالعلا احمد بن حسن عطار، حافظ ابوالعلاء احمد بن محمد بن فضل اسفرائنی، محمد بن قاسم سادی۔

شیرویہ کے خاص تلامذہ میں ان کے نامور فرزند شہردار دیلمی بھی ہیں [2] ان کے مختصر حالات آگے درج ہیں۔

رحلت وسفر ذہبی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمدانی کے علاوہ انہوں نے اصفہان، بغداد اور قزوین کے اہل علم اور محدثین سے کسب فیض کیا تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ ان جگہوں کے علاوہ دوسرے اسلامی شہروں میں بھی سیر وسیاحت کی اور ابن صلاح نے ان کے متعلق واسع الرحلہ لکھا ہے [3]

حدیث میں درجہ وہ مشہور حفاظ اور صاحب تصنیف محدثین میں تھے، اہل سیر نے ان کو المحدث والحفاظ لکھا ہے۔ ذہبی نے ان کے حسن معرفت کا بھی ذکر کیا ہے تاہم ضبط واتقان میں زیادہ بلند پایہ نہ تھے، شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں :۔

اما در اتقان، معرفت او قصور	اتقان، معرفت اور علم میں کچھ قصور تھا۔
یست. در سقیم و صحیح احادیث	سقیم اور صحیح حدیثوں میں امتیاز نہیں کر سکتے
تمیز نمیکند و لہذا دریں کتاب او	تھے لہذا ان کی اس کتاب فردوس الاخبار
موضوعات و واہیات تودہ تودہ	میں موضوعات غیر مستند چیزیں درج ہیں۔
مندرج [4]	

---

[1] طبقات الشافعیہ ج ۴، تذکرۃ الحفاظ ج ۴ [2] طبقات الشافعیہ ج ۴، تذکرۃ الحفاظ ج ۴ [3] تذکرہ ج ۴ وشذرات الذہب ج ۴ [4] بستان المحدثین

Marfat.com

تاریخ و سیر حدیث کی طرح سیر و تاریخ بھی ان کا موضوع تھا، اور ان فنون پر ان کی اچھی نظر تھی۔ اور مورخ ہمدان کہلاتے تھے۔

ذہانت وہ غیر معمولی ذہین تھے، ذہبی نے ذکی القاب، ابن صلاح نے ذکی اور یحییٰ ابن مندہ نے کیس کہہ کر ان کی اس خصوصیت کا ذکر کیا ہے۔

عقیدہ و مسلک شیرویہ صحیح العقیدہ اور مذہب اہل سنت کے بڑے حامی اور فرق باطلہ سے متنفر تھے۔ ابن صلاح اور ابن مندہ نے ان کو مذہب سنت میں متصلب اور اعتزال سے دور بتایا ہے۔

فقہی مذہب فقہ میں امام شافعیؒ کے مذہب کے پیرو تھے، ابن شہبہ اور تاج الدین نے طبقات الشافعیہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔

اخلاق و اوصاف حسن خلق سے بھی متصف تھے۔ ابن مندہ و ابن صلاح نے ان کو خلیق دلیر اور کم گو ہونے کا ذکر کیا ہے۔

شکل و شباہت سیرت کی طرح عمدہ صورت بھی پائی تھی۔ اور بڑے وجیہ و شکیل آدمی تھے۔ ابن مندہ و ابن صلاح نے کہا ہے کہ وہ صورت و سیرت دونوں میں ممتاز تھے۔

وفات رجب ۵۰۹ھ میں وفات ہوئی۔[۱]

اولاد اُن کے ایک صاحبزادہ ابو منصور شہردار کا ذکر ملتا ہے، یہ بھی صاحب فضل و کمال تھے۔ اس لئے ان کے مختصر حالات درج ہیں:۔
شہردار نے اپنے والد کے علاوہ متعدد اساتذۂ فن سے علم حدیث کی تحصیل کی تھی۔

---

[۱] یہ تفصیلات تذکرۃ الحفاظ ج ۴، طبقات الشافعیہ ج ۴ شذرات الذہب ج ۴ اور لسان المیزان سے ماخوذ ہیں

Marfat.com

ان کو علم حدیث کی فہم و معرفت کا بڑا ملکہ تھا، سمعانی نے ان کے فہم و معرفت کی شہادت دی ہے، لوگوں کا خیال ہے کہ ضبط و اتقان اور فہم و معرفت میں اپنے والد سے بہتر تھے، طلب علم میں یہ ان کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ ۵۰۵ھ میں ان کے ہمراہ اصفہان گئے اور ۵۳۰ھ میں تنہا بغداد تشریف لے گئے زیادہ وقت درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں بسر کرتے، علم ادب سے اچھی واقفیت تھی، زہد و اتقاد کے زیور سے آراستہ اور بڑے عبادت گزار تھے۔ مسجد ہی میں رہ کر تالیف و تصنیف اور درس و تدریس کا کام بھی انجام دیتے تھے، اپنے والد شیرویہ کی کتاب فردوس الاخبار کو از سر نو مرتب کیا اور جب اس کی تہذیب و تنقیح سے فارغ ہوئے تو ان کے لڑکے اور شیرویہ کے پوتے ابو مسلم احمد اور دوسرے شاگردوں نے ان سے اس کی روایت کی، ۵۵۸ھ میں انتقال کیا[1]

تصنیفات حافظ شیرویہ کا خاص مشغلہ درس و تدریس اور تالیف و تصنیف تھا، ان کی جن کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں وہ یہ ہیں:۔

۱۔ کتاب الفردوس: یہ قضاعی کی کتاب الشہادت پر متخرج ہے، اسی لئے اس کا نام فردوس الاخبار بماثور الخطاب المخرج علی کتاب الشہاب ہے، یہ دس ہزار چھوٹی چھوٹی حدیثوں پر مشتمل ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے کتب حدیث کے چوتھے طبقہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کی ترتیب مشارق، تنبیہات اور جامع صغیر کی طرح حروف تہجی پر ہے، اس میں سندوں کا ذکر نہیں ہے، لیکن رواۃ کا ذکر ہے حوالہ اور مخرج کے لئے علامتیں اور رموز دیئے گئے ہیں سیوطی کی جامع صغیر میں بعینہٖ اس کا تتبع کیا گیا ہے۔ یہی کتاب اب مسند الفردوس کے نام سے مشہور و متداول ہے، جس کو مصنف کے فرزند (محدث شہردار) نے چار جلدوں میں از صحابہ کے ناموں پر مرتب کیا ہے اور ہر ہر حدیث کو سنداً بیان کیا ہے[2]

---

[1] شہردار کے حالات کے لئے طبقات الشافعیہ ج ۴ و بستان المحدثین ملاحظہ ہو۔ [2] کشف الظنون ج ۲ والرسالۃ المستطرفہ و بستان المحدثین۔

حافظ ابن حجر نے تسدید القوس فی مختصر مسند الفردوس کے نام سے اس کا مختصر کیا ہے[۱] اور سیوطی کا بیان ہے کہ حافظ نے اس کے زوائد ایک جلد میں جمع کئے ہیں[۲]

اس کے قلمی نسخے مدینہ، جرمنی، مصر، حیدرآباد اور رام پور کے کتب خانوں میں ہیں[۳]

(۲) تاریخ ہمذان۔ شیخ محمد بن عبدالملک ہمدانی (م ۵۳۱ھ) نے اس کا ذیل لکھا ہے[۴]

(۳) کتاب حکایات المناجات۔ (۴) ریاض الانس لعقلاء الانس فی معرفۃ احوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتاریخ الخلفاء۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے علاوہ خلفائے راشدین اور خلفائے بنی امیہ وعباسیہ کا بھی تذکرہ ہے۔ خلفاء کے واقعات و حالات کے ضمن میں ان کے امراء و وزراء کا تذکرہ بھی آگیا ہے، یہ کتاب عباسی خلیفہ مستظہر باللہ ابو العباس احمد بن عبداللہ المقتدی بامراللہ، ۴۸۷ھ تا ۵۱۲ھ کے تذکرہ پر تمام ہوئی ہے۔ اس کا قلمی نسخہ مصر کے کتب خانہ میں ہے[۵]

---

۱ کشف الظنون ج ۲ والرسالۃ المستطرفہ وبستان المحدثین ۲ تدریب الراوی ۳ مقالات سلیمان ج ۲، مقدمہ تحفۃ الاحوذی، فہرست خدیویہ مصر ج ۱ و فہرست کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد ج ۱ و فہرست کتب رضا لائبریری رام پور ج ۱ ۴ کشف الظنون ج ۱ ۵ تذکرۃ النوادر۔

امام ابو محمد حسین فراء بغوی

(متوفی ۵۱۹ھ)

نام ونسب حسین نام، ابو محمد کنیت، محی السنۃ و رکن الدین لقب اور الفراء و ابن الفراء عرفیت ہے۔ نسب نامہ یہ ہے: حسین بن مسعود بن محمد بن الفراء۔ فراء و ابن الفراء کی عرفیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرد ا پوستین، بننا اور فروخت کرنا ان کا خاندانی پیشہ تھا[1]

ولادت ووطن امام بغوی ۴۳۶ھ یا اس سے کچھ پہلے "بغ" میں پیدا ہوئے۔ یہ ہرات اور مرو کے درمیان خراسان کا ایک مقام ہے۔ اس کا اصل نام بغشور جو "باغ کور" کا معرب ہے، بتایا جاتا ہے۔ "شور" حذف ہو جانے سے بغ ہو گیا، بغوی کی نسبت اسی کی طرف ہے۔ ابو سمعانی (م ۵۶۲ھ) کو کئی بار یہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ ان کے زمانے تک یہ آباد اور معمور تھا، لیکن یاقوت حموی کا بیان ہے کہ ۶۱۶ھ میں یہ اُجڑنا شروع ہو گیا تھا اس شہر کو جن اکابر علمائے اسلام کا مولد ہونے کا شرف حاصل ہے، ان میں فراء بغوی بھی ممتاز اور قابل ذکر ہیں[2]

اساتذہ اُن کے بعض مشہور شیوخ کے نام ملاحظہ ہوں:-

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ و بستان المحدثین [2] ایضاً و ابن خلکان ج ۱ و کتاب الانساب و معجم البلدان ج ۲

Marfat.com

احمد بن نصر توقانی، حسان بن محمد منیعی، قاضی حسین، ابوالفضل زیاد بن محمد حنفی، ابوالحسن عبدالرحمن بن محمد داؤدی، ابوعمر عبدالواحد بن احمد ملیحی، ابوالحسن علی بن یوسف جوینی، ابوالحسن محمد بن محمد شیرازی، ابوبکر محمد بن ہیثم ترابی اور ابوبکر یعقوب بن احمد صیرفی۔

قاضی حسین صاحب تعلیقہ فقہ میں بڑے صاحبِ کمال تھے۔ ان کا شمار اجلہ شوافع میں ہوتا ہے، بغوی ان کے خاص تلامذہ میں تھے اور فقہ کی تحصیل ان ہی سے کی تھی۔

تلامذہ ابومنصور محمد بن اسعد عطاردی المعروف بابن حفدہ ابوالفتوح محمد بن محمد طائی وغیرہ ان کے مشہور شاگرد ہیں۔ بغوی کے آخری شاگرد جن کو ان سے روایت کی اجازت حاصل تھی ابوالمکارم فضل اللہ بن محمد نوقانی تھے۔ یہ چھٹی صدی ہجری تک طالقان میں بقید حیات رہے، اور علامہ ذہبی کے شیخ فخرالدین علی مقدسی کو ان سے اجازت حاصل تھی۔

سماع حدیث کی ابتدا بغوی کے سوانح نگاروں نے ان کے رحلت و سفر کی تصریح نہیں کی ہے، لیکن اس عہد کے محدثین کی طرح انہوں نے بھی سماع حدیث اور تحصیل علم کے لئے اسلامی ممالک کا سفر ضرور کیا ہوگا۔ علامہ ابن سبکی کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ۴۶۰ھ کے بعد حدیث کے سماع کا آغاز کیا تھا۔

حدیث میں درجہ اُن کا درجہ حدیث میں مسلّم ہے۔ علامہ ابن سبکی لکھتے ہیں کہ اس فن میں اُن کا مقام نہایت بلند ہے۔ ابن خلکان نے محدث اور ذہبی نے الحفاظ کہہ کر ان کے حدیث میں کمال و امتیاز کا ذکر کیا ہے۔ ابن ہبۃ اللہ بغوی کو فن حدیث میں امام اور صاحب تصنیفات عدیم النظیر بتاتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ وہ بے نظیر محدث اور معتبر و معتمد شارحین حدیث میں تھے، شوافع میں احادیث کی شرح و توجیہ کے لئے جو علماء ممتاز سمجھے جاتے ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہیں۔ ان کا لقب محی السنہ

---

۱ تذکرۃ الحفاظ ج ۴ و طبقات الشافعیہ لابن سبکی ج ۴ ۲ طبقات الشافعیہ ج ۴ ۳ طبقات الشافعیہ ابن سبکی ج ۴
ابن خلکان ج ۱ و طبقات الشافعیہ لابن ہبۃ اللہ، بستان المحدثین و عجالہ نافعہ مع فوائد جامعہ ۵ تذکرۃ الحفاظ ج ۴

Marfat.com

اس فن میں ان کی عظمت و کمال کا ثبوت ہے۔

تفسیر کلام رسول کی طرح کلام الٰہی سے بھی ان کو خاص شغف اور لگاؤ تھا، چنانچہ حدیث کی طرح قرآن مجید کی تشریح و تفسیر میں بھی ممتاز مانے جاتے ہیں، شاہ عبدالعزیز صاحب نے ان کو بے عدیل، اور صاحب روضات نے عدیم النظیر مفسر کہا ہے، اور ابن سبکی نے علم تفسیر میں عالی و بلند پایہ اور ابن ہبتہ اللہ نے امام بتایا ہے[1] حدیث کی طرح تفسیر میں بھی ان کی کتاب نہایت اہم خیال کی جاتی ہے۔ کلام اللہ کے سلسلہ میں وہ قرأت و تجوید کے فن کے ماہر بھی تھے۔ اپنی تفسیر میں انہوں نے قرأت کے متعلق مفید بحثیں کی ہیں۔

فقہ وہ فقہ کے ماہر اور مرتبۂ اجتہاد پر فائز تھے، اسی لئے علامہ ذہبی نے ان کو المجتہد کہا ہے۔ علامہ ابن سبکی لکھتے ہیں:-

"ان کو فقہ میں ید طولیٰ حاصل تھا، اور اس میں ان کی معلومات کا دائرہ نقل و تحقیق ہر اعتبار سے وسیع تھا، ان کے اختیار کردہ مسائل پر جب بحث کی گئی تو وہ ان اقوال کے مقابلہ میں جن کو انہوں نے ترک کیا تھا۔ قوی اور مرجح تھے۔ ابن ہبتہ اللہ کا بیان ہے کہ وہ فقہ میں امام تھے قاضی حسین صاحب تعلیقہ سے تلمذ ان کے بلند پایہ فقیہ ہونے کا ثبوت ہے۔"

بغوی مجتہدانہ اوصاف کے باوجود شافعی المذہب تھے، اور ان کا شمار اکابر شوافع میں ہوتا ہے[2]

جامعیت و اعتراف کمالات اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اُس سے بغوی کی جامعیت گوناگوں کمالات اور اسلام کے تین اہم اور بنیادی

---

[1] طبقات الشافعیہ ابن سبکی ج ۴ و ابن خلکان ج ۱ و طبقات الشافعیہ لابن ہبتہ اللہ و بستان المحدثین و عجالہ نافعہ مع فوائد جامعہ و تذکرۃ الحفاظ ج ۴

Marfat.com

علوم یعنی تفسیر، حدیث اور فقہ میں امامت وعظمت شان پوری طرح واضح ہوجاتی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن سبکی و ابن ہبۃ اللہ کا بیان ہے کہ وہ قرآن وسنت اور فقہ کے علوم میں بانی امام اور یکتائے روزگار تھے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ بغوی ان تینوں علوم کے فاضل تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ لکھتے ہیں کہ وہ ان تینوں فنون میں جامع اور ہر ایک میں مرتبہ کمال پر فائز تھے۔ ان کی پوری زندگی ان علوم کے پڑھنے پڑھانے اور ان سے متعلق کتابیں لکھنے میں بسر ہوئی۔ ابن اہدل کا بیان ہے کہ انہوں نے مختلف الفنون پر مفید تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ علامہ ابن سبکی کا بیان ہے کہ بغوی جلیل القدر امام تھے، وہ بغداد نہیں جا سکے ورنہ ان کا بڑا مبسوط تذکرہ کیا جاتا۔ شیخ امام و صاحب شرح مہذب ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ اور ان کی تحقیقات کی تعریف کرتے تھے۔ ذہبی نے ان کو امام، حافظ، مجتہد اور محی السنۃ اور ابن خلکان نے علامہ [illegible] بتایا ہے۔ اور یافعی و ابن عماد نے امام اور عالم خراسان لکھا ہے۔

شغل

اوپر گزر چکا ہے کہ وہ تفسیر، حدیث اور فقہ تینوں علوم کے جامع تھے۔ ان علوم سے متعلق تصنیف وتالیف اور درس وتدریس ان کا خاص مشغلہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ علم وفن کی خدمت وتحقیق ہی ان کا خاص مشغلہ اور اصلی مشغلہ تھا، اور ہمہ وقت اسی میں مشغول ومنہمک رہتے تھے۔

زہد وعبادت

علمی اور دینی حیثیت سے بھی ممتاز اور بلند پایہ تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ قائم اللیل وصائم النہار علمائے ربانیین میں تھے۔ علامہ ابن سبکی فرماتے ہیں کہ بغوی علم وعمل کے جامع، متبع سلف اور دینی لحاظ سے عالی مقام تھے۔ دوسرے ارباب سیر وتذکرہ نے بھی ان کے زہد وورع، صلاح وتقویٰ اور زہد وعبادت کا ذکر کیا ہے۔

---

۱ طبقات الشافعیہ ج ۴، البدایہ والنہایہ ج ۱۲، بستان المحدثین، وتذکرۃ الحفاظ ج ۴، مرآۃ الجنان ج ۳، شذرات الذہب ج ۴ ۔ ۲ تاریخ ابن خلکان ج ۱، بستان المحدثین ۳ تذکرہ ج ۴، طبقات ج ۴، البدایہ ج ۱۲، بستان المحدثین

سادگی و قناعت اُن کی زندگی تکلف و آرائش سے خالی اور نہایت سادہ تھی، قناعت اور سادگی کا یہ حال تھا کہ ہمیشہ روکھا سوکھا کھاتے اور موٹا جھوٹا پہنتے تھے اور کمالات پر گزر بسر کرتے تھے۔ افطار میں صرف روٹی کا ایک خشک ٹکڑا ان کے لئے کافی ہوتا تھا۔ لوگوں نے اصرار سے کہا کہ خشک روٹی سے دماغ میں خشکی پیدا ہو جائے گی مگر اس پر بھی انہوں نے سالن نہیں استعمال کیا، البتہ روغن زیتون سے روٹی کھانے لگے، مال و دولت کی ذرہ برابر حرص و ہوس نہ کرتے ان کی بیوی کا انتقال ہوا تو انہوں نے اُن کے ترکہ سے ایک حبہ نہیں لیا۔[1]

طہارت و نظافت صفائی اور ستھرائی کا بڑا خیال رکھتے، طہارت اور وضو کے بغیر درس نہیں دیتے تھے۔[2]

وفات ماہ شوال ۵۱۶ھ میں وفات پائی اور اپنے استاد قاضی حسین کے مقبرہ کے پاس طالقان میں دفن کئے گئے، ان کی قبر عرصہ تک زیارت گاہ خلائق بنی ہوئی تھی، ایک روایت کے مطابق انہوں نے ۵۱۰ھ میں انتقال کیا۔[3]

تصنیفات امام بغوی نامور مصنف تھے، تفسیر، قرأت، حدیث اور فقہ جیسے اسلامی علوم میں ان سے مفید اور بلند پایہ کتابیں یادگار ہیں، علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ ان کی نیک نیتی کی وجہ سے ان کی تصنیفات میں بڑی برکت ہوئی، ذیل میں تصنیفات کے نام اور بعض کا تعارف درج ہے:۔

معالم التنزیل - یہ تفسیر کی مشہور اور متداول کتاب ہے، اس میں صحابہ و تابعین اور متقدمین علمائے تفسیر کے اقوال و آراء نقل کرنے کا زیادہ اہتمام کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کی حیثیت ماثوری تفسیروں کی ہے۔ مصنف نے مقدمہ میں کلام مجید کی اہمیت، اس کے

---

[1] تذکرہ ج ۴، طبقات ج ۴، البدایہ ج ۱۱، [2] بستان المحدثین [3] ابن خلکان ج ۱

نزول کا مقصد اور اس کی تفسیر و تاویل کی ضرورت اور ائمہ سلف کے تفسیری خدمات وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ گو قدیم اکابر مفسرین کے کارناموں پر اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن قدیم کی جدید کے لئے ان میں کاوش و جدوجہد کا سلسلہ برابر جاری رکھنا چاہیئے۔ اس لئے میں نے لوگوں کی فرمائش پر ایک متوسط درجہ کی کتاب مرتب کی ہے جو اطناب ممل اور اختصار مخل سے خالی ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ اس فن میں اشتغال رکھنے والوں کے لئے مفید ثابت ہوگی۔[1]

اس میں اسباب نزول کی تعیین، ناسخ و منسوخ کی تصریح، فقہا کے احکام شرعی کے استنباطات کا ذکر اور اعراب و قرأت کے اختلاف اور نحوی و صرفی اشکالات کو حل کرنے پر خاص توجہ کی گئی ہے۔ ان مباحث کی توضیح کے لئے احادیث، اور صحابہ و تابعین کے آثار و مابعد کے ائمہ تفسیر کے اقوال سے مدد لی گئی ہے۔

خازن کا بیان ہے کہ علم تفسیر میں بغوی کی معالم التنزیل بڑی اہم اور بلند پایہ کتاب ہے۔ یہ صحیح اقوال کا مجموعہ، شکوک و شبہات سے پاک، احادیث و آثار سے مزین اور عجیب واقعات پر مشتمل ہے۔[2]

مقدمہ میں مشہور مفسر صحابہ و تابعین سے مصنف نے اپنے اسناد اور فضائل قرآن کی حدیثیں جمع کی ہیں۔ اس کی اہمیت کی بنا پر بعض علماء نے اس کے خلاصے اور اختصارات کئے ہیں

(۱) مشہور مفسر علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی کی تفسیر لباب التنزیل جو تفسیر خازن کے نام سے معروف ہے، دراصل معالم ہی کا ملخص ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ چونکہ تفسیر بغوی نہایت عمدہ خصوصیات پر مشتمل تھی۔ اس لئے میں نے اس کا انتخاب کیا ہے اور دوسری تفسیروں کی مدد سے بعض اضافے کئے ہیں، نیز طلبہ فن کے فائدہ کے لئے غریب

---

[1] مقدمہ معالم التنزیل [2] مقدمہ تفسیر خازن ج ۱

حدیثوں کی شرح کردی۔ اور اس کی سندوں اور بعض زوائد کو حذف کر دیا[1]

(۲) دوسرا مختصر شیخ تاج الدین ابو نصر عبدالوہاب بن محمد حسینی ۸۷۵ھ کا معالم التنزیل ہندوستان اور مصر سے شائع ہو چکی ہے۔ مصر سے تفسیر خازن کے حاشیے پر ۱۳۳۱، ۳۲ھ میں سات جلدوں میں چھپی ہے۔

۲۔ مصابیح السنۃ۔ یہ حدیث کی اہم اور مشہور کتاب ہے جو بڑی معتبر اور مستند سمجھی جاتی ہے۔ اس کی اہمیت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خطیب تبریزی کی مشہور متداول کتاب مشکوٰۃ المصابیح جو عربی مدارس کے نصاب میں شامل ہے، اس کا تکملہ ہے۔ صاحب مشکوٰۃ کے درج ذیل بیان سے اس کی نوعیت اور اہمیت وغیرہ ثابت ہو

محی السنۃ قامع البدعت امام ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی کی (اللہ ان کے درجات بلند کرے) کتاب المصابیح نہایت جامع کتاب ہے۔ لیکن اس میں اختصار اختیار کیا گیا ہے۔ اور سندیں حذف کر دی گئی ہیں، اس لئے بعض ناقدین فن نے اس پر کلام کیا ہے۔ حالانکہ فی نفسہ اس کے نقل اسناد میں کوئی کلام نہیں ہے مصنف علم ثقات میں ہیں۔ تاہم اس حیثیت سے اس میں یک گونہ کمی تھی، کیونکہ نہ تو صحابی کا ان میں ذکر ہے، اور نہ حدیثوں کا اس سے اصل مخرج معلوم ہوتا ہے۔ کتب وابواب سرو وترتیب میں میں نے بغوی کا ٹھیک ٹھیک تتبع کیا ہے۔ البتہ ہر باب کو دو کے بجائے تین فصلوں میں تقسیم کیا ہے[3]۔

نام یہ مصابیح السنۃ اور کتاب المصابیح کے نام سے مشہور ہے، لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نام خود مصنف کا رکھا ہوا نہیں ہے، بلکہ ان کے دیباچہ کی اس عبارت سے ماخوذ ہے[4]

---

[1] مقدمہ تفسیر خازن ج ۱ [2] کشف الظنون ج ۲ [3] مقدمہ مشکوٰۃ المصابیح [4] کشف الظنون ج ۲

Marfat.com

ان احادیث هذا الکتاب مصابیح — اس کتاب کی حدیثیں چراغ ہیں۔

یم وترتیب

یہ کتاب ابواب وفصول میں منقسم ہے۔ ہر باب کی حدیثیں دو فصلوں میں صحاح وحسان کے عنوان کے تحت شامل کی گئی ہیں۔ صحاح کے اندر ری ومسلم اور حسان کے اندر ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی وغیرہ کی حدیثیں ج ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں کہ یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہ کتاب نیت والی ث سے شروع ہوتی ہے اور نیت ہی ہر کام کا سرا ہوتا ہے۔ اور اس کا خاتمہ آخرت ے لفظ پر ہوا ہے جو کتاب کے حسن خاتمہ کی خبر دیتا ہے[1]

اد احادیث

مصابیح میں لگ بھگ ساڑھے چار ہزار حدیثیں ہیں ان میں نصف سے کچھ کم صحاح (صحیحین) کی اور نصف سے کچھ زیادہ حسان (سنن) کی ہیں۔[2]

صوصیات

مصابیح کی بعض خصوصیتیں یہ ہیں:۔

(۱) ائمہ صحاح اور اکابر محدثین کی روایات کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے اس ا حدیثیں نہایت معتبر ومستند ہیں، گو اصحاب صحاح کے یہاں بھی بعض ضعیف وغریب ر منکر حدیثیں پائی جاتی ہیں، اس لئے یہ بھی ان سے یکسر خالی نہیں ہے، تاہم فی الجملہ یہ یح اور مستند حدیثوں کا مجموعہ ہے، اور بغوی نے غریب وضعیف روایتوں کی نشاندہی کر ی ہے۔ اس حیثیت سے کتب حدیث میں اس کا پایہ نہایت بلند ہو گیا ہے۔ صاحب وضات لکھتے ہیں، اکثر علماء نے اس کی حدیثیں نقل کی ہیں، اور یہ حدیثیں وحدہ روایات پر مشتمل ے کیونکہ ان کو ثقہ و عادل راویوں نے عادل وضابط راویوں سے نقل کیا ہے۔[3]

(۲) مختلف کتب حدیث کی روایات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ بڑی جامع کتاب ے اس لئے اس کا مطالعہ ایک حد تک حدیث کی طویل اور ضخیم کتابوں سے مستغنی کر دیتا ہے۔

---

[1] بستان المحدثین [2] کشف الظنون ج ۲ [3] روضات الجنات

(۳) مختصر اور سندوں کے نقل نہ کرنے کی وجہ سے اس سے استفادہ بہت آسان ہے
(۴) یہ ایمانیات، اعتقادات اور اعمال و احکام ہر قسم کی روائتوں کا مجموعہ ہے اس لئے ہر طرح کا ذوق رکھنے والے اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

(۵) اس کی ترتیب عمدہ ہے۔ صاحب الانوار نے حمیدی، ابن اثیر، صنعانی، قو... نووی اور مدینی وغیرہ متعدد نامور مصنفین کی کتابوں کے مقابلہ میں اس کی ترتیب کو عمدہ بتا... ہے اور لکھا ہے کہ جو حدیث یہاں رکھی گئی ہے اس سے زیادہ موزوں جگہ اس کی اور ... کوئی ہو سکتی تھی لے

(۶) مصنف نے چونکہ احادیث کو صحاح و حسان میں تقسیم کیا ہے۔ اور ضعیف و... غریب کی نشاندہی کی ہے اس لئے عموماً اس سے ہر روایت کی صحت و قوت اور ضعیف و... کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔

بعض اعتراضات

(۱) صاحب مشکوٰۃ کا بیان جو اوپر گزرا ہے، اس میں مصابیح میں مکمل سندیں حذف کرنے کا ذکر ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ روایات میں اسناد کو بڑی اہمیت حاصل ہے، مصنف مصابیح کو بھی اس کا پورا اندازہ تھا، تا... انہوں نے طوالت کے خوف اور اختصار کی بنا پر سندیں حذف کی ہیں، دوسرے اہل... ائمہ فن اور جہابذہ محدثین کی حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ جن کی احتیاط میں کوئی شبہ نہیں اس لئے ان کے نقل پر اعتماد کر کے سندیں چھوڑ دی گئی ہیں۔

(۲) نووی نے بغوی کی صحاح و حسان پر تقسیم کے متعلق لکھا ہے۔

واما تقسیم البغوی الی حسان	بغوی نے صحاح و حسان کی تقسیم کر کے
وصحاح مریدا بالصحاح	صحاح سے صحیحین کی اور حسان سے ...

لے کشف الظنون ج ۲

ما فی الصحیحین وبالحسان ما فی السنن — کی حدیثیں مراد لی ہیں وہ درست نہیں ہے
فلیس بصواب لان فی السنن الصحیح — کیونکہ سنن میں تو صحیح حسن ضعیف اور منکر
والحسن والضعیف والمنکر[1] — ہر طرح کی حدیثیں ہیں۔

نووی کے اعتراض کا منشا یہ ہے کہ جب کتب سنن صرف حسن روایات ہی پر مشتمل نہیں ہیں بلکہ ان میں دوسری قسم کی حدیثیں بھی ہیں تو ان کی تمام مرویات کو حسان سے موسوم کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس اعتراض کے جواب میں کہا گیا ہے کہ یہ بغوی کی خاص اصطلاح ہے اس لئے اس میں کوئی مناقشہ نہیں، چنانچہ تاج تبریزی کا بیان ہے کہ بغوی پر ابن صلاح اور نووی کے اس اعتراض پر مجھے سخت تعجب ہے کیونکہ اصطلاح کے بارے میں ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عراقی کے مذکورہ جواب کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ بغوی کی مدافعت میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ہر ہر حدیث کے آخر میں اس کے صحیح یا حسن اور غریب ہونے کو واضح کر دیتے ہیں، تو یہ واقعہ کے خلاف ہے، کیونکہ انہوں نے سنن سے جن حدیثوں کی تخریج کی ہے ان میں صحیح و حسن کے درمیان امتیاز کرنے کے بجائے سکوت اختیار کیا ہے۔ البتہ انہوں نے زیادہ تر غریب و ضعیف کی توضیح کر دی ہے۔ اس لئے سنن کے مرویات میں صحیح کو حسن سے خلط ملط کر دینے کا اعتراض اپنی جگہ باقی رہتا ہے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ ابن صلاح کا منشا یہ ہے کہ بغوی نے خاص اپنے لئے سنن کی حدیثوں کو حسان کہنے کی ایک اصطلاح وضع کی ہے تاکہ ہر حدیث کے خاتمہ پر ان کو یہ واضح نہ کرنا پڑے کہ اس کی اصحاب سنن نے تخریج کی ہے، لیکن یہ ایک نئی اصطلاح ہے جو عرفی اصطلاح پر جاری نہیں ہو سکتی[2]

---

[1] تقریب مع شرح تدریب الراوی [2] ایضاً

مصابیح کی اہمیت اور خصوصیات کی وجہ سے اس کی متعدد شرحیں اور کئی مختصرات لکھے گئے ہیں۔ ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے:۔

(۱) قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاوی (م ۶۸۵ھ) کی شرح، اس کا نام تحفۃ الابرار بتایا جاتا ہے۔

(۲) شہاب الدین فضل اللہ بن حسین توریشتی حنفی کی شرح جو المیسر کے نام سے موسوم ہے۔

(۳) شمس الدین محمد بن مظفر خلخالی (م ۷۴۵ھ) کی شرح التنویر ہے۔

(۴) علاؤ الدین علی بن محمد الشہیر بمصنفک (المتوفی ۸۷۵ھ) کی شرح۔

(۵) محمد بن محمد واسطی بغدادی مدرس مستنصریہ معروف بابن اقولی (م ۷۹۰ھ) کی شرح۔

(۶) شمس الدین محمد بن جزری (م ۸۳۳ھ) نے تین جلدوں میں تصحیح المصابیح کے نام سے شرح لکھی۔

(۷) ظہیر الدین محمود بن عبدالصمد فاروقی کی شرح۔

(۸) قرۃ بن یعقوب بن ادریس حنفی رومی قرمانی (م ۸۳۳ھ) کی شرح۔

(۹) قطب الدین محمد ازنیقی (م ۸۴۴ھ) کی شرح۔

(۱۰) شمس الدین احمد بن سلیمان المعروف بابن کمال پاشا کی شرح۔

(۱۱) علی ابن عبداللہ بن احمد المعروف بزین العرب نے تین دفعہ میں تین شرحیں لکھی ہیں ان میں سے جو درمیان میں لکھی گئی وہ زیادہ مشہور و متداول ہے۔

(۱۲) مظہر الدین حسین بن محمود بن حسن زیدانی کی شرح کا نام المفاتیح فی شرح المصابیح ہے، اس کے شروع میں ایک مقدمہ ہے، اس میں حدیث کے مصطلحات و انواع علوم پر بحث کی گئی ہے۔

(۱۳) مصابیح کی شرحوں میں ازہار بھی ہے۔ لیکن اس کے مصنف کا نام معلوم نہیں۔

(۱۴) شیخ عبدالمومن بن ابی بکر بن محمد زعفرانی کی شرح۔

(۱۵) خلیل بن مقبل حلبی کی بسیط شرح۔

(۱۶) شیخ ابو عبداللہ اسماعیل بن محمد بن اسماعیل المدعو بالاشرف القفاشی۔

(۱۷) شیخ صدرالدین ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم سلمی مناوی شافعی کی شرح کا نام المنایح لتفایح فی شرح احادیث المصابیح ہے اس میں مصابیح کی حدیثوں کی تخریج کی ہے، اور اگر کوئی حدیث کتب صحاح کی نہیں ہے۔ تو موطا، امام مالک اور مسند شافعی وغیرہ سے اس کی تخریج کی ہے۔

(۱۸) قطب الدین محمد کیدی اور نیقی نے تلفیقات المصابیح کے نام سے شرح لکھی ہے، اس میں امام نووی کی شرح سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔ شروع میں اصول حدیث پر ایک مقدمہ بھی ہے۔

(۱۹) منہل الینابیع کے شارح کا نام معلوم نہیں۔

(۲۰) غیاث الدین محمد بن محمود واسطی (م ۷۰۰ھ) کی شرح۔

(۲۱) ابوذر احمد بن ابراہیم حلبی کی شرح جو ناتمام ہے۔

(۲۲) محمد بن عبداللطیف المعروف بابن الملک کی شرح جو لطیف اور ممزوج ہے۔

(۲۳) عبدالرحمن بن خلیل نے نور المصابیح کے نام سے ایک ممزوج شرح لکھی جو ایک جلد میں ہے۔ اس کے خاتمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۰۰ھ میں لکھی گئی۔

(۲۴) عثمان بن محمد ہروی کی مختصر شرح، یہ بیضاوی کی شرح کے بعد لکھی گئی۔

شرحوں کے علاوہ تکلیے اور مختصرات بھی لکھے گئے۔

لہ ممزوج وہ شرح کہلاتی ہے جس میں متن اور شرح کی عبارتیں ملی جلی ہوتی ہیں اور امتیاز کے لئے م اور ش کے حروف لکھ دیئے جاتے ہیں یا متن کے اوپر نشان کھینچ دیا جاتا ہے (مقدمہ تحفۃ الاحوذی)

(۲۵) شیخ مجدالدین ابوطاہر محمد بن یعقوب فیروزآبادی (م ۸۱۷ھ) نے التخاریج فی فوائد متعلقہ باحادیث المصابیح لکھی۔

(۲۶) شیخ ولی الدین ابوعبداللہ خطیب ۷۴۰ھ کی مشہور و متداول تصنیف مشکوٰۃ المصابیح۔ مصابیح کا تتمہ ہے۔

(۲۷) مفتاح الفتوح۔ صاحب کشف الظنون نے مصنف کا نام نہیں لکھا ہے مگر یہ بتایا ہے کہ اس میں شرح السنۃ اور نہایہ وغیرہ سے بعض چیزوں کا اضافہ کیا ہے۔ اور ۷۰۰ھ میں لکھی گئی۔

(۲۸) شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر بن عبداللہ سہروردی متوفی ۵۶۳ھ نے مختصر لکھا۔

(۲۹) شیخ تقی الدین علی بن عبدالکافی سبکی (م ۷۵۶ھ) نے ضیاء المصابیح کے نام سے خلاصہ لکھا۔[1]

۳۔ شرح السنۃ۔ یہ بھی امام بغوی کی مشہور اور اہم تصنیفات میں ہے۔ اس میں مشکلات غرائب حدیث اور فقہی مسائل وغیرہ کا مفصل ذکر ہے۔ مصنف خود مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

"یہ اخبار و روایات کے گوناگوں علوم و فوائد پر مشتمل ہے، اس میں حدیثوں کی مشکلات کو حل اور غریب کی تفسیر کی گئی ہے۔ نیز ان سے مستنبط ہونے والے فقہی احکام اور ان کے سلسلہ میں علماء و فقہا کے اختلافات بیان کئے گئے ہیں۔

یہ شرح احکام کے سلسلہ میں مرجح اور ایسی اہم باتوں اور ضروری نکتوں پر مشتمل ہے جن سے واقفیت نہایت ضروری ہے۔ میں نے اس میں وہی باتیں لکھی ہیں جن پر ماہرین فن ائمہ سلف کا اعتماد و اعتبار ہے، اور ان چیزوں کو چھوڑ دیا ہے جن کو ان بزرگوں نے چھوڑ دیا ہے"[2]

شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں:۔

---

[1] ان شرحوں کا ذکر کشف الظنون ج ۲ اور اتحاف النبلاء المتقین میں ہے۔ [2] کشف الظنون ج ۲

Marfat.com

"امام نووی، محی السنۃ بغوی اور ابو سلیمان خطابی شرح حدیث کے سلسلہ میں تمام شوافع میں زیادہ قابلِ اعتماد ہیں، ان لوگوں کے قول محکم اور نکتیں پرمغز ہوتی ہیں، خصوصاً شرح السنۃ بغوی فقہ حدیث اور توجیہ مشکلات میں نہایت کافی وشافی ہے، گویا کہ مصابیح اور مشکوٰۃ کی شرح اسی سے ہوجاتی ہے [1]

مصابیح کی طرح اس کے ساتھ بھی اعتبار کیا گیا ہے، صاحبِ کشف الظنون نے اس کے چند مختصرات کا ذکر کیا ہے۔

(۱) صفی الدین محمود بن ابوبکر ارموی قرانی کا مختصر (۲) ابوالقاسم ہبۃ اللہ طرقی اسکافی کا مختصر (۳) ابوالقاسم عبداللہ بن حسن بن عبدالملک داسطی شافعی نے لباب شرح السنۃ فی معرفۃ احکام الکتاب والسنۃ کے نام سے مختصر لکھا اور سندوں کو حذف کردیا ہے۔ (۴) شیخ علاء الدولہ احمد بن محمد بن احمد البنا مالکی نے الفلاح کے نام سے مختصر لکھا۔ (۵) رضی الدین ابراہیم بن محمد طبری (م ۷۲۲ھ) کا مختصر جو الجنۃ فی مختصر شرح السنۃ کے نام سے موسوم ہے [2] (۶) بغوی نے خود اس شرح کی تجرید کی ہے۔ دونوں کے قلمی نسخے رضا لائبریری رام پور میں ہیں [3]

۴۔ التہذیب فی الفقہ۔ اس میں امام شافعی کے مذہب کے فقہی فروع و جزئیات کی تہذیب کی ہے۔

صاحب کشف الظنون کا بیان ہے کہ اس میں دلائل نہیں بیان کئے گئے ہیں غالباً اس میں اپنے شیخ قاضی حسین کے تعلیقہ میں کچھ کمی بیشی کرکے اس کی تلخیص کی ہے۔

حسین بن محمد مروزی ہروی شافعی نے لباب التہذیب کے نام سے اس کی تلخیص اور شہاب احمد بن محمد بن منیر اسکندری (م ۶۸۳ھ) نے مختصر کیا ہے [4] یہ دس جلدوں میں

---

[1] عجالہ نافعہ مع فوائد جامعہ [2] کشف الظنون ج ۲ ص ۳ [3] فہرست انگریزی رضا لائبریری رام پور مرتبہ مولانا امتیاز علی عرشی ج ۱ ص [4] کشف الظنون ج ۱

ہے۔ ۸ جلدیں (تیسری اور چوتھی کو چھوڑ کر) کتب خانہ خدیویہ مصر میں موجود ہے[1]

۵۔ الجمع بین الصحیحین۔

۶۔ تعلیمات فتاوی قاضی حسین۔ اس میں اپنے شیخ اور مشہور فقیہ کے فتاوی پر تعلیقات لکھی ہیں۔

۷۔ فتاوی لبنوی۔ یہ خود ان کے فتاوی کا مجموعہ ہے۔

۸۔ ارشاد الانوار فی شمائل النبی المختار

۹۔ ترجمۃ الاحکام فی الفروع

۱۰۔ الکفایۃ فی القرأۃ

۱۱۔ الکفایۃ فی الفقہ

۱۲۔ معجم الشیوخ[2]

۱۳۔ تجرید۔ مولانا امتیاز علی خان عرشی نے اس کو شرح السنۃ کی تجرید بتایا ہے[3]

۱۴۔ شرح ترمذی۔ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے اپنے مضمون "حجاز کے کتب خانے" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ اس کے جزء ثانی کا نسخہ مدینہ کے کتب خانہ محمودیہ میں ہے[4]

---

[1] فہرست کتب خانہ ج ۳ [2] فوائد جامع عجالہ نافعہ [3] فہرست انگریزی رضا لائبریری رام پور ج ا [4] مقالات سلیمان ج ۲۔

Marfat.com

ابوالحسن رزین بن معاویہ عبدری سرقسطی

(م ۵۳۵ھ)

نام و نسب رزین نام، ابوالحسن کنیت اور نسب نامہ یہ ہے: رزین بن معاویہ بن عمار[1]

خاندان و وطن قبیلۂ قریش کے مشہور بطن عبدالدار بن قصی سے ان کا خاندانی اور اندلس کے شہر قسطہ سے وطنی تعلق ہے، اس لئے عبدری اور سرقسطی کی نسبتوں سے مشہور ہیں[2]

اساتذہ زرین نے ابومکتوم عیسیٰ بن ابی ذر ہروی سے صحیح بخاری اور حسین طبری سے صحیح مسلم کی روایت کی ہے[3]

سفر و مجاورت مکہ انہوں نے بلاد مشرق کا سفر کیا، اور عرصہ دراز تک مکہ معظمہ میں قیام کیا۔ حرمین میں قیام کی وجہ سے امام الحرمین کہلاتے تھے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے تصریح کی ہے کہ ان کی وفات بھی مکہ معظمہ میں ہوئی تھی[4]

حدیث میں درجہ گو سلفی نے ان کو نازل الاسناد کہا ہے، تاہم حدیث میں ان کا کارنامہ اور درجہ مسلم ہے

اعتراف کمالات سلفی نے ان کو شیخ عالم اور ابن بشکوال نے عالم، فاضل اور عالم بالحدیث کہا ہے[5]

فقہی مسلک بلاد مغرب کے لوگوں کی طرح امام رزین بھی امام دارالہجرت کے مسلک سے وابستہ تھے، صاحب دیباج کا بیان ہے کہ وہ مالکیہ کے امام تھے[6]

صلاح و تقویٰ مورخین اور علمائے سیر نے ان کو صالح آدمی کہا ہے[7]

---

[1] الدیباج المذہب [2] انساب و اعلام ج ۱ [3] شذرات الذہب ج ۴ [4] الدیباج و شذرات الذہب ج ۴
[5] الدیباج المذہب [6] ایضاً و رونات الجنات [7] ایضاً

وفات اکثر لوگوں نے ان کا سنہ وفات ۵۳۵ھ لکھا ہے لیکن بعض نے ۵۲۵ھ بتایا ہے، شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ امام رزین نے ۵۲۰ھ کے بعد انتقال کیا۔[1]

تصنیفات امام رزین کی دو کتابوں کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔

۱۔ تجرید الصحاح الستہ یا کتاب الجمع بین الصحاح الستہ۔ یہ حدیث کی مشہور اور اہم کتابوں میں خیال کی جاتی ہے۔ اس کی اہمیت اس بنا پر زیادہ ہے کہ اس سے پہلے جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ صحیحین کی روایات کی جامع ہیں، لیکن یہ حدیث کی اُن چھ اہم کتابوں کی جامع ہے جو اپنے وثوق و اعتبار سے امت میں متداول اور علماء و فقہاء کا ماخذ اور احکام و شرائع کا مرجع ہیں، اور ان کے مصنفین بھی حفاظ و محدثین کی پوری جماعت میں ممتاز ہیں۔ اس حیثیت سے اس کی نوعیت یک گونہ مختلف ہے، اس کتاب کے بعد اس نوعیت کی اور کتابیں بھی لکھی گئیں، ان میں امام ابن اثیر جزری کی کتاب زیادہ مشہور ہے۔ لیکن اس میں دراصل اس کی از سرِ نو ترتیب و تہذیب کی گئی ہے، فالفضل للمتقدم۔

چونکہ چھٹی صدی اور اس کے بعد بھی صحاح ستہ میں سنن ابن ماجہ کے بجائے موطا امام مالک کو محسوب کیا جاتا تھا، اس لئے امام رزین نے صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کے ساتھ موطا ہی کی روائتوں کو جمع کیا ہے۔[2]

۲۔ اخبارِ مکہ۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ امام رزین نے مدت دراز تک مکہ میں قیام کیا۔ اس لئے غالباً اُن کو اس کتاب کو مرتب کرنے کا خیال ہوا ہوگا، اور اس میں یہاں کے واقعات و اخبار جمع کئے ہوں گے۔

---

[1] الدیباج المذہب و مقدمہ شرح مشکوٰۃ و اتحاف النبلاء [2] ایضاً و روضات الجنات [3] ایضاً [4] کشف الظنون والرسالۃ المستطرفہ

Marfat.com

ابوبکر محمّد بن عبداللہ بن العربی

(م ۵۴۳ھ)

نام ونسب: ابوبکر کنیت، ابن العربی لقب وعرفیت، اور نام ونسب یہ ہے، محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن احمد[1]

ولادت: مشہور روایت کے مطابق بمقام ۲۲ شعبان ۴۶۸ھ کو پیدا ہوئے۔ ابن خلکان نے ۴۶۹ھ کی بھی روایت کی ہے، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ۴۸۴ سنہ پیدائش لکھا ہے، لیکن یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، اور پہلی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ابن بشکوال نے خود ان سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ میں شعبان ۴۶۸ھ میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب وہ ۴۸۵ھ میں بلادِ مشرق کی سیاحت کے لئے گئے تو اس وقت مورخین کے مطابق ان کی عمر سترہ سال تھی[2]

خاندان: امام ابوبکر بن العربی کا خاندانی تعلق یمن کے قبیلہ معافر سے ہے، اس لئے وہ معافری کہلاتے ہیں، ان کے والد ابومحمد عبداللہ کو علمی ودنیاوی وجاہت حاصل تھی اور وہ اشبیلیہ کے ممتاز علماء ورؤسا میں تھے، فقہ وادب کے ماہر اور شعر وسخن کا عمدہ ذوق رکھتے تھے، دولت عبادیہ میں ان کو بڑا رسوخ حاصل تھا، اور وہ بنو عباد کی جانب سے بعض اعلیٰ مناصب پر فائز تھے جب آل عباد کا زوال شروع ہوا تو یہ اپنے لڑکے ابوبکر کے ساتھ بلادِ مشرق کی سیاحت کے لئے

---

[1] ابن خلکان ج ۲ ولسان المیزان [2] ایضاً والدیباج المذہب

تشریف لے گئے۔ واپسی پر مصر میں ۴۹۳ھ میں انتقال ہوگیا۔ ان کی پیدائش ۴۲۵ھ میں ہوئی

وطن بلاد مغرب میں اقلیم اندلس کے مشہور اور بڑے شہر اشبیلیہ کو ان کے مولد ومنشا ہونے کا فخر ہے، یہ شہر آل عباد کا پایۂ تخت اور ایک زمانہ میں قرطبہ کے بجائے یہی اندلس کا دارالسلطنت تھا کی نسبت سے وہ اشبیلی اور اندلس اور بلاد مغرب سے تعلق کی وجہ سے اندلسی اور مغربی کہلاتے

اساتذہ اپنے والد ابو محمد اور ماموں ابوالقاسم حسن ہوزنی کے علاوہ انہوں نے بے شمار اسا سے تحصیل علم اور روایت حدیث کی ہے بعض شیوخ کے نام یہ ہیں :

ابوالحسن خلعی، ابوالحسن بن مشرف، ابوالحسن محمد بن عبداللہ بن داؤد الفارسی، ابونصر ابوالفتح نصر بن ابراہیم قرشی، ابوسعید زنجانی، ابوسعید رہاوی، ابوالقاسم بن ابوالحسن القدسی، ہبتہ اللہ احمد اکفانی، فضل بن فرات دمشقی، ابوالحسن مبارک بن عبدالجبار صیرفی المعروف با ابوالحسن علی بن ایوب بزاز، ابوبکر بن طرخان، ابوالفوارس طراد بن محمد زینبی، جعفر بن احمد ابوالحسن بن عبدالقادر، ابوالمعالی ثابت بن بندار، مکی بن عبدالسلام رملی، ابوعبداللہ حسین طر عبداللہ بن طلحہ نعالی، ابوعبداللہ سرقسطی، ابوعبداللہ کلاعی، ابوالحسن بن حداد خولانی، مہدی و

امام ابوحامد غزالی، ابوبکر شاشی، ابوبکر طرطوشی، ابوذکریا تبریزی وغیرہ کی صحبت رہے، اور ان سے فقہ واصول اور ادب وغیرہ کی تحصیل کی ہے[1]

تلامذہ ان کے تلامذہ کی تعداد بھی زیادہ ہے، چند کے نام یہ ہیں :-

محمد بن یوسف بن سعادہ، حافظ ابوالقاسم سہیلی، شحنہ بن یحیٰی رعینی، عبدالخالق بن احمد یوسفی، ابن صابر دمشقی، احمد بن خلف اشبیلی، حسن بن علی قرطبی، ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن محمد بن ابراہیم بن فخار، محمد بن علی کتانی، محمد بن جابر ثعلبی، عبدالمنعم بن یحیٰی بن خلوف غرناطی، علی بن احمد شریشی، ابوالحسن علی بن احمد سقوری اور احمد بن سقوری اور احمد بن عمر خزرجی وغیرہ

---

[1] ابن خلکان ج ۲، لسان المحدثین، الدیباج المذہب [2] الدیباج ومعجم البلدان ج ۱، اللباب ج ۱، تذکرۃ الحفاظ ج ۴، الدیباج المذہب ونفح الطیب ج ۱

قاضی ابوالفضل عیاض جیسے صاحب کمال اور ابن بشکوال کو بھی ان سے تلمذ کی نسبت حاصل ہے[۱]

لمت وسفر | سترہ سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ بلاد مشرق کی سیاحت کے لئے روانہ ہوئے اور شام، بغداد و حجاز تشریف لے گئے۔ واپسی پر بغداد ہوتے ہوئے مصر و اسکندریہ پہنچے اور ان مقامات کے ارباب کمال اور ائمہ فن سے مستفید ہوئے۔ بلاد مشرق کی روانگی سے قبل وہ اپنے

یث میں قدر جبہ | ابن الابار لکھتے ہیں کہ وہ اندلس کے حفاظ حدیث میں تھے۔ ابن بشکوال نے لکھا ہے کہ وہ متبحر حافظ حدیث اور اندلس کے ائمہ اور خاتمۃ المحدثین میں تھے، ان کی بدولت اندلس میں احادیث و اسناد کے علم کو بڑا فروغ ہوا۔ صاحب دیباج لکھتے ہیں کہ انہوں نے حدیثیں جمع کیں اور وہ بڑے وسیع الروایت اور کثیر الجمع تھے، ابن ناصر الدین کہتے ہیں کہ وہ ثقات و اثبات اور مشہور ائمہ میں تھے[۲] دوسرے مورخین و اصحاب سیر نے بھی ان کے حفظ و ضبط اور ذکاوت و ذہانت کا اعتراف کیا ہے اور ان کو متبحر عالم حدیث بتایا ہے[۳]

فقہ | حدیث سے پہلے وہ فقہ کی تحصیل کر چکے تھے، اور اس میں ان کو بڑا درک تھا، اصول فقہ اور فن خلاف کے ماہر سمجھے جاتے تھے، اور ان فنون کا درس بھی دیتے۔ ذہبی کا بیان ہے کہ وہ ان لوگوں میں تھے جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ مرتبۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ تفقہ و اجتہاد میں کمال کی بنا پر محکمۂ قضا ان کے سپرد کیا گیا تھا[۴]

تفسیر | علم تفسیر اور قرآنیات پر بھی اچھی نظر تھی، اور اس میں ان سے بعض اہم کتابیں یادگار ہیں[۵]

ادب و بلاغت، نحو و کلام اور علم تاریخ وغیرہ میں مہارت | خالص اسلامی علوم کے علاوہ اور نوعیت کے بھی متعدد علوم میں ان کو مہارت اور دسترس تھی۔ ادب و بلاغت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اور نحو و کلام اور فن تاریخ سے بھی شغف تھا۔ اور ان علوم میں ان سے بعض مفید کتابیں یادگار ہیں۔

شعر و سخن | موزوں طبع اور شعر و سخن کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ فی البدیہہ اشعار کہہ دیتے تھے۔

---

۱ ایضاً ۲ الدیباج المذہب ۳ ایضاً، نفح الطیب ج ۱ و تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ۴ ایضاً ۵ ایضاً

ایک دفعہ ایک خوش رو امیرزادہ کے ساتھ شکار کو گئے، راستے میں اس نے تقریباً ابن العربی کی جانب نیزہ کرکے ہلانا شروع کیا تو انہوں نے فی الفور یہ قطعہ کہا :-

یھزعلی الرمح ظبی مھفھف ۔ لعوب بالباب البریۃ عابث

فلو کان رمحاً واحداً لاتقیتہ ۔ ولکنہ رمح وثان وثالث

ترجمہ :- مجھ پر ایک چھد کنے والے چھریرے بدن کا ہرن نیزہ کو حرکت دے رہا ہے، اگر ایک نیزہ ہوتا تو میں اس سے بچتا لیکن یہاں تو دوسرا اور تیسرا نیزہ بھی تھا۔

شارحین کا اختلاف ہے کہ ثانی اور ثالث سے کیا مراد ہے؟ بعض نے اس سے قد و قامت و نگاہ مراد لی ہے اور بعض لوگوں نے کچھ اور مراد لیا ہے، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس سے نیزہ کی ایک بار کی تحریک اور ثانی وثالث سے اس کی تکرار مراد ہے[1]

نفح الطیب، مطلع الانس و مسرح التانس اور بستان المحدثین وغیرہ میں ان کے اور بھی اشعار نقل کئے گئے ہیں جن سے ان کی قوت طبع اور شعر و سخن سے مناسبت کا اندازہ ہوتا ہے۔

جامعیت اور اعتراف کمال ان متنوع علوم اور گوناگوں فنون میں ان کے درک و مہارت سے ان کی جامعیت کا پتہ چلتا ہے، اسی بنا پر اہل سیر نے ان کو جامع کمالات، متبحر عالم، علوم و معارف میں مقدم، فنون اور انواع علوم میں بحث و کلام کرنے والا اور صحیح و اثواب کے امتیاز میں ثاقب الذہن قرار دیا ہے، صاحب نفح الطیب فرماتے ہیں کہ وہ اصول و فروع میں امام تھے ان کے تمام سوانح نگار ان کے فضل و کمال پر متفق ہیں، مورخین نے ان کو علم و فن میں یکتا، امام حافظ، متبحر، احد الاعلام، مسند و عالم اندلس لکھا ہے، ابن سعید نے ان کو امام، قاضی اور مغرب کہا ہے، صاحب نفح الطیب لکھتے ہیں کہ وہ فضل و کمال سے متصف تھے، ابن بشکوال نے ان کی بڑی توصیف کی ہے، ابو یحییٰ لیسع بن حزم نے ان کا تذکرہ غیر معمولی تعظیم و توقیر کے ساتھ کیا ہے، حجازی کا بیان ہے کہ انہوں نے شام و عراق وغیرہ کو اپنے فوائد اور امتیازی کمالات سے

---

[1] بستان المحدثین

Marfat.com

مور کر دیا تھا۔ مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ علمائے مغرب میں مشرق کی سیاحت کرنے والوں میں ان سے زیادہ علم سے مالا مال ہو کر آنے والا کوئی اور شخص نہ تھا۔[1]

درس و تدریس اور شہرت و مقبولیت مشرق کی سیاحت سے اپنے وطن اشبیلیہ میں واپس آئے تو ان کی ذات طلبۂ علم و فن کا مرکز بن گئی تھی، لوگ دور دراز سے ان کے پاس سماع کے لئے آتے اور استفادہ کرتے، عہدۂ قضا سے سبکدوش ہونے کے بعد وہ محض تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کا کام انجام دیتے تھے۔ درس و تدریس اور گوناگوں کمالات کی وجہ سے وہ نہایت مشہور و مقبول ہو گئے تھے اور مسلمانوں کے امام کہلاتے تھے۔[2]

فقہی مذہب بلاد مغرب کے علماء و فقہا کی طرح وہ بھی امام دارالہجرت کے فقہی مذہب و مسلک سے وابستہ تھے۔

اخلاق و عادات سیرت و شمائل اور اخلاق و عادات میں بھی ممتاز تھے، ضبط و تحمل، نرمی و مروت، شرافت نفس، حسن عہد، خلوص و وفا اور دوستوں سے بہتر اور عمدہ سلوک کے لئے مشہور تھے۔ حسن اخلاق اور عمدہ خصائل و عادات کی وجہ سے وہ لوگوں میں نہایت مقبول اور ہر دلعزیز تھے۔[3]

ظرافت خوش طبع اور ظریف تھے، اس لئے مجلس میں تفنن اور مزاح کی باتیں بھی کرتے تھے۔[4]

ثروت و امارت اللہ تعالیٰ نے ان کو علم و فضل کی طرح دنیوی اعزاز و منصب اور دولت و ثروت سے بھی نوازا تھا، اور وہ [illegible] تھے، [illegible] دولت اور ثروت تھی، اس لئے داد و دہش بھی کرتے رہتے تھے اور خیر خیرات کے کاموں میں [illegible] حصہ لیتے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ اشبیلیہ کی فصیل انہوں نے اپنے خرچ سے بنوائی تھی، دولت و ثروت کی فراوانی اور جود و سخاوت کی عادت نے بھی ان کو لوگوں کا گرویدہ بنا دیا تھا۔[5]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ و الدیباج [illegible] [2] نفح الطیب [illegible] الدیباج المذہب [3] ابن خلکان [illegible] [4] نفح الطیب [illegible]

[5] ایضاً و تذکرہ ج ۴

زہد و عبادت | زہد و تقویٰ اور ورع و تدین کے بھی جامع تھے، ابن کثیر فرماتے ہیں کہ وہ عابد و زاہد تھے۔[1] حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے تھے۔

منصب قضاء | تفقہ و اجتہاد میں کمال کی وجہ سے وہ اشبیلیہ کے قاضی مقرر کئے گئے۔ انہوں نے اس ذمہ داری کو اس قدر خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ وہ عوام و خواص میں نہایت مقبول ہو گئے لیکن چونکہ ان کے فیصلے بے لاگ ہوتے تھے، اور وہ معاملات قضا میں شدت بھی برتتے تھے اس لئے غالباً اس منصب سے معزول کر دیئے گئے۔[2]

ابتلاء و آزمائش | غالباً وہ اپنے کمالات کی وجہ سے محسود ہو گئے تھے۔ اس لئے ان کی شدائد و محن سے دوچار ہونا پڑا۔ اور بعض مورخین کا بیان ہے کہ موحدین نے ایک سال تک ان کو مراکش میں قید و بند میں رکھا تھا۔ ان کے ابتلاء و آزمائش کی کئی وجہیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ بعض فقہائے اشبیلیہ ابن مرجی وغیرہ اور ابن عربی کسی مجلس میں یکجا تھے، ایک حدیث کا ذکر آیا تو ابن مرجی نے کہا کہ یہ اس کے محض ایک ہی طریق کو جو مالک عن الزہری سے مروی ہے، جانتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ ہم لوگوں کو بھی مستفید کیجیے، انہوں نے وعدہ کیا مگر اس کو وفا نہ کر سکے، اسی لئے ایک شاعر نے کہا ہے :-

یا اہل حمص ومن بہا اوصیکم	بالبر والتقوی وصیۃ مشفق
فخذوا عن العربی اسمار الدجی	وخذوا الروایۃ عن امام متقی
ان الفتی حلو الکلام مہذب	ان لم یجد خبرا صحیحا یخلق[3]

ترجمہ:- اے اہل حمص! میں آپ لوگوں کو ایک مشفق کی طرح نیکی اور تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں ابن العربی سے رات کے قصے کہانیاں سنو اور صاحب زہد و اتقا امام سے احادیث و روایات نقل کرو۔ شیریں سخن نوجوان صحیح اور معتبر خبر و روایت نہ پانے کی صورت میں خود ہی روایتیں گڑھ لیتا ہے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۲ [2] تذکرہ ج ۴ والدیباج ونفح الطیب ج ۱ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۴

(۲) صاحب نفح الطیب لکھتے ہیں :۔

"وہ بڑے مکرم و معظم تھے، منصب قضا پر فائز کیے گئے، اسی زمانہ میں اشبیلیہ کی فصیل کی مرمت و اصلاح کی ضرورت پیش آئی، عید قربان کا زمانہ تھا، ابن العربی نے لوگوں سے جبراً قربانی کی کھالیں جمع کرائیں، اس کی وجہ سے عوام میں شورش اور ہیجان برپا ہوگیا اور انہوں نے ان کا گھر لوٹ لیا اور وہ قرطبہ چلے گئے"[۱]

(۳) ایک اور وجہ قاضی عیاض سے یہ منقول ہے کہ کثرت حدیث و اخبار اور غریب حکایات و روایات کی وجہ سے اکثر لوگوں نے ان پر نکتہ چینی کی ہے۔

مگر یہ وجہیں صحیح نہیں معلوم ہوتیں، پہلی وجہ کی صحت پر خود علامہ ذہبی نے کلام کیا ہے، دوسری وجہ اس لئے غلط ہے کہ مورخین کا عام بیان یہ ہے کہ انہوں نے فصیل کی مرمت خود اپنی رقم سے کرائی تھی۔ آخری وجہ ممکن ہے صحیح ہو مگر اس میں [illegible] کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

مورخین کے متفقہ بیان سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو شدائد و محن کا سامنا کرنا پڑا مگر انہوں نے اس کی کوئی صحیح وجہ نہیں لکھی ہے۔ قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقدمے اور فیصلوں میں غیر معمولی شدت برتنے کی وجہ سے بعض لوگ ان کے درپے آزار رہتے ہوں گے۔ [illegible] امراء و سلاطین سے ان کے توسل کو بھی پسند نہیں کیا جاتا تھا، چنانچہ ابو محمد [illegible] اشبیلی [illegible] ان کی خدمت میں رہے، اس کے بعد انہوں نے وہاں جانا موقوف کر دیا، لوگوں نے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ ابن العربی درس دیتے ہیں اور ان کے دروازے پر سلاطین کے [illegible] جانے کے لئے سواری کھڑی رہتی ہے[۱]۔ حافظ ذہبی نے بھی لکھا ہے کہ سلاطین سے وابستگی کی وجہ سے لوگ ان کے خلاف برافروختہ رہتے تھے، اور وہ دوسرے علماء و محدثین کی طرح ان کے سامنے جرأت و بے باکی سے کام نہیں لیتے تھے، بلکہ نرمی اور مداہنت برتتے تھے[۲]۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہوں کے تقرب اور معاملات قضا میں شدت اور

---

[۱] نفح الطیب ج ۱ ص ۲ تذکرۃ الحفاظ ج ۴

غریب حکایات و روایات کے نقل نے ان کی مقبولیت کو کم اور بعض لوگوں میں محسود بنا دیا تھا، ان ہی باتوں کی وجہ سے ان کو مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔

وفات: شاہ عبدالعزیز صاحب نے ۵۴۳ھ سنہ وفات لکھا ہے لیکن یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، ۵۴۶ھ ۵۴۲ھ اور ۵۴۴ھ کی روایتیں بھی کی گئی ہیں مگر صحیح قول یہ ہے کہ وہ ۵۴۳ھ میں فوت ہوئے، بیان کیا جاتا ہے کہ مراکش سے اپنے وطن واپس آرہے تھے کہ فاس کے قریب ان کا انتقال ہوگیا، ان کی لاش فاس لائی گئی اور باب المحروق کے قریب، دفن کئے گئے، بعض لوگوں کا بیان ہے کہ مقبرہ جیانی میں دفن کئے گئے تھے۔ ان کے ایک شاگرد ابوالحکم بن حجاج نے جنازہ پڑھایا[1]

تصنیفات: ابن العربی کثیر التصانیف تھے، ان کی کتابیں مفید اور بلند پایہ ہیں جن کتابوں کے نام معلوم ہوسکے ہیں ذیل میں ان کی فہرست درج کی جاتی ہے:۔

۱۔ انوار الفجر۔ یہ فن تفسیر میں عمدہ کتاب ہے۔ ان کا خود بیان ہے کہ میں نے اسے بیس[2] سال میں مرتب کیا تھا، اور یہ اسی ہزار ورقوں پر مشتمل ہے، ابوعیان فارس بن علی بن یوسف کے کتب خانہ میں جو مراکش میں ہے اس کا ایک نسخہ بیس جلدوں میں تھا[3]

۲۔ کتاب احکام القرآن۔ یہ فن تفسیر میں ایک اچھی کتاب ہے، اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں ہے۔ ۱۹۱۳ء میں مطبع سعادۃ سے دو جزوں میں شائع ہوئی ہے[4]

۳۔ کتاب الناسخ والمنسوخ
۴۔ قانون التاویل
یہ دونوں بھی فن تفسیر کی کتابیں ہیں اور قرآنیات کے موضوع پر عمدہ خیال کی جاتی ہیں[4]

۵۔ کتاب المشکلین۔ اس میں کتاب وسنت کے بعض مشکلات کا ذکر ہے[5]

۶۔ کتاب شرح حدیث الافک
۷۔ کتاب شرح حدیث ام زرع
یہ سب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے بعض حدیثوں کی شرح میں مستقل رسالے ہیں۔

---

[1] ایضاً وابن خلکان ج ۲ والدیباج المذہب [2] بستان المحدثین، الدیباج المذہب، ونفح الطیب [3] معجم المطبوعات [4] کشف الظنون [5] بستان المحدثین ونفح الطیب۔

Marfat.com

۸. کتاب شرح حدیث جابر فی الشفاعۃ
۹. کتاب الکلام علی مشکل حدیث السحاب والحجاب
۱۰. کتاب السباعیات ⎫ یہ دونوں بھی فن حدیث سے متعلق رسائل معلوم
۱۱. کتاب المسلسلات یا المسلسلات ⎭ ہوتے ہیں۔
۱۲. کتاب النیرین فی شرح الصحیحین۔ یہ صحیحین کی شرح ہے۔
۱۳. کتاب ترتیب المسالک۔ یہ موطا امام مالکؒ کی شرح ہے[1]

۱۴. کتاب القبس۔ یہ بھی موطا کی شرح ہے۔ ابن عربی نے موطا کے متعلق لکھا ہے کہ شرائع اسلام میں اول و آخر کتاب ہے، ایسی کوئی اور کتاب نہیں لکھی گئی ہے، کیونکہ امام مالک نے اس کو فروغ کے اصول کے لئے تمہید بنایا ہے، اور اس میں انہوں نے فقہ کے ایسے اہم و بڑے اصولوں پر متنبہ کیا ہے، جن کی جانب مسائل و فروع میں رجوع کیا جاتا ہے۔ شرح ترمذی میں لکھتے ہیں کہ موطا ہی اولین اصل اور خلاصہ ہے، اور صحیح بخاری اصل ثانی اور ان ہی دونوں کتابوں پر تمام کتب حدیث مسلم و ترمذی وغیرہ کی بنیادیں رکھی گئی ہیں۔ امام خطابی نے اس کا انتخاب اور ابوالحسن قابسی نے ملخص ترتیب دیا تھا جو ملخص الموطا کے نام سے موسوم ہے۔

۱۵. عارضۃ الاحوذی۔ یہ جامع ترمذی کی مشہور و مقبول شرح ہے۔ اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ علامہ سیوطیؒ کے زمانہ تک اس کے علاوہ ترمذی کی کوئی مکمل شرح متداول نہ تھی وہ فرماتے ہیں کہ

لا نعلم انہ شرح ولا دکاملا الا القاضی ابوبکر بن العربی فی کتابہ عارضۃ الاحوذی	ہم کو ابوبکر بن العربی کی عارضۃ الاحوذی کے علاوہ ترمذی کی اور کسی کامل شرح کا علم نہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رقمطراز ہیں:۔

"یہ ترمذی کی مشہور شرحوں میں ہے۔ حافظ ابن حجر وغیرہ مشاہیر علمائے اسلام نے اپنی

---

[1] ان سب کتابوں کے نام کی مذکورہ بالا حوالہ جات کے علاوہ کشف الظنون ج ۲ ص ۵۵ میں عارضۃ الاحوذی

کتابوں میں اس سے استفادہ کیا ہے اور اس کے اقتباسات نقل کئے ہیں؛

ٹونک کے کتب خانہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ ہے، اس کا ایک جزو ترمذی اور اس کے بعض شروح کے ساتھ ہند کے مطبع نظامی نے شائع کیا تھا اور مصر سے یہ مکمل شرح چھپ چکی ہے [1]

۱۶۔ شرح غریب الرسالۃ۔ ۱۷۔ الانصاف فی مسائل الخلاف۔ یہ بیس جلدوں میں ہے۔

۱۸۔ تخلیص یا تخلیص التلخیص۔ صاحب کشف الظنون نے اس کا بھی علم الخلاف کے ضمن میں تذکرہ کیا ہے۔

۱۹۔ المحصول فی اصول الفقہ یا کتاب المحصول فی علم الاصول۔ نام سے موضوع ظاہر ہے۔

۲۰۔ کتاب المتکلمین (۲۱) تبین الصحیح فی تعیین الذبیح (۲۲) تفصیل التفصیل بین المجید و النبی (۲۳) کتاب المتوسط فی المعرفۃ لصحۃ الاعتقاد والرد علی من خالف السنۃ من ذوی البدع والالحاد (۲۴) سراج المریدین (۲۵) سراج المہتدین (۲۶) عواصم و قواصم (۲۷) نواہی و دواہی (۲۸) کتاب ملجاۃ المتفقہین الی معرفۃ غوامض النحویین [2] جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ یہ فن نحو کی کتاب ہے۔ ۲۹۔ کتاب الرحلۃ یا کتاب ترتیب الرحلۃ۔ اس کے بعض دلچسپ اور مفید اقتباسات صاحب نفح الطیب اور شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے نقل کئے ہیں۔ ان میں سے بعض کو دلچسپی کے خیال سے یہاں بھی درج کیا جاتا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

میں ایک دن بغداد میں ابو وفا کی مجلس میں حاضر تھا، قرآن کی تفسیر ہو رہی تھی، قاری نے یہ آیت تلاوت کی کہ (تحیتھم یوم یلقونہ سلام) میں نے اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص سے آہستہ سے کہا کہ یہ آیت عالم آخرت میں رویت الٰہی کی صریح دلیل ہے۔ کیونکہ اہل عرب (لقیت فلانا) رویت ہی کے موقع پر کہتے ہیں، ابو وفا نے یہ سن لیا اور مذہب اعتزال کی تائید میں یہ آیت پڑھی۔ (فاعقبھم نفاقا فی قلوبھم .... یوم یلقونہ الخ) اور کہا کہ منافقین کے بارے میں اجماع ہے کہ ان کو رویت نہ حاصل ہوگی، میں اس وقت پاس ادب

---

[1] کشف الظنون ج ا دمقدمہ تحفۃ الاحوذی [2] ان سب کتابوں کے لئے الدیباج المذہب، نفح الطیب، لسان المحدثین وغیرہ

اور مجلس عام کی وجہ سے کچھ عرض نہ کر سکا، حالانکہ کتاب المشکلین میں اس آیت کے ضمن میں جس نے لکھا ہے کہ "یلقونہ" کی ضمیر کا مرجع نفاق ہے، جس کی تقدیر جزاء نفاق ہے۔"

ایک اور موقع پر رقمطراز ہیں کہ

"محدثین کا قول ہے کہ حدیث کی طلب و تحصیل کرنے والے شخص کے چہرے پر شادابی اور تازگی ہوتی ہے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

نضر الله امرأ سمع مقالتی فوعاها فاداها كما سمعها۔

اللہ تعالیٰ اس آدمی کو تر و تازہ کرے جس نے میری بات کو سن کر محفوظ کیا اور اس کو اسی طرح جس طرح سنا تھا دوسرے کو پہنچایا۔

حاملین علم کے لئے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے۔ اس لئے اللہ کے فضل و کرم سے یہ برکت ضرور حاصل ہوگی۔[1]

مندرجہ ذیل کتابوں کا صرف نفح الطیب کے مصنف نے ذکر کیا ہے۔

(۳۱) کتاب الاملافیات، یہ غالباً وہی کتاب ہے جس کا صفحہ ۱۹۰ میں ذکر ہوا ہے (۳۲) کتاب الامد الاقصیٰ باسماء اللہ الحسنیٰ وصفاتہ العلا (۳۳) کتاب التقریر الاکبر (۳۴) کتاب اعیان الاعیان (۳۵) رسالۃ الکافی فی ان لا دلیل علی النافی۔ (۳۶) کتاب ... صاحب کشف الظنون نے ابو عبداللہ احمد بن سلیمان زبیری (م ۳۱۰ھ) [illegible] کی اسی نام کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے۔ (۳۷) کتاب مراقی الزلف۔ صاحب کشف الظنون نے مراقی الزلفیٰ کے نام سے امام غزالی (م ۵۰۵ھ) کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے۔

---

[1] نفح الطیب ج ۱ و بستان المحدثین

قاضی عیاض

(المتوفی ۵۴۴ھ)

نام ونسب عیاض نام، ابوالفضل کنیت، نسب نامہ یہ ہے: عیاض بن موسیٰ بن عیاض ابن عمرو بن موسیٰ بن عیاض بن محمد بن موسیٰ بن عیاض[1] بعض لوگوں نے عمرو کا نام عمرون لکھا ہے۔[2]

ولادت وخاندان یہ وسط شعبان ۴۷۶ھ میں پیدا ہوئے، بعض نے ۴۷۶ھ سنہ ولادت لکھا ہے۔ یمن کے مشہور قبیلہ حمیر سے خاندانی تعلق تھا، اس خاندان کے ایک شخص یحصب ابن مالک کی نسبت سے یحصبی کہلاتے ہیں۔[3]

قاضی عیاض کا خاندان علمی حیثیت سے ممتاز تھا، اس میں ان سے پہلے اور ان کے بعد کئی اصحاب علم وفن گزرے ہیں۔

وطن قاضی صاحب کے اجداد بسط سے فارس منتقل ہوگئے تھے اور پھر سبتہ آئے یہیں ان کی ولادت ہوئی، یہ ساحل سمندر پر واقع مغرب کا ایک مشہور شہر ہے، اس کے تعلق سے وہ سبتی کہے جاتے ہیں۔[4]

اساتذہ مشہور استادوں کے نام یہ ہیں:۔

قاضی ابوالولید بن رشد، قاضی ابوعبداللہ بن حمدین، ابومحمد بن عتاب عتابی، محمد بن احمد بن الحاج، ابوعلی بن حسین محمد صدفی، عبداللہ بن محمد بطلیوسی، عبداللہ بن محمد خشنی، ابوعلی حسن بن محمد

---

[1] المعجم فی اصحاب القاضی ابوعلی الصدفی لابن ابار، ابن خلکان ج ۲ [2] الدیباج، بستان المحدثین [3] ابن خلکان ج ۲
[4] ایضاً المعجم، کتاب الانساب، الدیباج

Marfat.com

بن عسکرہ، ابوالقاسم عبدالرحمن بن بقی بن مخلد، ابوالحسین ابن سراج بن عبدالملک، ابومحمد بن عثمان ہشام بن احمد، قاضی ابوبکر بن عربی، ابوعلی حسن بن علی طریف، ابوالقاسم خلف بن ابراہیم بن نحاس، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ سہل، عبدالرحمن بن محمد بن عجوز، ابوعبداللہ محمد بن عیسیٰ تمیمی، ابوحامد محمد بن اسماعیل، سفیان بن عاص فقیہ، قاضی ابوعبداللہ تمیمی ابوالولید ہشام بن احمد المعروف ابن العواد اور ابن منیف وغیرہ۔

جن شیوخ سے ان کو شرف اجازت حاصل تھا ان کے نام یہ ہیں:۔

ابوعلی غسانی، شیخ ابوبکر طرطوشی، خلیس بن عبداللہ، ابوزید بن منتال، ابن الیب، ابوالولید بن دراق، ابوعبداللہ خولانی، ابوالولید بن طریف، ابوالاصبغ بن سہل بن ابی البحر الشنتینی، ابوالفضل [illegible] ابوطاہر احمد بن محمد سلفی اور ابوعبداللہ مازری وغیرہ۔

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ ان کے اساتذہ اور اجازت دینے والے شیوخ کی تعداد [illegible] سے متجاوز ہے۔[1]

تلامذہ ان کے تلامذہ کا حلقہ بھی بڑا وسیع تھا، چند مشہور شاگردوں کے نام یہ ہیں:۔

ابوالقاسم خلف بن بشکوال، ابوجعفر بن قبیہ غرناطی، عبداللہ بن احمد [illegible] ابوالحسن بن الحجری، محمد بن حسن المازری۔[2]

طلب علم کے لئے رحلت و سفر اپنے وطن کے علماء و مشائخ سے استفادہ کرنے کے بعد [illegible] اندلس تشریف لے گئے اور قرابہ کے علماء سے کسب فیض کیا۔ علم کی تحصیل کے لئے انہوں نے بلاد مشرق کا بھی سفر کیا۔[3]

حفظ و ذکاوت قاضی عیاض کے حفظ و ضبط، فہم و تیقظ اور ذکاوت و ذہانت کا علماء سیر نے ذکر و اعتراف کیا ہے، ان کی غیر معمولی ذہانت کا یہ حال تھا کہ ۳۰ سال کی عمر سے پہلے ارباب فن

---

[1] المعجم و تذکرۃ الحفاظ ج ۴، الدیباج [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ [3] ابن خلکان [illegible]
[illegible] مشتبہ ہیں۔

نے مناظرہ اور ۲۵ سال کی عمر میں عہدۂ قضا پر متمکن ہو چکے تھے۔[1]

علم حدیث میں درجہ ان کو علم حدیث سے بڑا شغف اور خاص اشتغال تھا، اور اس فن میں کم
مہارت اور درک رکھتے تھے۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ حدیث اور علوم حدیث میں یکتائے روزگا
اور امام وقت تھے۔ اور حدیثوں کے ضبط و تحریر اور جمع و کتابت پر پوری توجہ مبذول کرتے تھے، ا
لئے ان کے پاس روایات و احادیث کا وسیع ذخیرہ تھا۔[2]

تفسیر و فقہ علوم قرآن اور فقہ و خلاف میں بھی ممتاز تھے، صاحب دیباج لکھتے ہیں کہ "وہ تفسیر
اس کے متعلقہ علوم و فنون کے عالم، مبصر فقیہ اور احکام و شرائع کے بڑے واقف کار تھے۔[3]

دیگر علوم وہ خالص دینی علوم ہی میں ممتاز اور فائق نہ تھے، بلکہ نحو، لغت، کلام عرب اور
انساب و وقائع کے بھی نامور عالم تھے۔ علامہ ابن خلکان نے بھی علوم حدیث کے علاوہ نحو، لغت
کلام عرب، انساب اور ایام و وقائع میں ان کو امام العصر قرار دیا ہے۔[4]

شعر و سخن شعر و سخن کا عمدہ ذوق تھا، ان کے جو اشعار ارباب سیر نے نقل کئے ہیں، وہ فرا
جدائی کی بے قراری، حکیمانہ مضامین اور مناظر قدرت کی مصوری وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ تذکرہ نگاروں نے
ان کے اشعار کی بلندی کا اعتراف کیا ہے۔[5]

خطابت صاحب دیباج لکھتے ہیں وہ بلیغ خطیب تھے۔[6]

قضاء ان کے کمسنی ہی میں قضا جیسے اہم اور ذمہ دارانہ منصب پر فائز ہونے کا ذکر اوپر آ
ہے، پہلے اپنے وطن سبتہ کے برسوں قاضی رہے، پھر غرناطہ میں اس عہدہ پر مامور کئے گئے، لیکن
ہی وہاں سے سبکدوش ہو کر دوبارہ سبتہ کے قاضی ہوئے، اس عہدہ پر مدتوں متمکن رہنے کی وجہ
قاضی ان کے نام کا جزو ہو گیا تھا۔

وہ محکمہ قضا کے فرائض نہایت خوش اسلوبی اور ذمہ داری سے انجام دیتے تھے، اور خود

---

[1] الدیباج و تذکرہ ج ۴ [2] ابن خلکان ج ۲ و الدیباج [3] الدیباج [4] ایضاً و ابن خلکان ج ۲ و تذکرہ ج ۴ و
بستان [5] ایضاً و ابن خلکان ج ۲ و تذکرہ ج ۴ [6] الدیباج

Marfat.com

انصاف سے سرمو انحراف نہیں کرتے تھے۔[1]

جامعیت اور اعتراف کمالات قاضی صاحب گوناگوں اوصاف و کمالات سے متصف، مختلف علوم و فنون کے جامع، امام وقت، علامۂ دہر اور عالم مغرب تھے، ابن خلکان کا بیان ہے کہ وہ اکابر ائمہ حفاظ و محدثین اور افاضل فقہاء و ادباء میں تھے ان کی تصنیفات اور اشعار اس پر شاہد ہیں: صاحب المعجم لکھتے ہیں: "قاضی عیاض کے علمی خدمات متنوع اور گوناگوں ہیں۔ فن حدیث میں ان کا انہماک غیر معمولی اور بے مثال تھا، وہ مختلف علوم اور معانی و اصطلاحات کی فہم و معرفت میں یکتا، نظم و نثر و فنون پر قادر اور فقہ، لغت، عربیت و ادب کے ماہر تھے۔ درحقیقت ان کی ذات لائق فخر اور سرمایۂ کمال تھی، اور وہ نہ صرف اندلس بلکہ مغرب کے علماء اور رجال کے صدر الصدور تھے۔[2]

شہرت و مقبولیت ان اوصاف و کمالات کی بدولت ان کی شہرت و مقبولیت میں بڑا اضافہ ہوگیا تھا، صاحب دیباج فرماتے ہیں کہ ان کی شہرت عظیم تھی، علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ خود اپنے شہر میں جو بلند مرتبہ غیر معمولی عظمت اور عظیم الشان وقار ان کو حاصل ہوا وہ یہاں کے کسی اور شخص کو نہ ان سے پہلے حاصل ہوا تھا اور نہ ان کے بعد حاصل ہوا۔[3]

فقہی مذہب مالکی مذہب کے اکابر میں شمار کئے جاتے تھے۔ اس کے اصول و فروع پر ان کی نظر وسیع تھی، اور وہ اس مذہب کے جزئیات کے حافظ تھے۔[4]

اخلاق و عادات انکسار، تواضع، نرم دلی، خوش معاملگی، صبر و ضبط، عفو و تحمل اور سخاوت و فیاضی وغیرہ عمدہ خصائل کے مالک تھے۔ صاحب دیباج لکھتے ہیں کہ وہ لوگوں سے اچھا سلوک اور خوب صدقہ و خیرات کرتے تھے۔[5]

خشیت و حق پسندی خوف و خشیت الٰہی، عمل صالح میں مداومت اور حق کے معاملہ میں شدت پسندی کے لئے مشہور تھے، ذہبی کا بیان ہے کہ ان کے شہر میں ایسی عظیم الشان شہرت کا حامل

۱؎ ایضاً و ابن خلکان ج ۲ و تذکرہ ج ۴ ۲؎ ایضاً و المعجم ۳؎ الدیباج و تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ۴؎ الدیباج
۵؎ الدیباج۔

کوئی نہ تھی، مگر اس چیز نے عجب و کبر کے بجائے ان میں عجز و انکسار اور خوف و خشیت الٰہی میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ ان پر خوف الٰہی اس قدر غالب تھا کہ قضا کے معاملات میں کبھی ناانصافی نہیں کرتے اور نہ اپنے اور پرائے کے معاملہ میں انصاف اور حق پسندی سے دامن کش ہوتے[۱]

اسی طرح نہایت متقی زاہد، عبادت گزار اور صحیح العقیدہ اور بدعات سے سخت متنفر رہتے[۲]

جلاوطنی اور وفات موحدین[۳] کی تحریک کا ظہور ہوا تو قاضی صاحب بھی اس میں شامل ہوگئے۔ ۵۴۳ھ کے انتشار اور طوائف الملوکی کے زمانہ میں ان کو جلاوطن ہو کر مراکش جانا پڑا۔ یہیں ان کا جمعہ کے دن جمادی الاخری ۵۴۴ھ میں انتقال ہوا، اور باب ایلان میں سپرد خاک کیے گئے[۴] بعض لوگوں کا بیان ہے کہ کسی یہودی کے زہر دے دینے سے ان کی وفات ہوگئی تھی[۵]

اولاد و احفاد قاضی عیاض کے خاندان کی بدولت اندلس اور بلاد مغرب میں مدتوں علم و فن کی قندیلیں فروزاں رہیں۔ اور ان کی اولاد و احفاد میں بڑے ممتاز اور بلند پایہ صاحب علم و کمال پیدا ہوئے، فرزند ابو عبداللہ دانیہ کے قاضی اور مشہور صاحب علم تھے، اور پوتے عیاض بن محمد ممتاز ادیب و شاعر تھے[۶]

تصنیفات قاضی عیاض صاحب کمال اور نامور مصنف بھی تھے، اور ان کی تصنیفات کمیت و کیفیت دونوں اعتبار سے اہم، بلند پایہ اور علم و فن کے ذخیرہ میں بیش قیمت خیال کی جاتی ہیں

---

[۳] اس تحریک کے بانی محمد بن تومرت سوس میں پیدا ہوئے یہ نہایت لائق و قابل اور عالم و فاضل شخص اور امام غزالیؒ کے تلامذہ میں تھے۔ ۵۱۵ھ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی دعوت کا آغاز کیا، جب ان کا حلقہ اثر زیادہ وسیع ہوا تو انہوں نے مہدویت کا دعویٰ کر دیا، عبدالمومن کوجان کا خاص معتقد و مرید تھا ۵۲۰ھ میں اپنی وفات سے پہلے اپنا جانشین مقرر کر گئے، اس نے اندلس اور بلاد مغرب سے سلاطین کی حکومت کا خاتمہ کر کے ان کو زیر نگین کر لیا۔ ۶۲۰ھ تک الموحدین کی حکومت ان علاقوں میں رہی [۴] الدیباج، تذکرۃ الحفاظ ج ۴، ابن خلکان ج الرسالۃ المستطرفہ [۵] المعجم والدیباج [۶] ابن خلکان ج ۲ والدیباج۔

[۱] ایضاً و تذکرۃ الحفاظ ج ۴ [۲] مفتاح السعادۃ ج ۲

Marfat.com

اس لئے ان کو بڑی شہرت و اعتبار حاصل ہوا، اور وہ ہر زمانہ کے اہل علم میں مقبول و متداول رہی ہیں۔ مورخین نے ان کو مفید، معلومات افزا اور طرز تحریر و انداز بیان کے لحاظ سے انوکھی اور دلکش بتایا ہے۔ ابن الآبار لکھتے ہیں "ان کی مفید کتابوں کو نقل کرکے لوگ ان سے خوب فیض یاب ہوئے اور وہ ہر طبقہ کے لوگوں میں نہایت مقبول ہوئیں۔ علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ ان کی اہم تصنیفات کا چار دانگ عالم میں شہرہ ہے، ان کی بدولت مصنف کا نام روشن ہوا اور ان کی دور دور شہرت ہوئی۔ ان کے وطن سبتہ میں ان کے زمانہ میں کسی شخص نے اتنی زیادہ کتابیں نہیں لکھی تھیں[1]

جن کتابوں کے ناموں کا علم ہوا ہے، ان کی فہرست اور بعض اہم کتابوں کا مختصر تعارف ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:۔

(۱) کتاب اجوبۃ القرطبیین (۲) کتاب الاجوبۃ المحبرۃ علی الاسئلۃ المتخیرۃ یا من الاسئلۃ المحبرۃ (۳) کتاب الاعلام بحدود قواعد الاسلام یا الاعلام فی حدود الاحکام (۴) کتاب سر السراۃ فی ادب القضاۃ (۵) کتاب العقیدہ (۶) کتاب العیون الستۃ فی اخبار سبتہ (۷) کتاب غنیۃ الکاتب ... المشروط بینہم التزاور (۸) مطامح الافہام فی شرح الاحکام (۹) معجم شیوخ ابی علی الصدفی (۱۰) المقاصد الحسان فیما یلزم الانسان (۱۱) کتاب نظم البرہان علی صحۃ جزم الاذان۔

(۱۲) کتاب اجوبۃ عما نزل فی ایام قضائہ من نوازل الاحکام۔ ایک سفر میں ہے اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، ان کے عہدۂ قضاء کے زمانہ میں پیش آنے والے حوادث و مسائل کے بارے میں استفسارات کے جواب اور فیصلوں پر مشتمل ہے۔

(۱۳) کتاب الالماع فی ضبط الروایۃ وتقیید السماع۔ یہ اصول حدیث میں ہے[2] اس کا ایک قلمی نسخہ مکتبہ سندیہ میں اور دوسرا کتب خانہ ایاصوفیہ میں ہے (تذکرۃ النوادر)

(۱۴) کتاب بغیۃ الرائد لما تضمنہ حدیث ام زرع من الفوائد یا کتاب شرح حدیث ام زرع یہ حدیث مذکور کی مبسوط شرح ہے[3]

[1] المعجم و تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ... الدیباج ص ... فہرست الابواب ... پیش ... دیکھو ابن خلکان، کشف الظنون

(۱۵) کتاب ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفتہ اعلام مذہب مالک یا کتاب ترتیب المدارک وتقریب المسالک فی ذکر فقہاء مذہب مالک۔ اس میں مذہب مالکی کے مشاہیر و اعلام کا ذکر ہے اور یہ بڑی عمدہ اور انوکھی کتاب ہے، اس سے پہلے ایسی عمدہ کتاب کوئی نہیں لکھی گئی تھی[1] اس کا ایک قلمی نسخہ دو جلدوں میں کتب خانہ خدیویہ مصر میں اور دوسرا کتب خانہ ٹونک میں ہے۔ (تذکرۃ النوادر)

(۱۶) کتاب التنبیہات المستنبطہ علی الکتب المدونہ یا المستنبط فی شرح کلمات مشکلہ و الفاظ مغلقہ مما اشتملت علیہ الکتب المدونۃ والمختلط۔ مذہب مالکی کی مشہور کتاب مدونہ کے مشکل و مغلق الفاظ و کلمات کی شرح اور نادر و غریب فوائد کا خزانہ ہے[2] اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ یہ اصل نام کے بجائے تنبیہات ستہ کے نام سے زیادہ مشہور ہے، بعض لوگوں نے اس کی اشعار میں تعریف کی ہے۔

(۱۷) جامع التواریخ۔ اس مبسوط اور جامع تاریخ میں اندلس اور بلاد مغرب کے ملوک اور سرزمین سبتہ کے واقعات اور اس کے علماء کے حالات درج ہیں[3]

(۱۸) کتاب الخطب۔ مصنف کے بلیغ خطبوں کا مجموعہ ہے[4]

(۱۹) کتاب الغنیہ فی شیوخہ۔ اس میں اپنے شیوخ کا ذکر کیا ہے[5]

(۲۰) کتاب غنیۃ الکاتب وبلغیۃ الطالب فی الصدور والترسل[6] یا غنیۃ الکاتب وبلغیۃ الطالب فی صدور الرسائل[7] یا علۃ الکاتب وبلغیۃ الطالب[8]

(۲۱) کتاب المعجم فی شیوخ ابن سکرہ۔ ابوعلی حسین بن محمد سرقسطی صدفی المعروف بابن سکرہ کے مشائخ کے ناموں کی تخریج کی ہے، شروع کے چند صفحے میں ابوعلی کا ترجمہ اور اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ انہوں نے ۲۶۰ شیوخ سے اخذ و استفادہ کیا تھا[9]

---

[1] کشف الظنون ج ا [2] ایضاً ج ۲ [3] تذکرہ ج ۴ [4] الدیباج [5] الدیباج وکشف الظنون ج ۲ وبستان المحدثین [6] الدیباج [7] کشف الظنون ج ۲ [8] بستان المحدثین [9] کشف الظنون ج ۲ واتحاف النبلاء

(۲۲) اکمال المعلم فی شرح صحیح مسلم۔ یہ صحیح مسلم کی شرح اور ابو عبداللہ محمد بن علی مازری (م ۵۳۶ھ) کی مشہور شرح مسلم کتاب المعلم بفوائد کتاب مسلم کا تکملہ ہے۔[۱]

صحیح مسلم کی مشہور و معتبر شرحوں میں اس کا شمار ہوتا ہے اور متاخرین نے اس سے اپنی شرحوں میں بڑا استفادہ کیا ہے۔ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی (م ۸۲۷ھ) نے اپنی شرح اکمال اکمال المعلم میں مازری، عیاض، قرطبی اور نووی کی شرحوں کو بعض اضافوں اور تنبیہات کے ساتھ جمع کیا ہے، اسی طرح ابوالفرج عیسیٰ بن مسعود زواری (م ۷۴۴ھ) نے بھی اپنی شرح معلم، اکمال اور مفہم و منہاج کی مدد سے مرتب کی ہے[۲] اس کی اہمیت مالک بن مرحل کے ان اشعار سے ظاہر ہے:۔

من قرأ الاکمال کان کاملا	فی علمه و زین المحافلا
وکتب العلم کنوز ا بها	تفید نفعا عاجلا و اجلا
ولیس من کتب عیاض عوض	فانه کان اماما فاضلا[۳]

ترجمہ:۔ جس نے اکمال کو پڑھا وہ اپنے علم میں کامل ہوگیا اور اس نے محفلوں کو مزین کر دیا اور علمی کتابیں درحقیقت خزانہ ہیں، جو جلد یا بدیر ضرور فائدہ دے گا، مگر عیاض کی کتابوں کا بدل نہیں ہے کیونکہ وہ امام فن اور فاضل یگانہ تھے، اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں ہے[۴]

(۲۳) مشارق الانوار: اس کا پورا نام مشارق الانوار علی صحاح الآثار ہے۔ یہ حدیث کی تین اہم اور طبقۂ اولیٰ کی کتابوں موطا امام مالک، صحیح بخاری و صحیح مسلم کی شرح ہے، اس میں ان کی حدیثوں کے مشکل اور غریب الفاظ کی تحقیق و تشریح، معانی و مطالب کی توضیح، راویوں کے ناموں کا ضبط اور ان کے اغلاط، اوہام اور تصحیحات وغیرہ پر تنبیہ کی گئی ہے[۵]

(۲۴) کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ۔ یہ قاضی عیاض کی بڑی مفید مقبول اور بے نظیر کتاب ہے، اس کی جدت و ندرت، ہر طبقہ و مسلک کے لوگوں میں شہرت و مقبولیت اور انداز تحریر کی دلکشی و دلآویزی وغیرہ کا قاضی عیاض کے معاصرین، ارباب سیر اور علمانے فن نے اعتراف کیا ہے

[۱] کشف الظنون ج ۱ ص ۱۷۳ [۲] ایضاً [۳] بستان المحدثین [۴] فہرست ج ۱ ص ۱... [۵] الدیباج و کشف الظنون ج ۲

صاحب دیباج لکھتے ہیں :-

"مصنف کی انفرادیت جدت اور سبقت و تقدم کا شرف و مزیت مسلم ہے، لوگوں نے اس کتاب کی نقل و روایت کر کے اس سے بڑا استفادہ کیا ہے اور شرق و غرب ہر جگہ اس کا غلغلہ بلند ہے۔"[1]

صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں :-

"یہ نہایت بیش قیمت اور مفید کتاب ہے، اس سے پہلے ایسی عمدہ کتاب نہیں لکھی گئی۔"[2]

صاحب روضات کا بیان ہے :-

"ہمارے اصحاب یعنی فرقہ امامیہ کے لوگوں نے بھی اس سے بکثرت اقتباسات نقل کئے ہیں، درحقیقت اس میں بے شمار فوائد، بلند تحقیقات اور رسول اللہ صلعم کی ولادت سے وفات تک کے حالات و واقعات سے متعلق حدیثیں شامل ہیں مصنف نے اس میں اکابر شیوخ سے روایتیں نقل کی ہیں۔"[3]

شاہ عبد العزیز صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"غرض یہ بڑی اہم عجیب اور نہایت مقبول کتابوں میں ہے بعض شاعروں نے اس کی منظوم تعریفیں کی ہیں۔"[4]

کتاب الشفاء میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان اور آپ کے جلیل القدر منصب و مقام کو قرآن مجید، حدیث نبوی اور ائمہ کے اقوال کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔

مصنف کا بیان ہے کہ :-

"تم نے مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت، آپ کے اوصاف و محامد، آپ کی توقیر و احترام کا تذکرہ کرنے اور ان امور میں کمی اور کوتاہی کرنے والوں کے احکام بیان کرنے کے لئے مسلسل اصرار کیا ہے، یہ بڑا دقت طلب اور مشکل کام ہے، اور اس میں لغزش کا بھی اندیشہ ہے، لیکن چونکہ اس سے ثواب اور اللہ کے فضل و انعام کی توقع ہے اور اس کو ترک کرنا کتمان علم کا موجب ہے جس کے متعلق سخت وعیدیں آئی ہیں، اس لئے میں نے یہ کتاب لکھی ہے۔"[5] یہ چار حصوں میں ہے

---

[1] الدیباج المذہب [2] کشف الظنون ج ۲ [3] روضات الجنات [4] بستان المحدثین واتحاف النبلاء [5] مقدمہ الشفاء

دو ہر حصہ کئی ابواب و فصول پر مشتمل ہے۔

پہلے حصہ میں آپؐ کی اس ثناء و توصیف، عظمت، شان، فضائل و کمالات نیز جا بجا اور معجزات و کرامات، وغیرہ کا ذکر ہے، جو اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہیں۔

دوسرے حصہ میں دکھایا گیا ہے کہ لوگوں پر آپؐ کے کیا حقوق عائد ہوتے ہیں، جیسے آپؐ پر ایمان لانا، آپ کی مکمل اطاعت، آپ سے محبت، و عقیدت رکھنا، آپؐ کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھنا اور آپؐ پر درود و سلام بھیجنا وغیرہ۔

تیسرے حصہ میں یہ بحث کی گئی ہے کہ کن بشری اوصاف و خصائل کی نسبت آپؐ کی جانب جائز و مناسب ہے، اور کیا اوصاف آپ کی شان و عظمت کے منافی ہیں۔ غرض ان تمام امور کی اس میں تفصیل کی گئی ہے، جو آپ کی شان میں روا اور جائز ہیں اور ان کی بھی جو ناروا اور ممنوع ہیں۔

چوتھا حصہ آپ کی تنقیص اور سب و شتم کرنے والوں کے احکام پر مشتمل ہے۔ اس کے آخر میں اللہ تعالیٰ، ملائکہ، تمام انبیاء و رسل اور رسول اللہؐ کے آل و اصحاب کی شان میں گستاخی اور سب و شتم کرنے والوں کے احکام کا ذکر ہے۔

مصنف نے تیسرے حصے کو سب سے اہم، عظیم الشان اور اس کتاب کی اصل غرض و غایت بتایا ہے، جو شروع کے حصوں کا دیباچہ و تمہید اور آخر کے مباحث کا تکملہ ہے۔[1]

قرآنی آیات کی تفسیر و تاویل کے ضمن میں اعراب و قرات کے اختلافات اور مفسرین کے تفسیری اقوال بھی نقل کئے ہیں۔

کتاب الشفاء بڑی برکت والی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ قاضی عیاض کے برادرزادہ کہتے ہیں کہ "میں نے خواب دیکھا کہ میرے چچا رسول اللہ صلعم کے ساتھ سونے کے ایک تخت پر فروکش ہیں، یہ منظر دیکھ کر مجھ پر ہیبت و دہشت طاری ہو گئی۔ انہوں نے میری پریشانی اور گھبراہٹ دیکھ کر فرمایا کہ کتاب الشفاء کو مضبوطی سے اختیار کرو"۔ یہ گویا اس امر کی جانب اشارہ تھا کہ یہ بلند مرتبہ و امتیاز

[1] مقدمہ کتاب الشفاء، بستان المحدثین

Marfat.com

اسی کتاب کی کرامت کا نتیجہ ہے۔ ل

مختصرات و شروح اس کی غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے اس کی شرحیں، تعلیقات اور مختصرات وغیرہ لکھے گئے ہیں، ذیل میں ان کا اور ان کے مصنفین کا نام درج کیا جاتا ہے:۔

(۱) المنہل الاصفی فی شرح ماتمس الحاجتہ الیہ من الفاظ الشفاء لابی عبد اللہ محمد بن ابی شریف حسنی تلمسانی۔ یہ الشفاء کی بہترین شرحوں میں ہے۔ ۹۱۰ھ میں اس کی تصنیف سے مصنف فارغ ہوئے۔ (۲) الاصطفا لبیان معانی الشفا۔ شیخ شمس الدین محمد بن محمد دلجی شافعی عثمانی ۹۴۰ھ۔ یہ ۹۳۵ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی (۳) شیخ امام ابوالحسن علی بن محمد بن اقبرس شافعی متوفی ۸۶۲ھ نے شرح لکھی (۴) عمر عرنی نے ۴ جلدوں میں شرح لکھی (۵) ابوذر احمد بن ابراہیم حلبی (م ۹۸۴ھ) کی شرح۔ یہ نامکمل ہے (۶) منایل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء۔ اس میں حافظ جلال الدین سیوطی نے شفاء کی حدیثوں کی تخریج کی ہے (۷) مزیل الخفاء عن الفاظ الشفاء۔ شیخ تقی الدین ابوالعباس احمد بن محمد شمنی (م ۸۷۲ھ) نے اس میں شفاء کے حواشی و تعلیقات لکھے ہیں۔ ۸۴۷ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے تھے (۸) برہان الدین ابراہیم بن محمد حلبی سبط ابن العجمی نے ایک جلد میں تعلیق لکھی اور ۹۰۷ھ میں مکمل کی (۹) المقتفی فی حل الفاظ الشفاء۔ یہ سبط ابن العجمی کے ایک شاگرد محمد بن خلیل حنفی کی شرح ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے استاد کے افادات مذکورہ بالا نام سے اور اس پر اضافے زبدۃ المقتفی فی تحریر الفاظ الشفاء کے نام سے جمع کئے ہیں۔ اس کی تالیف ۸۰۱ھ میں ہوئی۔ (۱۰) شہاب الدین احمد حسین بن رسلان رملی شافعی (م ۸۴۴ھ) نے ایک مفید تعلیق لکھی (۱۱) عماد الدین ابوالفدا اسمعیل بن ابراہیم بن جماعہ کنانی قدسی (م ۸۶۷ھ) نے شفاء کے بعض الفاظ کی تشریح کی ہے (۱۲) شیخ ابوعبداللہ محمد بن حسن بن مخلوف راشدی کی شرح (۱۳) کمال الدین محمد بن ابی شریف قدسی (م ۹۰۶ھ) کی شرح (۱۴) ابوعبداللہ احمد بن محمد بن مرزوق تلمسانی مالکی (م ۷۸۱ھ) کی شرح (۱۵) شیخ عبداللہ قرشی یمانی کے حواشی (۱۶) الشفا المسمی بالوفا۔ ابن الاحمر کی تلخیص ہے (۱۷) القفا تحریر الشفا۔ قطب الدین محمد خیضری (م ۸۹۴ھ) کی تلخیص (۱۸) الاکتفا فی الفاظ الشفاء۔ امام ابوالمحاسن عبدالباقی یمانی کی شرح (۱۹) نسیم الریاض

فی شرح شفاء القاضی عیاض ۔ یہ مبسوط ضخیم اور محققانہ شرح شہاب الدین احمد خفاجی (م ۱۰۶۹ھ) نے لکھی ہے اور ۴ جلدوں میں شائع ہوئی ہے (۲۰) ملا علی قاری (م ۱۰۱۶ھ) نے دو جلدوں میں شرح لکھی ہے (۲۱) شیخ الاسلام مولی اسحٰق بن شیخ الاسلام اسمٰعیل آفندی (م ۱۱۴۰ھ) نے شفا کا ترکی میں ترجمہ کیا ہے (۲۲) حرمین کے مفتش مولی ابراہیم جنف ۔ نے بھی ترکی ترجمہ کیا ہے[1]۔ (۲۳) المدد الفیاض بنور شفاء ۔ شیخ ہمام حسن عددی خمرادی (م ۱۲۰۶ھ) کی شرح[2] (۲۴) بعض مصنفین نے اس کی ساٹھ مسند حدیثوں کو ایک علیحدہ جزو میں جمع کیا ہے[3]۔

ایک اعتراض علامہ ذہبی نے الشفاء کے متعلق لکھا ہے کہ یہ موضوع اور واہی روایتوں اور حدیثوں سے پُر ہے، مصنف نے اس کی روایات میں زیادہ چھان بین اور نقد و تحقیق سے کام نہیں لیا ہے۔

شہاب نے اس اعتراض کو تسلیم نہ کرنے کے باوجود اس کا اعتراف کیا ہے کہ اس میں بعض ضعیف اور موضوع حدیثیں ہیں۔ حافظ سیوطی نے اپنی کتاب مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء میں ان سب کی نشاندہی کرکے تنبیہ کی ہے[3]۔

ذہبی کا بیان گو غلو پر مبنی ہے، تاہم اس کی صداقت یک گونہ مسلم ہے۔ قاضی عیاض نے احادیث و اخبار کے نقد و تحقیق پر پورا دھیان نہیں دیا ہے[4]۔

۱؎ کشف الظنون ج ۲ ۲؎ ہادی المسترشدین ۳؎ الرسالۃ المستطرفہ ۴؎ مقدمہ الشفاء

Marfat.com

ابوالسعادات مبارک بن اثیر جزری

(متوفی ۶۰۶ھ)

نام و نسب مبارک نام ابوالسعادات کنیت مجدالدین لقب اور نسب نامہ یہ ہے: مبارک بن محمد بن محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد[1]

ان کے والد محمد اثیر کہلاتے تھے۔ اس لئے ان کی اور ان کے دو بھائیوں کی ابن اثیر کے سے شہرت ہوئی۔

ولادت و وطن ربیع الاول یا ربیع الثانی ۵۴۴ھ میں جزیرۂ ابن عمر میں پیدا ہوئے اور یہیں نشوونما پائی، پھر اپنے والد اور دیگر خاندانی متعلقین کے ساتھ موصل تشریف لائے اور وہاں مستقل بود و باش اختیار کرلی، واقدی کا بیان ہے کہ اہل برقعید میں سے ایک شخص عمر بن عبدالعزیز نے اس کو آباد کرایا تھا، اس لئے اس کو جزیرۂ ابن عمر کہا جاتا ہے، ابن خلکان لکھتے ہیں کہ مجھ کو ابن عمر کے بارے میں واقفیت نہیں ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ جزیرہ امیر عراقین یوسف بن عمر ثقفی کی جانب منسوب ہے، بعد میں مجھ کو معلوم ہوا کہ اس کا تعلق برقعید کے عمر بن عبدالعزیز سے ہے بعض تاریخوں میں اس کو عمر نامی ایک شخص کے دو بیٹوں اوس و کامل کا جزیرہ بتایا گیا ہے، لیکن ان دونوں کے متعلق بھی مجھ کو کوئی تحقیق نہیں ہو سکی، ابن المستوفی اپنی تاریخ میں عزالدین ابن اثیر کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ اوس و کامل کے جزیرہ سے تعلق رکھتے تھے، اور وہ دونوں عمر بن اوس ثعلبی کے

---

[1] ابن خلکان ج ۲ و طبقات الشافعیہ ج ۵

Marfat.com

بیٹھے تھے [1] یاقوت کا بیان ہے کہ اس کے اولین بانی حسن بن عمر بن خطاب تھے [2]

خاندان | ابن اثیر کا خاندان علم و فضل کا گہوارہ تھا، ان کے والد ماجد کو علم و فن سے اشتغال رہا اور ان کے دو بھائی بھی ان ہی کی طرح علمی حیثیت سے ممتاز اور صاحب کمال تھے، ضیاء الدین بن اثیر صاحب المثل السائرہ نامور ادیب و انشاپرداز اور عزالدین صاحب تاریخ کامل بے نظیر مورخ تھے۔

نسبتیں | شیبانی، اربلی، موصلی اور جزری ان کی نسبتیں ہیں [3] ان میں اول الذکر خاندان کی جانب اور باقی شہروں کی جانب ہیں، لیکن جزری سب نسبتوں سے زیادہ مشہور ہے، یہ جزیرہ ابن عمر کی جانب نسبت ہے۔

اساتذہ | چند مشہور استادوں کے نام یہ ہیں:۔

ابوالقاسم صاحب ابن الخل بغدادی، ابومحمد سعید بن مبارک بن ذہان، ابوالفضل عبداللہ بن احمد الخطیب الطوسی موصلی، عبدالمومن بن کلیب، عبدالوہاب بن سکینہ یحییٰ بن سعدون قرطبی [4]

تلامذہ | ان کے فرزندوں کے علاوہ شہاب قوصی اور فخرالدین بن بخاری وغیرہ کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہے [5]

طلب علم کے لئے سفر | ان کے بغداد اور مختلف ولایات میں جانے اور وہاں کے علماء و فضلاء سے استفادہ کرنے کا ذکر ملتا ہے [6]

حدیث میں بلند پائیگی | ابن اثیر نامور محدث اور فقہ و معرفت حدیث میں یکتا تھے، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ انہوں نے بےشمار حدیثیں سنیں اور ان کی روایت کی حدیثوں کے نقد و تمییز کے ماہر اور رجال و علل کے واقف کار تھے، تذکرہ نگاروں نے اس فن اور اس کے متعلقہ علوم میں ان کی عظمت کا اعتراف کیا ہے [7]

---

۱ ابن خلکان ۲ معجم البلدان ۳ شذرات الذہب، ج ۵ ۴ ابن خلکان و طبقات ابن سبکی ج ۵

۵ ایضاً ۶ بغیۃ الوعاۃ ۷ الکامل ج ۱۲ و البدایہ ج ۱۳

قرآنی علوم | تفسیر اور قرآنی علوم کے بھی ماہر تھے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

وقرأ القرآن واتقن علومه — قرآن مجید کا مطالعہ کیا اور اس کے علوم میں

وحرر هذا[1] — مہارت بہم پہنچائی اور ان کو قلمبند کیا۔

فقہ | اُن کے چھوٹے بھائی مورخ ابن اثیر نے اُن کو فقہ کا عالم بتایا ہے، اور دوسرے ارباب نے بھی اس میں ان کے کمال و امتیاز کا ذکر کیا ہے[2]

لغت عربیت اور نحو | لغت عربیت اور نحو وغیرہ میں بھی صاحب کمال تھے، مورخ ابن ا[ثیر]
لکھتے ہیں:۔

وکان عالما فی عدة علوم منها الفقه والاصولین — وہ متعدد علوم جیسے فقہ، اصول نحو، حدیث

والنحو والحديث واللغة — لغت وغیرہ کے متبحر عالم تھے۔

ابن عماد فرماتے ہیں، انہوں نے حدیث کا سماع اور فقہ و حدیث اور ادب کی تحصیل کی[3]

ادب وانشاء | ادب و انشاء کے فن سے خاص مناسبت تھی، اور ان کا شمار مشہور و ممتاز ادیبوں
اور انشاء پردازوں میں ہوتا ہے، ان کے بھائی مؤرخ ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ ماہر کاتب اور انشاء پرداز
تھے، ابن سبکی نے ان کو انشاء پردازی میں بارع کہا ہے، ابن خلکان وغیرہ نے بھی انشاء پردازی میں
ان کی جودت کا ذکر کیا ہے، اس کمال کی بناء پر مدتوں امراء کے دربار میں کتابت و انشاء کے وظائف
ان کے متعلق رہے۔[4]

شعر و سخن | موزوں طبع بھی تھے اور کبھی کبھی شعر کہتے تھے۔

حساب و ریاضی | حساب و ریاضی جیسے خشک فن سے بھی ان کو اشتغال تھا اور اس میں کچھ رسائل
تصنیفات ان سے یادگار ہیں، علامہ ابن خلکان کا بیان ہے کہ وہ فن حساب و انشاء کے عالم تھے[5]

جامعیت اور اعتراف کمالات | مندرجۂ بالا تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ گوناگوں علوم و
فنون کے جامع تھے، مورخ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ان کو متعدد علوم سے واقفیت تھی، حافظ ابن کثیر

[1] البدایہ ج ۱۳ [2] الکامل وابن خلکان ج ۲ و شذرات الذہب ج ۵ [3] ایضاً [4] الکامل ج ۱۲ و ابن خلکان ج ۲ و شذرات الذہب ج ۵ [5] ایضاً

Marfat.com

فرماتے ہیں کہ وہ سارے علوم میں جامع اور مختلف فنون میں صاحب تصنیفات تھے، علمائے فن اور ارباب سیر نے ان کی جامعیت، فضل وکمال، عظمت، بلند پائیگی، اور گوناگوں علوم میں مہارت وغیرہ کا اعتراف کیا ہے، ابوالبرکات بن مستوفی کا بیان ہے کہ وہ معتمد ترین علماء مشاہیر و یگانہ روزگار فضلاء نامور ارباب فن اور جلیل القدر اصحاب کمال میں تھے، اُن کے انہی کمالات اور گوناگوں محاسن نے ان کی ذات کو مرجع خلائق اور شائقین علوم کا مرکز بنا دیا تھا، ابن خلکان کا بیان ہے کہ گوشہ نشینی اور معذوری کے زمانہ میں ان کے گھر پر علماء و فضلاء کا اژدہام رہتا تھا۔[1]

فقہی مذہب شافعی المذہب تھے، علامہ ابن سبکی نے ان کا اپنی کتاب طبقات میں ذکر کیا ہے۔

تدین و تقویٰ علمی کمالات کے ساتھ ساتھ وہ زہد و ارتقاء سے بھی متصف تھے۔ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، ان کے بھائی کا بیان ہے کہ وہ متدین اور جادۂ مستقیم پر گامزن تھے۔ اور اُن کا گھر صوفیاء کی سرائے اور عبادت گزاروں کے لئے وقف رہتا تھا۔[2]

حسن خلق اوصاف حمیدہ اور اخلاق فاضلہ کے پیکر تھے اور لوگوں کے ساتھ خوش خلقی اور حسن سلوک سے پیش آتے تھے، ابن عماد لکھتے ہیں:۔

وکان ذابر و احسان[3] — وہ لوگوں کے ساتھ نیک اور عمدہ برتاؤ کرتے تھے

امراء سے تعلقات اور شاہی درباروں سے توسل ابن اثیر امراء وسلاطین سے بھی متوسل رہے۔ اور ان کو اپنے زمانہ کے موصل کے تمام امراء کے یہاں رسوخ حاصل تھا۔ پہلے وہ امیر مجاہد الدین قایماز[4] کے دربار سے وابستہ اور اس کے منشی رہے، امیر کی وفات تک اس خدمت پر مامور رہنے کے بعد صاحب موصل عزالدین مسعود بن مودود نے ان کو دیوان رسائل کا محکمہ دیا، جب عزالدین کی وفات ہوئی اور اس کا لڑکا نورالدین ارسلان امیر ہوا تو وہ اس کے دربار سے متعلق ہو گئے۔ ارسلان ان کو بہت مانتا اور انعام واکرام سے نوازتا رہا۔ اس کے یہاں

[1] ایضاً [2] الکامل ج ۱۲ [3] شذرات الذہب ج ۵ [4] قایماز گو امیر موصل سیف الدین غازی مودود کا نائب تھا، مگر عملاً وہی اصلی سلطان تھا، کیونکہ سیف الدین نے اس کی قابلیت، لیاقت، حسن خدمت اور عمدہ کارگزاری کی وجہ سے تمام معاملات اسی کو سپرد کر دیئے تھے (دیکھو ابن خلکان ج ۲)

Marfat.com

بھی د، کتابت و انشاء کے محکمہ پر فائز تھے، لیکن جب معذور ہو گئے اور کام کرنے کے لائق اور چلنے پھرنے کی سکت نہ رہ گئی تو اس خدمت سے سبکدوش ہو گئے۔ ابن کثیر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نورالدین کی امارت کے شروع زمانہ ہی میں انہوں نے سبکدوشی حاصل کر لی تھی، چنانچہ پہلے اس نے اپنے غلام لولو سے کہلایا کہ وہ وزارت انشاء کے محکمہ کا چارج لے لیں، انکار کرنے پر وہ خود گیا۔ مگر انہوں نے معذرت کی کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور اس کام کے لئے ایک گونہ سخت گیری اور شدت سے کام لینا پڑتا ہے، جو اب میرے لئے ممکن نہیں ہے، اس عذر کی بنا پر اس نے ان کو معاف کر دیا[1]

غالباً آخر عمر میں وہ امراء کی صحبت سے متنفر اور کنارہ کش ہو گئے تھے۔

سرائے کی تعمیر موصل کے قریب ایک گاؤں میں انہوں ایک سرائے تعمیر کرائی اس کا نام قصر حرب تھا، اس پر انہوں نے اپنی املاک اور جائیداد کا بڑا حصہ وقف کر دیا تھا۔

بیماری اور خانہ نشینی آخر میں ان کو ایک مزمن مرض نقرس (گھٹیا) لاحق ہو گیا تھا، اس کی وجہ ہاتھ اور پاؤں مفلوج اور بے کار ہو گئے تھے، اور وہ چلنے پھرنے اور لکھنے پڑھنے سے بھی بالکل معذور ہو گئے تھے۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ پہلے ان پر فالج کا حملہ ہوا، اس سے ان کا نصف جسم شل ہو گیا، پھر گھٹیا کی بیماری ہوئی، اور ہاتھ پاؤں حرکت اور جنبش کے لائق نہیں رہ گئے، اس زمانہ میں وہ مستقل خانہ نشین ہو گئے تھے، علماء اور طلباء فن ان سے استفادہ کے لئے یہیں تشریف لاتے تھے، اگر کہیں جانا ہوتا تو ڈولی میں بیٹھ کر جاتے۔ ان کے بھائی عزالدین کا بیان ہے کہ بیماری کے ایام میں بلاد مغرب سے ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں آپ کا علاج کروں گا اور دوا کی قیمت اس وقت لوں گا جب آپ کو مکمل فائدہ ہو جائے گا، ہم لوگ اس پر راضی ہو گئے چنانچہ اس نے ایک تیل تیار کر کے علاج شروع کیا، جب قدرے افاقہ ہوا اور ہاتھ پاؤں میں کچھ لچک اور نرمی ہو گئی اور وہ پھیلنے لگے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ " اسے کچھ معاوضہ دے کر

---

[1] ابن خلکان ج ۲ [2] البدایہ والنہایہ ج ۱۳ [3] ابن خلکان ج ۲ و طبقات الشافعیہ ج ۵

واپس کر دو"۔ میں نے عرض کیا کہ "جب علاج سے فائدہ ہو رہا ہے تو ایسا کیوں کیا جائے؟" اس بیماری کی وجہ سے مجھے بڑا آرام اور سکون ملا ہے، امراء و روسا کے یہاں آمد و رفت سے نجات مل گئی ہے، اس سے پہلے ان لوگوں کے یہاں حاضری دینی پڑتی تھی اور خودداری اور عزتِ نفس کے خلاف کام کرنا پڑتا تھا، مگر اب میں اپنے گھر میں راحت سے بیٹھا ہوں اور نفس کی ذلت و رسوائی سے چھٹکارا مل گیا ہے، حکام و امراء کو ضرورت ہوتی ہے، تو خود آکر مجھ سے صلاح و مشورہ کر جاتے ہیں، میرے اس آرام و سکون کا سبب یہی بیماری ہے، اس لئے اس کا ازالہ اور علاج کرانا پسند نہیں کرتا، اب عمر ہی کتنی باقی ہے، جو کچھ رہ گئی ہے، اسے تو آزادی اور اطمینان کے ساتھ بسر کرنے دو، مجھے اپنی ذلت و محکومی کا پورا پورا بدلہ اور فائدہ مل چکا ہے۔ ان کی اس تقریر کو سُن کر مجھے قائل ہو جانا پڑا اور میں نے ان کے علاج کا ارادہ ترک کر کے اور معالج کو صلہ دے کر واپس کر دیا۔[1]

وفات اسی معذوری اور خانہ نشینی کے زمانہ میں ۶۰۶ھ میں ذی الحجہ کی آخری تاریخ جمعرات کو موصل میں انتقال کیا اور اپنی رباط میں دفن کئے گئے۔[2]

تصنیفات علامہ ابن اثیر نے متعدد کتب و رسائل تالیف کئے، ان کی تمام تصنیفات، اسلوب بیان اور حسن تحریر کے لحاظ سے دلکش ہیں، بعض مورخین کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنی تمام کتابیں معذوری اور خانہ نشینی کے زمانہ میں تالیف کیں، اس زمانہ میں ان کو پوری یکسوئی حاصل تھی، اور طلبہ کا جم غفیر رہتا تھا۔ ان کو وہ املاء کرا دیتے تھے، اور طلبہ کتابوں کی مراجعت اور حوالوں کے نقل و اقتباس میں ان سے پورا تعاون کرتے تھے۔[3]

ابن اثیر کی کتابوں کے نام یہ ہیں :-

(۱) کتاب الاذواء والذوات۔ اس کا نام کتاب البنین والبنات والآباء والامہات والاذواء والذوات اور المرصع وغیرہ بھی ہے، فن رجال کی کتاب ہے اس میں ناموں کا ذکر اور تشریح ہے، جن کی جانب اب، ابن اور ذو وغیرہ منسوب ہیں، یہ کتاب ۱۸۹۶ء میں دیبا،

---

[1] تاریخ ابن خلکان ج ۲ [2] ایضاً و شذرات الذہب ج ۵ [3] ایضاً

سے مفصل فہرست کے ساتھ شائع ہوئی ہے، سیوطی نے اس کی تلخیص کی تھی۔[۱] (۲) کتاب الانصاف فی الجمع بین الکشاف ۔ یہ چار جلدوں میں کلام مجید کی ضخیم تفسیر ہے، اس میں ابو اسحٰق احمد بن ابراہیم ثعلبی (م ۴۲۷ھ) کی تفسیر الکشف والبیان اور ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر زمخشری م ۵۲۸ھ) کی الکشاف عن حقائق التنزیل کا ماحصل جمع کر دیا ہے۔[۲] (۳) کتاب الباہر فی الفروق فی النحو۔ یا الفروق والابنیہ ۔فن نحو میں ہے (۴) کتاب البدیع ۔ یہ بھی فن نحو میں ہے اور تہذیب فصول ابن الدھان یا شرح فصول ابن الدھان بھی اس کے نام ہیں، ابو محمد سعید بن مبارک نحوی نے ایک مختصر اور دوسری ضخیم اور مبسوط کتاب لکھی تھی، ابن اثیر نے ان کی تہذیب و تشریح کی ہے، یہ واقعی اسم با مسمی ہے، اور اس کی ترتیب و تبویب نہایت عمدہ اور عجیب ہے[۳] طاش کبری زادہ نے البدیع اور تہذیب فصول الدھان کو دو کتابیں بتایا ہے (مفتاح السعادہ) (۵) تحفۃ الرسائل ۔ یہ غالباً فکاہات اور ادبی ظرائف وغیرہ سے متعلق رسائل ہیں ۔ جو مختلف النوع اجتماعی و تاریخی فوائد و معلومات پر مشتمل ہیں، اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں ۲۵۲ صفحے کا ہے[۴] (۶) دیوان رسائل ۔ غالباً یہ اور تحفۃ الرسائل ایک ہی رسالہ ہے (۷) رسائل فی الحساب ۔ حساب و ریاضی میں رسالوں کا مجموعہ ہے (۸) کتاب الشافی شرح مسند الشافعی ۔ امام شافعی کی مسند کی حدیثوں کی شرح، ان کے معانی کی وضاحت، ان سے مستنبط ہونے والے احکام و مسائل اور لغوی تحقیق اور نحوی مباحث وغیرہ کا ذکر ہے اور تقریباً ایک سو کراسہ پر مشتمل ہے[۵] (۹) شرح غریب الطوال ۔ صرف ابن سبکی نے اس کا نام لکھا ہے (۱۰) کتاب صنعۃ الکتابۃ ۔ فن انشاء میں ہے (۱۱) کتاب المختار فی مناقب الاخیار ۔ یہ چار جلدوں میں ہے ۔ اور غالباً ابرار و اخیار کے مناقب و حالات پر مشتمل ہے (۱۲) کتاب المصطفٰے والمختار فی الادعیۃ والاذکار ۔ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ادعیہ

---

[۱] تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ج ۳ و معجم المطبوعات [۲] کشف الظنون و ابن خلکان ج ۲ [۳] کشف الظنون ج ۲ [۴] تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ج ۳ [۵] کشف الظنون ج ۲

Marfat.com

اذکار کا مجموعہ ہے، ممکن ہے اس میں وہ دعائیں اور کلماتِ اذکار ذکر کئے گئے ہوں جو حدیثوں میں وارد ہیں (۱۳) النہایہ فی غریب الحدیث والاثر۔ یہ غریب الحدیث میں مشہور اور بلند پایہ کتاب ہے، علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ اس فن کی مشہور و متداول اور عمدہ و جامع کتابوں میں النہایہ بھی ہے[1] طاش کبریٰ زادہ لکھتے ہیں کہ "اس موضوع پر ایسی عمدہ اور بے نظیر کتاب نہیں لکھی گئی"[2] اس میں متقدمین کی کتابوں کا ماحصل جمع کر کے اس پر مفید اضافہ کیا گیا ہے، خصوصاً ہروی اور ابوموسیٰ مدینی اصفہانی کی کتابوں سے جو اس فن کی امہات کتب میں ہیں، یہ ماخوذ و منقول ہے، ابن اثیر نے ان کتابوں کے حوالے بھی دیئے ہیں۔

"النہایہ" کو لغت کی کتابوں کے انداز پر حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق مرتب کیا گیا ہے اور اس میں حدیثوں کے مشکل اور غریب الفاظ کا ذکر کر کے ان کے معانی بیان کئے گئے ہیں اور ہر لفظ کی تشریح سے پہلے حدیث کا وہ ٹکڑا بھی نقل کیا گیا ہے، جس میں یہ لفظ آیا ہے لغات کی تحقیق و تشریح کے لئے دوسری حدیثوں سے نظائر اور ائمہ لغت اور شارحین حدیث کے بیانات بھی نقل کئے گئے ہیں۔

اس میں صرف صحاح کی حدیثوں ہی کے مشکل الفاظ کی تشریح نہیں کی گئی ہے، بلکہ سنن، جوامع، مسانید اور مصنفات وغیرہ کی حدیثوں کے غریب الفاظ بھی درج ہیں۔ شروع میں ایک مقدمہ ہے، اس میں الفاظ حدیث کی معرفت کی ضرورت، رسول اکرمؐ کی فصاحت و بلاغت، فتوحات کے بعد اہل عرب کے دوسری قوموں سے اختلاط کے نتیجہ میں غیر زبانوں کے الفاظ کے عربی زبان میں داخل ہونے اور اس فن کی مشہور اور اہم کتابوں کی خصوصیات وغیرہ کا ذکر ہے۔[3]

"النہایہ" ۱۲۶۹ھ میں طہران سے ایک ضخیم جلد میں چھپی تھی، ۱۳۰۸ھ میں قاہرہ سے چار جلدوں میں شائع ہوئی، اس ایڈیشن میں حاشیہ پر امام راغب اصفہانی کی مفردات اور الوائد

---

[1] تدریب الراوی [2] مفتاح السعادۃ ج ۱ [3] مقدمہ النہایہ۔

عسکری کی تصحیفات المحدثین بھی شامل تھیں۔ ۱۳۱۱ھ میں مصر کے مطبع عثمانیہ نے اس کو چار جلدوں میں عبد العزیز بن اسماعیل لہطاوی انصاری کی تصحیح کے بعد شائع کیا ہے۔ اس کے حاشیہ پر علامہ سیوطی کی تلخیص الدر النثیر بھی چھپی ہے اور ۱۳۲۲ھ میں مطبع خیریہ نے اس کو چار جلدوں میں شائع کیا ہے[1]۔ اس کی بعض تلخیصوں اور مختصر کے نام یہ ہیں:۔

(۱) محمود بن ابو بکر ارموی (م ۷۲۳ھ) اس نے اس کا ذیل لکھا جو دراصل النہایہ کا تکملہ ہے۔

(۲) جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے اس کی تلخیص کی، اس کا نام الدر النثیر ہے۔ یہ النہایہ کے حاشیہ پر مطبع عثمانیہ سے ۱۳۱۱ھ میں شائع ہو چکی ہے، اس میں اصل کے حشو و زوائد اس طرح حذف کئے گئے ہیں کہ کوئی بات چھوٹنے نہیں پائی ہے، علاوہ ازیں ابن اثیر نے جن باتوں کو نظر انداز کر دیا تھا اس میں ان کا اضافہ کر دیا گیا ہے (۳) علامہ سیوطی نے النہایہ کا ذیل بھی لکھا تھا (۴) عیسی بن محمد صفوی (م ۹۵۳ھ) نے مختصر لکھا تھا، جو اصل کتاب کے نصف حجم کے برابر ہے (۵) شیخ علی حسام الدین الہندی المعروف بالمتقی نے مختصر لکھا[2]

(۱۴) جامع الاصول فی احادیث الرسول۔ یہ علامہ ابن اثیر کی سب سے مشہور و مقبول کتاب ہے، اس میں انہوں نے حدیث کی چھ امہات کتب کی روائتوں کو جمع کیا ہے، اور یہ دس جزو پر مشتمل ہے۔ ان سے پہلے زرین بن معاویہ نے بھی اسی نوعیت کی کتاب مرتب کی تھی اور اس کو بڑی شہرت و مقبولیت بھی حاصل ہوئی تھی۔ ابن اثیر کی کتاب دراصل اس کا تکملہ ہے، علامہ ابن خلکان فرماتے ہیں "اس میں صحاح ستہ کی روایتوں کو جمع کیا گیا ہے، یہ اگرچہ زرین بن معاویہ کی کتاب کی طرح ہے، مگر اس میں بے شمار اضافے کئے گئے ہیں[3] خود ابن اثیر لکھتے ہیں:۔

"امام زرین کی کتاب بڑی جامع اور نہایت مفید ہے، کیونکہ انہوں نے اس میں امہات کتب یعنی صحاح ستہ کی روایات کو جمع کیا ہے، اس لئے مجھ کو اس سے بڑا اشتغال ہو گیا، تتبع سے معلوم ہوا کہ اس میں بعض حدیثیں ایسے ابواب میں ذکر کی گئی ہیں جن کو دوسرے

---

[1] معجم المطبوعات ج ۱ و اکتفار القنوع [2] کشف الظنون ج ۲ [3] ابن خلکان ج ۲

Marfat.com

ن ذکر کرنا زیادہ بہتر تھا، اور بعض حدیثوں کے نقل میں تکرار سے کام لیا گیا ہے۔ اور بعض کو سرے سے نقل ہی نہیں کیا گیا ہے علاوہ ازیں بعض ایسی حدیثیں بھی مجھ کو ملیں جو اصل مآخذ یعنی صحاح میں وجود نہیں ہیں۔ اس کی وجہ نسخوں کا فرق، حدیثوں کے طرق کا اختلاف اور مصنف کا اپنی کتاب کی ترتیب میں صحیح بخاری پر اعتماد ہے، ان ہی اسباب کی بنا پر مجھ کو رزین کی کتاب کی ترتیب وتہذیب اور اس میں صحاح کی ان روایتوں کا اضافہ کر دینے کا خیال ہوا جو اس میں شامل ہونے سے رہ گئی ہیں یہ اس لحاظ سے اس کی نوعیت گویا خود ایک مستقل کتاب کی ہو گئی ہے، اور گو رزین کو تقدم کا شرف ضرور حاصل ہے مگر ابن اثیر کی کتاب اس کے مقابلہ میں زیادہ جامع اور مستند ہے، چنانچہ صاحب تیسیر الوصول لکھتے ہیں :-

"میں قدیم وجدید ائمہ کی اکثر کتب حدیث سے واقف ہوں مگر مجھ کو جامع الاصول سے زیادہ جامع اور عمدہ کوئی کتاب نظر نہیں آئی، مصنف نے اس کو بڑی خوبی اور عمدہ ڈھنگ سے مرتب کیا ہے، اور یہ گوناگوں فوائد پر مشتمل ہے"[2]

جامع الاصول کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ یہ حدیث کی چھ مستند معتبر کتابوں کی جامع ہے یعنی موطا[3] امام مالک، صحیحین، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور سنن نسائی وغیرہ کی روایات واحادیث کا یہ مجموعہ ہے، اسی خصوصیت کی وجہ سے اس کو اسلامیات کی اہم اور حدیث کی بنیادی کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے، بعض علماء کا خیال ہے کہ اس طرز پر ایسی عمدہ کتاب نہ پہلے لکھی گئی ہے اور نہ آئندہ لکھی جائے گی[4]۔

ابن اثیر نے محض صحاح ستہ کی حدیثوں کو جمع کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ ان کی شرح بھی کی ہے، اور ان کے فنی مسائل ومشکلات سے اور ان سے متعلق مباحث کی جانب بھی اعتنا کیا ہے، اور حدیثوں سے مستنبط ہونے والے احکام بھی تحریر کئے۔

---

[1] کشف الظنون ج ۱ [2] مقدمہ تیسیر الوصول [3] ابن اثیر نے سنن ابن ماجہ کے بجائے موطا امام مالک کو صحاح میں شامل کیا ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں واثق مدہ یعنی صحیح قول ابن اثیر کا ہے، اس کے متعلق مفصل بحث اس کتاب کی پہلی جلد میں امام ابن ماجہ کے تذکرہ میں گزر چکی ہے [4] بستان المحدثین ص ۱۰

Marfat.com

شاہ عبدالعزیز صاحب تحریر فرماتے ہیں :۔

ابن اثیر نے جامع الاصول میں صحاح ستہ کی حدیثوں کو جمع کیا ہے، اور غریب الفاظ کی شرح اور مشکلات کو ضبط بھی کیا ہے، اور روایان حدیث کے ناموں اور دوسرے متعلقات فن کو بھی بیان کیا ہے، اس لحاظ سے یہ گویا صحاح ستہ کی شرح ہے، جس طرح کہ مشارق الانوار طبقہ اولیٰ کی تینوں کتابوں (موطا اور صحیحین) کی شرح ہے [1]

خود ابن اثیر فرماتے ہیں :۔

زرین کی کتاب کی تہذیب و ترتیب ابواب اور اس پر اضافے کے علاوہ اس میں غریب الفاظ کی شرح اور اعراب و معانی کی وضاحت بھی کی گئی ہے [2]

جامع الاصول مندرجہ ذیل تین حصوں میں ہے (۱) مبادی (۲) مقاصد (۳) خاتمہ۔

پہلے حصہ میں چار فصلیں اور ایک مقدمہ ہے، مقدمہ میں علم حدیث کے اصول و قواعد اور اصطلاحات وغیرہ کا ذکر ہے، اور فصلوں میں علم حدیث کی نشر و اشاعت اور جمع و تدوین، کتب حدیث کی تصنیف و تالیف کے اغراض و مقاصد، متاخرین کے متقدمین محدثین کی کتابوں کے خلاصے مرتب کرنے اور جامع الاصول کے مقصدِ تصنیف وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔

کتاب کی تبویب و ترتیب کے متعلق مصنف کا خود بیان ہے کہ :۔

"میں نے مسانید کے بجائے اس کو ابواب پر مرتب کیا ہے، اور ابواب معانی کے لحاظ سے قائم کئے گئے ہیں، پس جو حدیث کسی ایک ہی معنی پر دلالت کرتی ہے اس کو میں نے اسی کے باب میں شامل کیا ہے لیکن اگر حدیث گوناگوں معانی پر مشتمل ہے تو اس کو میں نے آخر میں ایک مستقل کتاب کے اندر ذکر کیا ہے، اور اس کا نام کتاب اللواحق رکھا ہے، میں نے جملہ کتب کو ابواب فصول میں احادیث کے معانی کے اختلاف کے اعتبار سے تقسیم کر دیا ہے، اور چونکہ کتب کی تعداد زیادہ ہے، اس لئے ان کو میں نے حروف پر مرتب کیا ہے، چنانچہ کتاب الایمان والاسلام

[1] عجالہ نافعہ مع فوائد [2] کشف الظنون ج ۱

اور کتاب الایلا کو الف کے بیان میں رکھا ہے، حرفوں کے آخر کے لحاظ سے ایک ایسی فصل قائم کی گئی ہے جس سے کتاب کے ابواب کے مواضع و مقامات پر استدلال کیا جا سکتا ہے، ہر اثر و حدیث کے راوی کا نام بھی کتاب کے حاشیہ پر حدیث کے مقابل میں اس کے شروع ہی میں دیدیا ہے۔ پھر ائمہ صحاح میں سے جس نے اس روایت کی تخریج کی ہے، اس کے نام کو ظاہر کرنے والی علامت بھی دے دی ہے، متن کے محتاج تشریح الفاظ و کلمات کو حاشیہ پر ذکر کر کے ان کی تشریح کر دی ہے، میں نے حدیثوں کی سندوں کو حذف کر دیا ہے، اور محض صحابی کے نام لکھے ہیں، اور آثار کے سلسلہ میں اس شخص کا نام ذکر کیا ہے، جس نے صحابی سے اس کی روایت کی ہے۔ ہر کتاب کے آخر میں ایک علیحدہ باب کے اندر مذکورین کے ناموں کو حروف تہجی کے مطابق جمع کیا گیا ہے۔ رہا متن تو اس میں صرف حدیث یا اثر ہی کو درج کیا گیا ہے، تابعین اور ائمہ کے اقوال شاذ و نادر ہی نقل کئے گئے ہیں البتہ امام رزین نے اپنی کتاب میں امام مالک کی فقہ کا ذکر کیا ہے [1] جامع الاصول کی اہمیت کی وجہ سے اس کے کئی مختصرات لکھے گئے ہیں، ان کے نام یہ ہیں:۔

(۱) ابوجعفر محمد مروزی استرآبادی نے ۶۸۲ھ میں جامع الاصول کو مختصر کیا تھا اس وقت ان کی عمر ۶۹ سال تھی، اس کی ترتیب اصل کتاب ہی کے نہج کے مطابق ہے۔ (۲) شریف الدین ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن عبدالرحیم بارزی حموی شافعی (م ۷۳۰ھ) کا مختصر جو تجرید جامع الاصول کے نام سے موسوم ہے، مصنف نے اس میں غریب کی شرح، اعراب کی وضاحت اور تکرار وغیرہ کو حذف کر دیا ہے۔ یہ ربع کتاب کے بقدر ہوگی اور حسن اختصار اور قابل استناد ہونے کی وجہ سے طلبۂ فن میں متداول ہے۔ (۳) شیخ صلاح الدین خلیل بن کیکلدی علائی دمشقی (م ۷۶۱ھ) کا مختصر جو تہذیب الاصول کے نام سے مشہور ہے۔ (۴) شیخ عبدالرحمن بن علی الشہیر بابن الربیع الشیبانی (م ۹۴۴ھ) نے تیسیر الوصول الی جامع الاصول کے نام سے اس کا مختصر لکھا۔ یہ مختصر ہونے کے باوجود نہایت عمدہ ہے۔ مصنف کا خود بیان ہے کہ یہ اصل کے ثلث کے بقدر ہے۔ اور اختصار کے ساتھ

---

[1] کشف الظنون ج ۱۔

ساتھ حسن بیان اور لطف عبارت کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ مصنف نے جن مباحث کو مفصل اور زیادہ شرح وبسط کے ساتھ لکھا تھا، ان کا یہں نے خلاصہ بیان کر دیا ہے۔" اس کی تالیف سے ۹۱۶ میں فراغت ہوئی۔ یہ دو جلدوں میں ہے، اور اس کو حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق مرتب کیا گیا ہے۔ کلکتہ سے ۱۲۵۲ھ میں چھپی تھی، لکھنؤ کے مطبع منشی نولکشور سے بھی یہ کئی دفعہ چھپی ہے اور ۱۸۹۶ء میں مطبع نولکشور کانپور نے اس کو شائع کیا تھا، نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم لکھتے ہیں

"غرض یہ مختصر تعریف وتوصیف سے مستغنی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ اس کی شرح فارسی زبان میں لکھوں تاکہ اس بہانہ سے پروانۂ نجات حاصل کروں اور اللہ کے ہاتھ ہی توفیق ہے"[۱]

لیکن غالباً نواب صاحب کو اس کی شرح لکھنے کا موقع نہیں ملا۔

(۵، ۶) شیخ احمد بن رزق اللہ انصاری حنفی اور علامہ محمد بن طاہر پٹنی نے بھی اس کے مختصر لکھے تھے۔ (۷) شیخ مجد الدین ابوطاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) نے اس کے زوائد مرتب کئے۔ اس کا نام تسہیل طریق الوصول الی الاحادیث الزائدۃ علی جامع الاصول، اس کو ناصر بن اشرف صاحب یمن کے لئے تالیف کیا تھا۔ (۸) جامع الاصول کے غریب کے متعلق ایک کتاب محب الدین احمد بن عبداللہ طبری (م ۶۹۴ھ) نے لکھا تھا[۲]

---

[۱] اتحاف النبلا [۲] کشف الظنون ج ۱ والرسالۃ المستطرفہ

ضیاء مقدسیؒ

(م ۶۴۳ھ)

نام ونسب محمد نام، ابوعبداللہ کنیت اور ضیاء الدین لقب تھا، نسب نامہ یہ ہے:۔ محمد بن عبدالواحد بن احمد بن عبدالرحمن بن اسماعیل بن منصور۔[1]

ولادت ووطن ۵ جمادی الاخری ۵۶۹ھ کو بیت المقدس میں پیدا ہوئے، اسی لئے مقدسی کہلاتے تھے۔ وہ سعدی اور صالحی کی نسبتوں سے بھی مشہور ہیں، مگر اس کی تحقیق نہیں ہو سکی کہ یہ قبائل واشخاص کی جانب نسبتیں ہیں یا مقامات کی طرف۔[2]

اساتذہ شیوخ کے نام یہ ہیں:۔

ابن الاخضر، ابن جوزی، ابن سکینہ، ابو جعفر صیدلانی، ابوالقاسم بوصیری، ابوالمجد البانی، ابوالمظفر سمعانی، ابوالمعالی بن صابر، احمد بن موازینی، عبدالباقی بن عثمان، حافظ عبدالغنی، عبدالمعز بن محمد بزار، عمر بن علی جوینی، فاطمہ بنت سعد الخیر، مبارک بن معطوس، مؤید طوسی، یحییٰ ثقفی۔

حافظ عبدالغنی کے خاص شاگرد تھے، اور حافظ سلفی، شہدہ اور ابن بری وغیرہ نے ان کو روایت کی اجازت دی تھی۔[3]

تلامذہ ابن نجار، ابن نقطہ، شرف بن نابلسی، عمر بن حاجب اور فخر بخاری وغیرہ ان کے تلامذہ میں تھے۔[4]

---

[1] شذرات الذہب ج ۵ [illegible] [2] ایضاً [3] ایضاً [illegible] ج ۵ [illegible] ج ۴ [illegible]

رحلت وسفر بغداد، دمشق، مصر، ہمدان، اصبہان، مرو، حلب، حران، موصل اور مکہ معظمہ وغیرہ کا سفر کیا، اور ان جگہوں کے علماء و اصحاب کمال سے استفادہ کیا، اصبہان دو دفعہ گئے، اور وہاں کے علماء سے فیض یاب ہوئے، بے شمار اہم کتابیں نقل کیں، اور گوناگوں اصول و فوائد کی تحصیل

علم وفن سے اشتغال ضیاء مقدسی کو علم وفن سے غیر معمولی اشتغال تھا، ابن نجار کا بیان ہے میں نے طلب و تحصیل علم کا ان سے زیادہ شوقین کسی کو نہیں پایا۔ ابن رجب فرماتے ہیں کہ انہوں نے پانچ سو سے زیادہ شیوخ کی کتابیں نقل کیں، علم وفن سے غیر معمولی انہماک کی بناء پر انہوں نے کتب خانہ اور ایک مدرسہ قائم کیا تھا، اس کا ذکر آگے آئے گا[2]

حفظ وضبط ان کے حافظ و ضابط اور ثقہ و ثابت ہونے پر علمائے فن کا اتفاق ہے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ محدثین نے ان کے حافظہ کی تعریف کی ہے، اور زکی برزالی نے ان کو ثقہ، ابن نجار نے متقن، ثابت، ثقہ، حجت، صدوق اور نبیل کہا ہے، ان کے شاگرد عمر بن حاجب کا بیان ہے کہ وہ حفظ و ثقاہت میں یکتائے روزگار تھے[3]

حدیث میں درجہ ضیاء مقدسی کا پایہ حدیث میں اس قدر بلند تھا کہ محدث الشام اور شیخ السنہ کہلاتے تھے، ابن عماد لکھتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کے صاحب کمال محدثین اور ائمہ فن میں تھے، متعدد مجموعے اور تخریجات ان سے یادگار ہیں، شریف ابوالعباس حسینی فرماتے ہیں کہ وہ عرصہ دراز تک حدیث کے درس و تدریس کی مسند پر متمکن رہے، اور بے شمار حدیثیں روایت کیں، عمر بن حاجب کہتے ہیں کہ ہمارے استاد ابوعبداللہ شیخ وقت اور حدیث سے واقفیت میں یکتائے روزگار تھے۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ انہوں نے روایت حدیث میں غیر معمولی طلب و تحری سے کام لیا۔ مزی کا بیان ہے وہ حافظ عبدالغنی سے حدیث و رجال کے بڑے عالم تھے اور ان کے زمانہ میں ان کے مثل کوئی نہ تھا

جرح وتعدیل حدیث میں مہارت اور بلند پائیگی کا ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ جرح و تعدیل کے امام فن رجال کے ماہر اور احادیث کے علل و اسقام اور صحیح و غلط روایات میں نقد و امتیاز کی پوری

---

[1] شذرات الذہب ج ۵ و تذکرۃ الحفاظ ج ۴ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً

Marfat.com

صلاحیت رکھتے تھے، ابن نجار کا بیان ہے کہ وہ حدیث وفن رجال کے عالم اور رواۃ کے حالات سے باخبر تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ضیاء مقدسی جرح وتعدیل کے امام اور اس فن کے مرکز ومرجع تھے؛ صاحبِ شذرات لکھتے کہ وہ فن جرح وتعدیل کے ممتاز عالم، رواۃ ورجال کے احوال کے واقف کار اور روایات واحادیث کے مبصر تھے۔[1]

فقہ وعلوم قرآن | فقہ اور قرآنی علوم کا ذوق بھی تھا۔ اہل سیر نے ان کو فقیہہ ومجتہد لکھا ہے۔ قرآنیات میں انہوں نے بعض کتابیں بھی لکھیں۔

فضل وکمال | ضیاء مقدسی علم وفضل میں نہایت ممتاز تھے؛ تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ وہ یگانۂ وقت اور ہمعصروں میں فائق وبرتر تھے، عمر بن حاجب ان کے علمی کمالات بیان کرکے لکھتے ہیں کہ میں ان جیسے بلند پایہ شخص کے کمالات کرنے سے قاصر ہوں؛ شرف بن نابلسی کہتے ہیں کہ ہمارے استاد ضیاء کے مانند کوئی شخص صاحب فضل وکمال نہ تھا، صاحب شذرات کا بیان ہے کہ وہ یکتائے روزگار تھے، ان کی شہرت محتاج بیان نہیں۔[2]

زہد وورع | زہد وورع، تدین وتقویٰ اور عبادت وریاضت میں بھی ممتاز تھے، مؤرخین اور علمائے رجال نے ان کے زہد واتقاء تدین وانقطاع الی اللہ کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ ان علمائے ربانیین میں تھے جو ذکر وعبادت میں اکثر مشغول رہتے تھے۔ زکی برزالی کا بیان ہے کہ وہ متدین تھے، ابن حاجب فرماتے ہیں کہ وہ ورع وتقویٰ میں یکتائے روزگار تھے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ وہ زہد وعبادت، ورع وتقویٰ اور خیرخیرات میں بہت پیش پیش رہتے تھے۔ ابن نجار کا بیان ہے کہ وہ صاحب ورع وتقویٰ، زاہد، عابد، اکل حلال میں محتاط اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے، میری آنکھوں نے عفت، نزاہت اور پاکبازی میں ان کے جیسا آدمی نہیں دیکھا۔[3]

سیرت واخلاق | ان کی طبیعت میں بڑی سادگی اور بے تکلفی تھی، اور وہ نہایت متواضع اور خلیق تھے، ابن نجار کا بیان ہے کہ وہ حسن سیرت میں ممتاز اور بے نظیر تھے۔[4]

لے تذکرہ ج ۴ و شذرات [illegible]

مدرسہ کا قیام دمشق میں انہوں نے جامع منظفری کے اندر دارالحدیث کے نام سے ایک مدرسہ کی داغ بیل ڈالی، ایک روایت کے مطابق یہ مدرسہ تنہا ان کی محنت وکوشش سے چلتا تھا، اور دوسروں سے اس کے لئے امداد نہیں لیتے تھے، انہوں نے اپنے کتب خانہ کی کتابیں اس پر وقف کر دی تھیں، یہ مدرسہ حدیث کی تعلیم کے لئے قائم کیا گیا تھا اور محتاج و مزدور تمند طلبہ اور دور دراز سے آنے والے اس میں تعلیم حاصل کرتے تھے، ان کے بعد بھی یہ قائم رہا، ا بعض لوگوں نے اس کے لئے اپنی جائیدادیں وقف کر دی تھیں۔[1]

فقہی مسلک حافظ ابن رجب نے طبقاتِ حنابلہ میں ذکر کیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حنبلی المذہب تھے۔

وفات ۸۰ سال کی عمر میں دوشنبہ ۱۸ رجمادی الآخری ۶۴۳ھ کو انتقال کیا، اور جبل قاسیون کے اندر دفن کئے گئے۔[2]

تصنیفات ضیاء مقدسی جلیل القدر مصنف تھے، انہوں نے متعدد مفید، عمدہ اور بلند پایہ کتابیں لکھیں، جو ان کے وسعتِ علم و نظر اور علوم حدیث میں تبحر کی دلیل ہیں، جن کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں وہ یہ ہیں:-

(۱) کتاب الاحکام۔ تین جلدوں میں ہے مگر ناتمام ہے (۲) الحکایات المستطرفہ کئی جزوں میں ہے (۳) الرواۃ عن البخاری ایک جز میں ہے (۴) الطب والرقیات کئی جزوں میں ہے (۵) افراد الصحیح ایک جز میں ہے (۶) الموافقات کئی جزوں میں ہے (۷) النہی عن سب الصحابہ (۸) الہجرۃ الی ارض الحبشہ ایک جز میں ہے (۹) دلائل النبوۃ الالہیات۔ تین جزوں پر مشتمل ہے (۱۰) ذم المسکر۔ ایک جز میں ہے (۱۱) سیر المقادستہ۔ چند جلدوں میں ہے، صاحبِ شذرات نے غالباً اسی کتاب کا نام سبب ہجرۃ المقادستہ الی دمشق وکرامات مشائخہم لکھا ہے اور تصریح کی ہے کہ تقریباً دس جزوں میں ہے، اس میں وہاں کے اکابر علماء کے حالات وتراجم درج ہیں

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۳ وشذرات الذہب ج ۵ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ وشذرات الذہب ج ۵

Marfat.com

(۱۲) شفاء العلیل - ایک جز (۱۳) صفۃ الجنۃ - تین جزوں میں (۱۴) صفۃ النار - دو جزوں میں - (۱۵) غرائب الحدیث - نو جزوں میں (۱۶) فضائل الاعمال - ایک جلد اور چار جزوں میں ہے، اس میں احادیث کی سندیں حذف کرکے ان کے لئے ائمہ کی کتابوں کا حوالہ دے دیا ہے (۱۷) فضائل الشام - تین جزوں میں ہے (۱۸) فضائل القرآن - ابن عماد نے غالباً اسی کا نام فضائل القرآۃ لکھا ہے (۱۹) قصہ موسیٰ - ایک جز (۲۰) کلام الاموات - ایک جز (۲۱) مناقب اصحاب الحدیث[1] - چار جزوں میں ہے (۲۲) المختارہ فی الحدیث - اصل نام احادیث الجیاد المختارۃ مما لیس فی الصحیحین او احدہما ہے - یہ بڑی ضخیم کتاب اور تقریباً نوے اجزاء پر مشتمل ہے، مگر مصنف اس کی تکمیل نہیں کرسکے تھے - یہ صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان اور صحیح مستدرک کی طرح کی کتاب اور صحیح حدیثوں پر مشتمل ہے جو صحیحین میں درج نہیں ہیں، صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں اس میں صحت کا التزام اور ان صحیح روایتوں کو نقل کیا گیا ہے جن کی پہلے تصحیح نہیں کی گئی تھی، شاہ عبدالحق صاحب کا بیان ہے کہ ائمہ صحاح کے علاوہ دوسرے علماء نے بھی صحیح حدیثوں کے مجموعے مرتب کئے، ضیاء مقدسی کی المختارہ اسی نوعیت کی کتاب ہے اس میں ان حدیثوں کی تخریج کی گئی ہے جو صحیحین میں نہیں ہیں۔

اس کی ترتیب ابواب کے بجائے حروف معجم کے مطابق مسانید پر کی گئی ہے۔

گو ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم کی کتابوں جیسی شہرت المختارہ کو حاصل نہیں ہوئی مگر اس کا نام ان کتابوں کے ساتھ ہی لیا جاتا ہے، بعض علماء کے نزدیک یہ مستدرک سے زیادہ اہم اور بلند پایہ ہے، حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ عمدہ علوم اور حدیثی فوائد پر مشتمل ہے اور مستدرک حاکم سے بھی بڑھ کر ہے، ہمارے بعض مشائخ اس کو اس پر ترجیح دیتے ہیں، کاش یہ مکمل ہوگئی ہوتی۔

حافظ ابن تیمیہ اور علامہ زرکشی سے منقول ہے کہ ضیاء مقدسی کی تصحیح حاکم کی تصحیح سے

---

[1] شذرات الذہب ج ۵ و بعض کتابوں کا اتحاف النبلاء، اسلام اور کشف الظنون میں ذکر ہے

عمدہ واعلیٰ اور ترمذی وابن حبان کی تصحیح کے قریب ہے۔

علامہ ابن عبدالہادی سے بھی اسی طرح کا بیان منقول ہے، نیز وہ فرماتے ہیں کہ" المختارہ میں بے شمار ایسی حدیثیں ہیں، جن کا کذب وموضوع ہونا ظاہر ہے، اس لئے اس کا درجہ دوسری کتابوں سے کمتر ہے" صحت کے التزام کے باوجود بھی اس میں ضعیف اور کم درجہ کی حدیثیں شامل ہوگئی ہیں، لیکن ان کی تعداد کم ہے، صاحب الرسالۃ المستطرفہ لکھتے ہیں:۔

" اس کی اکثر روایتیں مسلم ہیں اور بہت کم حدیثوں پر تعقب کیا گیا ہے" متاخرین علماء نے اس کی حدیثوں پر بغیر نقد وتحقیق کے کوئی حکم لگانے سے روکا ہے، علامہ سخاوی فرماتے ہیں " اس میں صحیح حسن، بلکہ ضعیف حدیثیں بھی ہیں، اس لئے اس کی حدیث پر حکم لگانے میں احتیاط کرنی چاہیئے"

المختارہ کا قلمی نسخہ ابن کثیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا جرمنی کے کتب خانہ میں موجود ہے [1]

---

[1] کشف الظنون ج ۲، البدایہ ج ۱۳، الرسالۃ المستطرفہ، فتح المغیث، مقدمہ تحفۃ الاحوذی

Marfat.com

امام نوویؒ

(متوفی سنہ ۶۷۶ھ)

نام و نسب یحییٰ نام، ابوزکریا کنیت اور لقب محی الدین تھا۔ ان کا نسب نامہ یہ ہے: یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن جمعہ بن حزام[1]

ولادت و وطن وہ محرم ۶۳۱ھ میں نوا میں پیدا ہوئے۔ یہ ملک شام میں حوران کا ایک گاؤں تھا، اسی نسبت سے وہ نواوی اور نووی مشہور ہیں، اور حوران کے تعلق سے حورانی کہلاتے ہیں۔ حزامی ان کے جد اعلیٰ حزام کی جانب نسبت ہے[2]

اساتذہ امام نووی نے جن ارباب کمال سے مختلف علوم کی تحصیل کی تھی ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:-

ابن مالک، ابو اسحاق ابراہیم بن عیسیٰ مرادی، شیخ ابن منذری، تقی الدین بن ابی الیسر، جمال الدین بن صیرفی، رضی بن زین الدین خلف بن یوسف، زین الدین بن عبدالدائم، شمس الدین بن ابی عمر، شمس الدین عبدالرحمٰن بن نوح، عبدالعزیز بن محمد انصاری حموی، عبدالغنی علاء الدین، عز الدین بن خالد، عز الدین عمر بن سعد اربلی، عماد الدین بن عبدالکریم الحرستانی، شیخ کمال بن احمد، قاضی تفلیسی [illegible]

تلامذہ ان سے سماع اور تخریج کرنے والے کچھ مشہور لوگوں کے نام یہ ہیں:-

ابن ابی الفتح، شیخ ابوالحجاج مزی، شہاب الدین احمد بن جوان، خطیب صدر سلیمان

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۲۷۸ [2] ایضاً و تذکرہ ج ۴ ص ۲۵۰ اتحاف النبلاء المتقین [illegible] تذکرۃ الحفاظ ج ۴

جعفری، شمس الدین ابن نقیب، شہاب الدین اربدی، علاء الدین بن عطار، شیخ مبارک نامک جبریل کردی، قاضی محیی الدین مزرعی[1]

سیر و سیاحت امام نووی پہلے ۶۴۹ھ میں دمشق تشریف لے گئے اور رواجیہ میں قیام کرکے باقاعدہ علم وفن کی تحصیل شروع کی، دو سال بعد وہ اپنے والد کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے اور ڈیڑھ ماہ تک مدینہ کے فضلاء سے استفادہ کرتے رہے، پھر وہ وہاں سے واپسی کے بعد اپنے وطن میں پورے انہماک کے ساتھ تعلیم میں مشغول ہو گئے، آخر میں بیت المقدس کی زیارت کی ہے

حفظ و ضبط ائمہ فن اور تذکرہ نگاروں نے ان کے حفظ و ضبط اور عدالت و ثقاہت کا اعتراف کیا ہے اور ان کو متقن، حجت اور ثقہ و ثابت لکھا ہے۔

حدیث میں بلند پائیگی امام نووی کو علم حدیث اور اس کے متعلقات سے غیر معمولی شغف تھا، اور وہ اکابر محدثین اور ممتاز شراحِ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں، علمائے طبقات و تراجم نے ان کو حدیث میں ماہرفن اور امام وغیرہ بتایا ہے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ" وہ حدیث و فنون حدیث کے حافظ و متبحر عالم، رجال و اسناد اور صحیح و سقیم حدیثوں کی پرکھ کے ماہر تھے، یافعی نے انہیں حدیث میں وسیع النظر اور کثیر المعرفت لکھا ہے، حدیث میں ان کی بلند پائیگی اور عظمت کی بناء پر ان کو حافظ ابو شامہ جیسے جلیل القدر محدث کا جانشین مقرر کیا گیا اور ان کی وفات کے بعد دار الحدیث دمشق کی تولیت و صدارت کے منصب پر فائز کیا گیا۔ اس ذمہ داری کو وہ عمر بھر انجام دیتے رہے[2]

فقہ و افتا حدیث ہی کی طرح فقہ و افتاء میں بھی ممتاز تھے، اور اس میں ان کی معلومات وسیع اور نظر گہری تھی، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کے اکابر فقہاء اور شوافع کے شیوخ میں تھے، یافعی کا بیان ہے کہ ان کو فقہ کی معرفت میں امتیاز حاصل تھا، اور وہ معتمد اور لائق اعتبار مفتی تھے۔ ابن ناصر الدین نے ان کو فقیہ الامت کہا ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ" امام شافعی

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ [2] ایضاً [3] ایضاً و مرآۃ الجنان۔

کے مذہب کی انہوں نے گوناگوں خدمات انجام دی ہیں، اس کی تحقیق و تصحیح، ضبط و تنقیح، تحریر و تدوین اور ترتیب و تہذیب میں ان کا بڑا حصہ رہا ہے۔ اور اس مذہب کے وہ چوٹی کے علماء میں تھے، رافعی کے بعد اس مذہب میں ان سے زیادہ صاحب کمال اور ممتاز شخص کوئی نہیں گزرا۔"

امام نووی شافعی المذہب ہونے کے باوجود درجۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ اور بعض مسائل میں ان کے اقوال اپنے مذہب کے علماء سے مختلف ہوتے تھے۔ جن مسائل میں انہوں نے رافعی سے اختلاف کیا ہے، ان میں سے اکثر میں ابن سبکی اور یافعی نے ان کو مصیب بتایا ہے۔[۱]

قرآنیات بچپن ہی سے ان کو کتاب الٰہی سے خاص انس تھا اور انہوں نے اسے زبانی یاد کر لیا تھا، ہر وقت اس کی تلاوت کرتے اور دنیوی کاموں میں مشغولیت کے وقت بھی قرآن مجید زبانی پڑھا کرتے تھے۔ قرأت و تجوید اور علم تفسیر کی مشاہیر فضلاء سے تحصیل کی تھی۔[۲]

لغت، عربیت اور نحو و صرف گو امام نووی کی اصل توجہ حدیث و فقہ اور ان سے متعلقہ علوم کی جانب مرکوز رہی، لیکن لغت و عربیت، نحو و صرف اور منطق و فلسفہ وغیرہ سے بھی اشتغال رکھتے تھے، اور ان فنون کے ماہرین سے ان کی تحصیل کی تھی۔

جامعیت اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جامع کمالات اور متعدد علوم پر دسترس رکھتے تھے۔ فخر حنبلی کا بیان ہے کہ وہ تمام علوم میں پختہ تھے، یافعی کا بیان ہے کہ فقہ، حدیث کے علاوہ دیگر فنون کے بھی وہ ماہر و واقف تھے۔[۳]

انہماک فی العلم وہ شب و روز علم کی تحصیل اور درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور اشاعت علم و فن میں مشغول رہتے، ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرتے۔ راستہ چلتے وقت بھی پڑھنے کا سلسلہ موقوف نہ کرتے۔ مدتوں اس حال میں گزارا کہ پہلو زمین پر رکھ کر اطمینان و چین سے سونا نصیب نہ ہوا۔ بچپن میں بھی ان کو لکھنے پڑھنے کی دھن کے سوا اور کسی چیز سے کوئی رغبت نہ تھی

[illegible]

Marfat.com

اُن کے ہم سن لڑکے ان کو کھیلنے کے لئے مجبور کرتے تو وہ بھاگنے کی کوشش کرتے اور اگر مجبوراً اُن کے ساتھ رہنا پڑتا تو قرآن مجید زبانی پڑھا کرتے، ایک دفعہ ان کے والد نے انہیں ایک دوکان پر ملازم کرا دیا۔ مگر بیع و شرا کی مشغولیت کے باوجود ان کے علمی ذوق و شوق میں کمی نہیں آئی، ان کے اسی شوق اور دلچسپی کی وجہ سے یاسین بن یوسف زرکشی نے بچپن ہی میں ان کے متعلق یہ پیشین گوئی کر دی تھی کہ آئندہ یہ بچہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم و زاہد ہو گا، اور لوگوں کو اس سے بڑا فیض پہنچے گا۔ ان کے علمی انہماک کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امام نووی روزانہ بارہ فنون کا سبق لیتے تھے، پہلا سبق حدیث کی شرح و تحقیق کا ہوتا اور بقیہ اسباق کی تفصیل یہ ہے:-

دو[۳] سبق کتاب الوسیط کا، ایک[۴] سبق مہذب کا، ایک[۵] الجمع بین الصحیحین کا چھٹا[۶] سبق صحیح مسلم کا ساتواں ابن جنی کی کتاب اللمع کا آٹھواں ابن السکیت کی اصلاح المنطق کا نواں[۹] صرف کا دسواں اصول فقہ کا گیارہواں[۱۱] اسماء الرجال کا اور بارہواں[۱۲] اصولِ دین کا ہوتا تھا۔

اسباق اس شوق و محبت سے پڑھاتے کہ کسی قسم کا کوئی اشکال باقی نہیں رہ جاتا تھا۔

اس سے ان کی غیر معمولی ذہانت و فطانت کا بھی پتہ چلتا ہے، ان کے کثرت اشتغال اور ذہانت و فطانت ہی کی وجہ سے ان کے کاموں میں بڑی برکت ہوئی۔ اور ۴۵ سال کی مختصر عمر میں انہوں نے متنوع علمی کمالات اور گوناگوں اہم خدمات انجام دیئے، ساڑھے چار مہینہ کے اندر شافعی مذہب کی اہم اور جامع کتاب التنبیہ کو نہ صرف ختم کر دیا بلکہ زبانی یاد بھی کر ڈالا۔[۱]

درس و تدریس انہوں نے مختلف مدارس میں درس و تدریس کے فرائض بھی انجام دیئے اور دار الحدیث اشرفیہ کے منصب صدارت پر بھی فائز رہے، اسی طرح مدرسہ اقبالیہ میں ابن خلکان کے جانشین مقرر کئے گئے اور ان کی وفات کے بعد درس و تدریس کی خدمت انجام دی۔

زہد و اتقا امام نووی بڑے متدین اور عابد و زاہد شخص تھے، برابر عبادت، ذکر الٰہی اور درود و وظائف میں مشغول رہتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ تصنیف و تالیف

---

[۱] تذکرہ ج ۴، مرآۃ الجنان ج ۴، طبقات الشافعیہ ج ۵، شذرات الذہب ج ۵، البدایہ والنہایہ ج ۱۳

Marfat.com

ساتھ ساتھ انھوں نے مجاہدہ وتزکیہ نفس، مراقبہ وتصفیہ باطن، تقویٰ، طہارت اور معمولی اور جزوی باتوں میں احتیاط کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا، اور اپنی خواہشات نفس کو یکسر پامال کر دیا تھا، یافعی کا بیان ہے کہ وہ عابد وزاہد، متورع، باعمل شب بیدار، حامی دین اور ناصر سنت تھے، عبادت واطاعت، تلاوت قرآن اور تصنیف وتالیف میں ان کا تمام وقت بسر ہوتا، دنیا اور اس کے تعیشات سے بالکل دست کش رہتے اور تمام تر توجہ دین بنانے اور سنوارنے پر مرکوز رکھتے تھے، زہد وقناعت، اتباعِ سنت، اقتداء، سلف، نیکی وصلاح اور خیر خیرات کے کاموں میں لگے رہنا ان کی زندگی کا دستور تھا۔ ورع وتقویٰ میں بے مثال تھے، راتیں عبادت میں گزرتیں اور اس قدر روتے کہ داڑھی اور چہرہ تربتر ہو جاتا۔ ان کی طرح کسی شخص کو زہد وعبادت، حزم واحتیاط اور لوگوں سے حذر واجتناب پر قابو نہیں ہو سکتا۔ فخر حنبلی کا بیان ہے کہ وہ بڑے متقی اور پرہیزگار تھے، اکثر روزے رکھتے اور دو بار حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، اسی دینی جذبہ اور تورع کی وجہ سے انھوں نے اپنی زندگی اسلامی علوم خصوصاً حدیث و سنت کی خدمت واشاعت میں گزاری اور ان کی اصل دلچسپی کا مرکز فقہ وحدیث تھا۔ دوسرے علوم سے عدم رغبت درکنار ایک گونہ انقباض ہوتا تھا، جیسا کہ وہ خود بیان کرتے ہیں۔

"ایک دفعہ مجھ کو طب پڑھنے کا خیال ہوا اس لئے میں نے شیخ کی قانون خریدی مگر میرے دل پر ایسی ظلمت چھائی اور میرا ایسا حال ہوا کہ مجھ کو اس سے کسی قسم کا اشتغال ہی نہ ہو سکا میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا سبب میرا طب کی جانب اعتنا ہے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے کتاب قانون فروخت کر دی، اور پھر میرا قلب منور ہو گیا۔"[1]

سادگی وقناعت زہد واتقاء کی بناء پر وہ نہایت صبر وقناعت کی زندگی گزارنے کے عادی ہو گئے تھے، کھانے پینے، رہنے سہنے، لباس اور پوشاک ہر چیز میں سادگی پسند کرتے تھے، تکلف، آرائش اور دنیاوی تعیشات سے ان کو سخت نفرت تھی، حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۴، مرآۃ الجنان ج ۴۔

"وہ بڑی عسرت و مشقت کی زندگی گزارتے اور بالکل موٹا جھوٹا کھاتے پہنتے۔ مجھے ان کی پوشاک کورا لٹھا اور چھوٹا سا شیخانیہ عمامہ تھا۔"

ابن عماد کا بیان ہے کہ وہ نہایت قانع اور تھوڑے پر گزر اوقات کرنے والے تھے۔ اللہ کا دیا جو کچھ پیسہ آجاتا اسی پر راضی رہتے، معمولی لباس، موٹا جھوٹا کھانا اور مختصر ساز و سامان پر اکتفا کر لیتے تھے۔ قطب الدین یونینی فرماتے ہیں کہ تقلیل قناعت اور عسرت و تنگی میں ان کی مثال کوئی نہ تھی۔

کم خوری کے اس قدر عادی تھے کہ اکثر روزے رکھتے اور شب و روز میں صرف ایک دفعہ عشاء بعد کھانا کھاتے اور سحر کے وقت پانی پیتے، کبھی ان کے کھانے میں دو قسم کا سالن نہیں ہوتا تھا پھل اور میوہ جات اہل دمشق کی مرغوب غذا تھی، مگر بعض قباحتوں کی وجہ سے وہ تورعاً ان کا استعمال پسند نہیں کرتے تھے۔ دار الحدیث کے منصب صدارت پر فائز ہونے کے باوجود اس کے معاوضہ میں ایک حبہ بھی نہیں لیا بلکہ ان کے والد جو روٹی اور انجیر وغیرہ بھیج دیتے اسی پر قناعت کرتے تھے۔ فخر حنبلی کا بیان ہے کہ مرغوب اور لذیذ کھانا چھوڑ کر محض اپنے والد کی بھیجی ہوئی روٹی اور انجیر کھاتے تھے، کسی کا ایک درہم بھی قبول نہ کرتے۔ معمولی اور پیوند لگے کپڑے پہنتے اور پھل نہیں کھاتے تھے، کم خوری کے اس لئے عادی تھے، کہ رات میں نیند نہ آئے۔ اور اطمینان و سکون کے ساتھ خدا کی عبادت کر سکیں، علامہ ذہبی اپنے شیخ رشید ابن معلم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے شیخ محی الدین کو حمام میں نہ جانے موٹا جھوٹا کھانے اور پہننے اور سخت کوشی اور تنگ و ترشی کی زندگی بسر کرنے پر ملامت کی اور کہا کہ اس سے آپ کو بیماری لاحق ہو جائے گی، اور آپ علمی اشتغال کے لائق نہ رہ سکیں گے تو وہ کہتے کہ اللہ کے فلاں بندے کا بھی تو مسلسل روزہ رکھنے کی وجہ سے جسم زرد ہو گیا تھا۔

نووی کا بیان ہے کہ میں جسم کی تر و تازگی اور نیند کی زیادتی کے ڈر سے پھل، ترکاری، سبزی اور عمدہ کھانے سے پرہیز کرتا ہوں، ابن عطار نے فواکہ استعمال نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ دمشق کی اراضی کے بارے میں مجھ کو بعض شبہے ہیں اس لئے ان کے استعمال میں مجھ

تردد ہوتا ہے۔

چونکہ ان کی زندگی بڑی سادہ تھی، اور وہ کوئی اہتمام و تکلف پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لئے ان کو دوسرے لوگوں کو اپنے یہاں کھانے کے لئے مدعو کرنے میں زحمت اور تکلف ہوتا تھا چنانچہ ایک دفعہ شیخ برہان الدین اسکندرانی نے ان کے یہاں افطاری کرنے کی خواہش کی تو انہوں نے ان سے بڑی صفائی اور بے تکلفی سے کہہ دیا کہ آپ اپنے یہاں سے کھانا لے کر آجایئے گا، ہم سب لوگ مل کر افطار کرلیں گے۔ [۱]

ہدیے اور تحفے قبول نہ کرنا ہدایا اور تحائف قبول نہ کرتے تھے۔ خصوصاً غیر متعلق لوگوں کے ہدیے لینے میں انہیں سخت پس و پیش ہوتا تھا۔ البتہ جن لوگوں سے واقفیت ہوتی تھی، اور ان کے ہدایا کے بارے میں اطمینان ہوتا، ان کو لینے میں زیادہ پرہیز نہ کرتے، چنانچہ ایک دفعہ ایک فقیہ نے ہدیہ کیا تو اس کو قبول کرلیا۔ احتیاط اور تورع کی بناء پر ہدیے کی طرح معاوضہ لینے سے بھی پرہیز تھا، مدرسہ کی ملازمت کے باوجود وہاں سے کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے۔

صبر واستقلال صبر واستقلال میں بے مثال تھے، مصائب اور مشقتوں کو خندہ پیشانی سے انگیز کرتے اور زبان سے اُف نہ کرتے، جن چیزوں کو انہوں نے اپنا معمول بنا لیا تھا، ان پر ہمیشہ سختی سے قائم رہے اور ان میں کبھی کوئی فرق نہ آنے دیا۔ انہوں نے سخت تکلیفیں جھیلیں مگر ان کے شوق وانہماک اور علم کی طلب وجستجو میں کوئی کمی نہ آئی۔ [۲]

اخلاق و عادات سیرت و کردار کے لحاظ سے بھی بڑے ممتاز تھے، یافعی فرماتے ہیں کہ بہ زیادہ بہترین اوصاف وخصائل اور پاکیزہ سیرت واخلاق سے متصف اور محاسن و کمالات میں عدیم النظیر تھے۔ [۳]

تصوف امام نووی بادۂ معرفت کے لذت شناس اور مشہور صوفی شیخ یٰسین بن یوسف زرکشی کے حلقہ بگوش اور عقیدت مند تھے، سلوک کے [illegible] اشارات ان ہی سے

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ [illegible]

سیکھے تھے۔ صوفیہ و مشائخ سے بڑی محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ پورے شوق سے ان کی صحبتوں میں حاضر ہوتے تھے۔ تصوف اور صوفیہ کے مخالفین پر برہمی کا اظہار کرتے تھے، کتاب الاذکار میں صوفیہ کی جماعت کے گوناگوں فضائل بیان کرکے دکھایا ہے کہ یہی اس امت کے منتخب اور عمدہ لوگ ہیں، نووی کی کرامت اور بزرگی کے بعض واقعات بھی منقول ہیں [1]

امر بالمعروف ونہی عن المنکر وہ فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ادائیگی سے کبھی غافل نہیں رہے۔ امراء و سلاطین کو بھی معروف کی تلقین کرتے، اور منکر سے روکتے تھے۔ اس معاملہ میں بڑے جری اور بے باک تھے، اور اس میں کسی مصلحت و مداہنت کے قائل نہ تھے۔ حق گوئی کی پاداش میں ان کو امراء کے غیظ و غضب کا نشانہ بھی بننا پڑا۔ علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ" وہ گوناگوں مصروفیتوں اور علمی اشغال کے باوجود اصلاح خلق اور امر بالمعروف کا فریضہ بھی انجام دیتے، بادشاہوں اور ظلم وجفا پرور لوگوں کے روبرو حق بات کہتے اور ان کے غلط کاموں پر سخت رد و نکیر فرماتے، انہوں نے سلاطین و امراء کو خطوط لکھ کر امورِ خیر کی تلقین اور معاصی سے بچنے کی دعوت دی۔ ایک دفعہ ملک ظاہر کو ایک خط لکھا تو وہ سخت برہم ہوا اور گرفتار کرنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے تشدد سے ان کو بچا لیا، بعد میں یہی ملک ان کا معتقد ہو گیا، اور بڑی تعظیم و تکریم کرنے لگا۔ [2]

متانت و وقار بڑے سنجیدہ و باوقار تھے، بچپن ہی سے نہایت متین اور شائستہ تھے کھیل کود اور لہو و لعب سے کوئی رغبت نہ تھی، یاسین بن یوسف فرماتے ہیں کہ میرے دل میں نووی کی عظمت کا نقش اس وقت سے ثبت ہے، جب وہ دس سال کے تھے، بچے ان کو کھیل کود کے لئے مجبور کرتے مگر یہ بھاگنے کی فکر میں رہتے۔ بحث و مباحثہ اور مناظرہ وغیرہ میں بھی متانت اور وقار سے کام لیتے [3]

---

[1] مرآۃ الجنان ج ۴ [2] ایضاً و تذکرۃ الحفاظ ج ۴ و شذرات الذہب ج ۵ [3] طبقات الشافعیہ ج ۵ و شذرات الذہب ج ۵ و اتحاف النبلاء۔

Marfat.com

اعترافِ فضل وکمال امام نووی کی عظمت وکمال اور جامعیت کے بارے میں علمائے فن اور مؤرخین کا اتفاق ہے، حافظ ذہبی نے ان کو امام، حافظ یکتائے روزگار، قدوہ، شیخ الاسلام اور سرتاج اولیا، وغیرہ کہا ہے۔ ابن فرح فرماتے ہیں، ان میں تین ایسی خوبیاں تھیں جن میں سے اگر ایک بھی کسی کے اندر ہو تو لوگ اس کے پاس سفر کرکے آئیں۔ اور وہ مرجع خلائق بن جائے، یعنی علم، زہد اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر، امام نووی میں یہ تینوں خصوصیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں، شیخ قطب الدین یونینی کا بیان ہے۔ وہ علم وورع، ریاضت وعبادت، کم خوری اور پرمشقت زندگی بسر کرنے میں بے مثال تھے۔ شمس الدین ابن فخر حنبلی فرماتے ہیں وہ ماہر فن امام، زبردست حافظ حدیث اور گوناگوں علوم میں پختہ تھے۔ انہوں نے متعدد کتابیں لکھیں۔ اور بڑے متقی وزاہد تھے، مرغوبات ولذائذ سے بالکل دست کش ہو گئے تھے۔ اور معمولی پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے، علامہ ابن سبکی نے شیخ، علامہ، شیخ الاسلام، متاخرین کے استاد، اللہ کی حجت وبرہان، طریقۂ اسلاف کے داعی اور سید وحصور کے شاندار القاب سے اُن کا تعارف کرانے کے بعد لکھا ہے کہ وہ مختلف علوم فقہ، متن حدیث، اسماء الرجال اور لغت وصرف وغیرہ کے جامع تھے، یافعی ان کے کمالات کا ان الفاظ میں تذکرہ کرتے ہیں "الامام شیخ الاسلام المحقق المدقق النجیب الحبر المفید۔ گوناگوں فضائل ومحاسن کے جامع، علوم میں متبحر، حدیث، فقہ اور لغت میں واسع المعرفت، عالم وفاضل یگانہ، ولی کبیر، سید شہیر، تمام معاصرین سے فائق وبرتر، ہر سو ان کے محاسن کا چرچا اور فضائل کی شہرت ہے۔ ابن کثیر ان الفاظ میں ان کی ثناء خوانی کرتے ہیں۔ شیخ محی الدین علامہ وقت، مذہب شافعی کے شیخ اور اپنے زمانہ کے جلیل القدر فقیہہ اور زہد واتقاء میں بے مثال تھے۔ ابن عماد اور ابن ہبۃ اللہ لکھتے ہیں وہ نامورانِ اسلام اور عظیم الشان لوگوں میں تھے۔ انہوں نے کئی سال تک اس قدر ذوق وشوق اور ایسے غیر معمولی انہماک اور دلچسپی سے علم وفن کی تحصیل کی کہ اپنے زمانہ اور معاصرین سے آگے ہو گئے تھے، طاش کبریٰ زادہ لکھتے ہیں، نووی اپنے زمانہ کے امام

اور فاضل و عالم تھے، حافظ سید مرتضیٰ زبیدی رقمطراز ہیں۔ شیخ الاسلام استاد المتاخرین۔ بعد کے لوگوں پر اللہ کی حجت و برہان اپنے زمانے کے قطب، سید دوران اور اللہ کی مخلوق کے درمیان اس کا راز تھے۔[1]

فقہی مذہب اور انصاف پسندی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، وہ شافعی المذہب تھے، ان کا شمار اس مذہب کے اساطین اور اکابر میں ہوتا ہے، ان کے مزاج میں حق پسندی اور انصاف تھا۔ اس لئے ان کو اپنے مذہب کے علماء سے اختلاف کرنے اور دوسرے مذاہب کے ائمہ کے اقوال نقل کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہوتا تھا۔

عقیدہ و مسلک وہ سلف صالحین اور اہل سنت والجماعت کے مذہب پر سختی سے عمل پیرا تھے حدیث و سنت کی اتباع اور سلف کے مسلک کی ہمنوائی اور اس کی دعوت و تلقین ان کا طرۂ امتیاز تھا، ابن سبکی و یافعی کا بیان ہے کہ "طریقۂ اسلاف کے داعی اور متقدین اہل سنت والجماعت کے متبع تھے۔[2]

خلوت پسندی وہ طبعاً خلوت پسند تھے، زہد و تقشف اور دنیا بیزاری نے ان کو اور زیادہ عزلت گزین بنا دیا تھا، جلوت سے نفرت تھی، اور ہجوم و اژدہام قطعاً پسند نہیں کرتے تھے، زندگی تجرد میں گزاری، اور شادی نہیں کی، اس لحاظ سے وہ اپنے ہم نام پیغمبر حضرت یحییٰؑ کے متبنی تھے، علامہ ابن سبکی فرماتے ہیں" امام نووی سید و حصور تھے"۔[3]

وفات ۴۵ سال کی عمر میں چہار شنبہ ۲۴ رجب ۶۷۶ھ کو انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے وطن میں دفن کئے گئے، ان کی قبر ایک زمانہ میں زیارت گاہ تھی، متعدد شعراء نے ان کے مرثیے کہے ہیں۔[4]

تصنیفات امام نووی نے اگرچہ کم عمر پائی تھی، مگر اللہ نے ان کے علمی کاموں میں برکت

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ و طبقات الشافعیہ ج ۵ و مراۃ الجنان ج ۴ و البدایہ والنہایہ ج ۳ و شذرات الذہب ج ۵ و طبقات شافعیہ ابن ہبۃ اللہ و تاج العروس [2] طبقات الشافعیہ ج ۵ و مراۃ الجنان ج ۴ [3] ایضاً [4] تذکرۃ الحفاظ ج و مراۃ الجنان و مفتاح ال

دی۔ علاوہ ازیں وہ زندگی بھر علم وفن کی خدمت میں لگے رہے، اس لئے ان سے متعدد مفید، عمدہ
ور بلند پایہ کتابیں یادگار ہیں، علامہ ابن سبکی لکھتے ہیں۔

" اہل بصیرت سے یہ مخفی نہیں کہ امام نووی اور ان کی تصنیفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاص
ت اور توجہ شامل رہی ہے "

یافعی کا بیان ہے کہ " امام نووی پر خدا کی برکتیں ان کی کتابوں کے ذریعہ ظاہر ہوئیں، چنانچہ
ب کو بڑا قبول حاصل ہوا اور ہر ایک میں ان کی شہرت ہوئی۔ اور لوگ ان سے خوب متمتع اور
یاب ہوئے۔"

طاش کبری زادہ کا بیان ہے کہ " نووی سے بے شمار مشہور اور بیش قیمت کتابیں یادگار ہیں۔
، حدیث میں ان کی کتابوں کی تعداد زیادہ ہے "

امام نووی کی کتابوں کی فہرست اور بعض کا مختصر تعارف ملاحظہ ہو:۔

(۱) التحقیق والترخیص فی الاکرام بالقیام لذوی الفضل والمزیۃ من اہل الاسلام۔ غالباً
تاب کا نام الترخیص فی الاکرام بالقیام لذوی الفضل والمزیۃ من اہل الاسلام۔ اور فضل القیام
لعلم والمحدیث والزہاد والعباد والصلحاء والفقراء من اہل الاسلام بھی لکھا گیا ہے، یہ مصر میں
ہ گئی ہے۔

(۲) بستان العارفین (۳) تحفۃ الوالد وبغیۃ الرائد (۴) خلاصۃ الاحکام فی مہمات السنن
عد الاسلام (۵) روح المسائل فی الفروع۔ یہ دو متوسط جلدوں میں ہے، اس میں مسائل کی
ں اور دلائل کا ذکر ہے (۶) غیث النفع فی القرآت السبع (۷) مناقب الشافعی (۸) عمل الیوم
یلۃ اس میں اوراد ماثورہ کا بیان ہے۔

(۹) مرآۃ الزمان فی تاریخ الاعیان۔ مختصر ہونے کے باوجود اس حیثیت سے اہم ہے

طبقات الشافعیہ ج ۵ مرآۃ الجنان ج ۴ مفتاح السعادۃ معجم المطبوعات کشف الظنون ...
ست کتب خانہ پشاور۔

کہ اس میں ابتدائے آفرینش سے واقعات درج کئے گئے ہیں۔[1]

(۱۰) عیون المسائل المہمہ۔ یہی مجموعہ فتاوی یا فتاوی النووی کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اس میں امام نووی سے جو فقہی سوالات کئے گئے تھے، ان کا جواب مذکور ہے، شیخ علاء الدین بن ابراہیم عطار دمشقی (م ۷۲۴ھ) نے ان کو فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے، امام نووی نے ترتیب میں فقہی ابواب کا لحاظ نہیں کیا گیا تھا، مصر او رحیدر آباد کے کتب خانہ آصفیہ میں قلمی نسخے موجود ہیں[2]

(۱۱) المنثورات وعیون المسائل المہمات۔ صاحب کشف الظنون کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عیون المسائل المہمہ کے بجائے ایک مستقل کتاب ہے۔[3]

(۱۲) طبقات الشافعیہ۔ علامہ ابن اصلاح کی کتاب طبقات الشافعیہ کا مختصر ہے مصنف نے اس میں کسی قدر اضافے بھی کئے ہیں[4]

(۱۳) الاصول والضوابط فی المذہب۔ ان ہم فقہی اصول وقواعد اور مفید مطالب و مقاصد پر مشتمل ہے۔ جو اس فن کے طلباء کے لئے ضروری ہیں[5]

(۱۴) الارشاد فی علوم الحدیث۔ یہ اصول حدیث میں ہے، اور علامہ ابن صلاح کی مشہور معتبر کتاب مختصر علوم الحدیث کا خلاصہ ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل شرحیں لکھی گئیں :۔

شرح علامہ ابن ابی شریف المقدسی (۲) شرح برہان جوبری (۳) شرح ابوالقاسم انصاری

(۱۵) التقریب والتیسیر فی مصطلح الحدیث۔ یہ کتاب الارشاد کا مختصر ہے، اسی لئے اس کا نام تقریب الارشاد بھی ہے، اس کی کئی شرحیں لکھی گئیں۔

(۱) حافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی (م ۸۰۶ھ) کی شرح (۲) برہان الدین ابراہیم بن محمد حلبی (م ۸۵۱ھ) کی شرح (۳) شمس الدین محمد بن عبدالرحمن سخاوی (م ۹۰۲ھ)

---

[1] کشف الظنون ج ۲ [2] ایضاً و تذکرۃ النوادر [3] کشف الظنون [4] ایضاً و اعلام ج ۳ [5] کشف الظنون ج ۱ [6] ایضاً۔

Marfat.com

کی شرح (۴) شیخ عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے تدریب الراوی کے نام سے شرح لکھی. یہ بہت مشہور و متداول اور گوناگوں فوائد پر مشتمل ہے. سیوطی نے اس کے علاوہ التذنیب فی الزوائد علی التقریب بھی لکھی ہے[1]

(۱۶) الارشادات الی بیان اسماء المبہمات۔ خطیب بغدادی کی کتاب کا خلاصہ ہے۔ نووی نے حدیثوں کے اسناد حذف کرکے اس میں بعض اضافے کئے ہیں۔ اور اس کو صحابہ کے ناموں کے اعتبار سے حروف معجم پر مرتب کیا ہے۔ خطیب کی کتاب کے مقابلہ میں اس سے استفادہ سہل ہے، اس میں متن حدیث کے مبہم ناموں کا ذکر ہے[2]

(۱۷) الایضاح فی المناسک۔ یہ آٹھ ابواب پر مشتمل اور ابن صلاح کی مبسوط کتاب المناسک کا خلاصہ ہے، تاہم اس میں مناسک کے جملہ ضروری مسائل و مقاصد کا ذکر آگیا ہے، البتہ دلائل حذف کردیئے گئے ہیں، رجب ۶۶۷ھ میں وہ اس کی تالیف و تصنیف مکمل کرچکے تھے۔ نورالدین علی سمہودی نے اس کی شرح لکھی تھی۔ بعض اہل علم نے مناسک میں نووی کی تین اور بعض نے چار کتابیں بتائی ہیں[3]

(۱۸) شرح البخاری۔ اس کو صرف کتاب الایمان تک ہی لکھ سکے تھے۔ شرح صحیح مسلم میں اس کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: "میں نے شرح بخاری میں گوناگوں معلومات جمع کی ہیں۔ یہ مختصر ہونے کے باوجود مفید و متنوع علوم و فوائد پر مشتمل ہے"[4]

(۱۹) کتاب التبیان۔ یہ دس ابواب میں ہے۔ اس کا نام التبیان فی آداب حملۃ القرآن بھی ہے۔ اس میں قرآن کی تلاوت کے مسائل، قرأت و تجوید کے آداب، قرآن و حامل قرآن کی عظمت و جلالت، معلم و متعلم قرآن کے آداب اور قرآنی الفاظ کے ضبط و تحقیق وغیرہ کے گوناگوں مسائل و مباحث بیان کئے گئے ہیں۔ مصنف نے مختصر التبیان یا اختصار التبیان کے نام سے اس کا خلاصہ اور شیخ محمد بن ابوسعید ایجی نے خلاصۃ البیان کے نام سے اس کی تلخیص کیا تھا[5]۔ احمد بن

---

۱ کشف الظنون ج ۱ [illegible] ۲ [illegible] کشف الظنون ج ۱ [illegible] ۳ ایضاً [illegible] ۴ مقدمہ شرح مسلم [illegible] ۵ کشف الظنون ج ۱

عبدالکریم اشمونی کی کتاب منارالہدی فی بیان الوقف والابندار کے حاشیہ پر یہ کتاب ۱۳۰۷ھ میں قاہ
سے شائع ہو چکی ہے۔

(۲۰) مقاصد النووی۔ توحید، عبادت اور تصوف پر ایک چھوٹا سا رسالہ ہے۔ ۱۳۲۴ھ
میں بیروت اور پھر مصر سے شائع ہوا ہے[1]

(۲۱) ریاض الصالحین۔ ترتیب وترغیب اور زہد و ریاضت نفس سے متعلق صحیح حدیثو
کا مختصر مجموعہ ہے[2] معتبر اور مفید ہونے کی وجہ سے اس کو بڑی شہرت نصیب ہوئی، اور یہ مدارس کے
نصاب میں داخل ہے۔

(۲۲-۲۳) التحریر فی شرح التنبیہ۔ یہ شیخ ابواسحق ابراہیم بن محمد شیرازی (م ۴۷۶ھ) کی کتا
التنبیہ کی شرح ہے۔ التنبیہ فروع وجزئیات پر مشتمل اور فقہ شافعی کی پانچ مشہور و متداول کتابوں
ہے[3] اس کی کئی شرحیں لکھی گئیں۔ امام نووی نے دو شرحیں لکھی تھیں۔ جو اہم ہیں، ایک میں مفی
اور متروک مسائل کی توضیح اور مصنف کے غلط بیانات کی تصحیح کی گئی ہے اور دوسری میں الفاظ
انات کے ضبط وحل کی جانب خاص توجہ کی گئی ہے۔ غالباً اسی لئے اس کو تصحیح التنبیہ کے نام سے
بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ امام نووی نے اس میں تنبیہ کی حدیثوں کے مفید نکات بھی بیان کئے
دوسری شرح ۱۳۲۹ھ میں مصر سے کتاب التنبیہ کے حاشیے پر شائع ہو چکی ہے[4]

(۲۴) شرح المہذب۔ یہ بھی امام ابواسحق شیرازی کی مشہور اور عظیم الشان کتاب المہذب
فی الفروع کی شرح ہے۔ المہذب کی اہمیت کی بناء پر اکثر فقہا نے اس کی جانب اعتنا کیا اور
شرحیں لکھیں۔ امام نووی کی شرح گو نامکمل ہے۔ تاہم احکام و مسائل میں یہ بڑی جامع اور پُر از معلوما
ہے۔ امام نووی نے شرح مسلم میں جا بجا اس کا حوالہ دیا ہے۔ علامہ ابن کثیر کا بیان ہے کہ مصنف
نے اس میں غیر معمولی حدت واختراع اور نقد وتحقیق سے کام لیا ہے، غریب الفاظ کی تحقیق

---

[1] معجم المطبوعات [2] ایضاً [3] تنبیہہ کے قلمی نسخے لنڈن اور آکسفورڈ میں موجود ہیں اور ۱۸۰۹ء میں لنڈن سے جوینبو
کے اہتمام میں چھپ چکا ہے، اکتفاء القنوع [4] ملاحظہ ہو مقدمہ شرح

Marfat.com

حدیثی معلومات اور گوناگوں دوسرے اہم امور و مسائل ایسے جمع کر دیئے ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں ملتے، مجھے اس سے بہتر فقہی کتاب کا علم نہیں، امام نووی نے ایک علیحدہ جز میں اس کی حدیثوں کی تلخیص بھی کی تھی، یہ الخلاصہ فی الحدیث کے نام سے موسوم ہے[۱]

(۲۵) اربعین۔ اس حدیث کے بموجب جس میں چالیس حدیثوں کے جمع کرنے کی فضیلت وارد ہے، اکثر محدثین نے چالیس حدیثوں کے مجموعے مرتب کرنے کی جانب اعتنا کیا ہے، گو یہ روایت پایۂ اعتبار سے ساقط ہے، تاہم فضائل و ترغیبات میں توسیع کی بنا پر اس نوعیت کی بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔ اور اربعینات بھی کتب حدیث کی ایک مشہور قسم ہے۔

مختلف علماء نے مختلف اغراض و مقاصد کے تحت اربعینات مرتب کئے ہیں، بعض نے توحید و صفات الٰہی کی چالیس حدیثوں کو جمع کیا، بعض نے اصول و مہمات دین کی روایتیں اکٹھا کیں، بعض نے جہاد کی اور بعض نے زہد و مواعظ اور بعض نے آداب و اخلاق اور فضائل اعمال وغیرہ کے متعلق چالیس حدیثیں جمع کیں۔ امام نووی نے اپنی اربعین میں ان سب امور کا لحاظ رکھا ہے، اس لئے ان کا مجموعہ اربعین ان گوناگوں اغراض و امور کا جامع ہے۔ نووی کا خود بیان ہے:

وهی اربعون حدیثا مشتملة علی	یہ چالیس حدیثیں ان سب امور کو شامل ہیں،
جمیع ذلک وکل حدیث منها قاعدة	اور ان میں سے ہر حدیث دین کے کسی
عظیمة من قواعد الدین۔	عظیم الشان قاعدے پر مبنی ہے۔

امام نووی نے اپنی اربعین میں صحیح و ثابت حدیثوں ہی کو جمع کرنے کا التزام کیا ہے ان کی اکثر روایات صحیح بخاری و صحیح مسلم سے ماخوذ ہیں، اختصار کے خیال سے سندیں حذف کر دی ہیں اور چالیس کے بجائے یہ بیالیس حدیثوں پر مشتمل ہے۔

اربعین نووی کی اہمیت اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس کی بے شمار شرحیں لکھی گئی ہیں، ایک شرح خود انہوں نے بھی لکھی تھی[۲] اس کا قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں ہے، دوسری شرحوں

---

[۱] کشف الظنون ج ۲، البدایہ ج ۱۳ و شذرات الذہب ج ۵ [۲] کشف الظنون ج ۱ [۳] فہرست کتب عربیہ ج ۲

اور ان کے شارحین کے نام یہ ہیں :۔

(۲) امام زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد المعروف بابن رجب بغدادی متوفی ۷۹۵ھ نے ایک طویل شرح لکھی، اس کا نام جامع العلوم والحکم ہے۔

(۳) نجم الدین سلیمان بن عبدالقوی طوفی حنبلی (م ۷۱۰ھ) کی شرح۔

(۴) تاج الدین عمر بن علی فاکہی (م ۷۳۱ھ) کی شرح۔

(۵) جمال الدین یوسف بن حسن بن حسن بن محمود سرائی اشبیلی (م ۷۹۹ھ) کی شرح۔

(۶) ابوحفص عمر البلبیسی شافعی کی شرح فیض المعین کے نام سے موسوم ہے۔

(۷) برہان الدین ابراہیم بن احمد خجندی (م ۸۵۱ھ) کی شرح۔

(۸) شہاب احمد بن محمد ابی بکر الشیرازی الکازرونی کی ممزوج شرح کا نام ہادی المسترشدین

(۹) شیخ زین الدین سریجا بن محمد ملطی (م ۷۸۸ھ) کی شرح نشر فوائد المربعین النوویہ چار جزوں میں ہے۔

(۱۰) شیخ ولی الدین کی شرح کا نام الجواہر البہیہ ہے۔

(۱۱) حافظ مسعود بن منصور بن امیر سیف الدین عبداللہ علوی کی شرح کا نام الکافی ہے۔ یہ ممزوج شرح ہے۔

(۱۲) معین بن صفی کی شرح مختصر ہے۔

(۱۳) مصلح الدین محمد سعدی عبادی (م ۹۰۹ھ) نے وزیر علی پاشا کے لئے ایک شرح مرتب کی تھی۔

(۱۴) شہاب الدین احمد بن حجر ہیثمی مکی (م ۹۷۳ھ) کی ممزوج شرح فتح المبین کے نام سے مشہور ہے اور قاہرہ سے ۱۳۰۷ھ میں چھپی ہے، اس پر حسن علی مدابغی کا حاشیہ ہے۔

(۱۵) نورالدین محمد بن الایجی کی شرح سراج الطالبین ومنہاج العابدین فارسی میں

(۱۶، ۱۷) ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) نے دو شرحیں لکھیں، ان میں ایک نہایت

Marfat.com

جامع اور گوناگوں فوائد پر مشتمل ہے، صاحب کشف الظنون نے اس کو سب میں بہتر اور عمدہ شرح بتایا ہے۔

(۱۸) شیخ سراج الدین عمر بن علی بن ملقن شافعی (م ۸۰۴ھ) کی شرح۔

(۱۹) شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے اربعین نووی کی حدیثوں کی تخریج کی تھی۔[1]

(۲۰) ابراہیم بن مرعی بن عطیہ الشبرخیتی مالکی کی شرح الفتوحات الوہبیہ قاہرہ سے ۱۳۰۸ھ میں شائع ہوئی ہے۔[2]

(۲۱) علامہ عبدالہادی بن عبداللہ بن احمد کی شرح کا قلمی نسخہ رام پور میں ہے، یہ ۱۱۹۹ھ کا لکھا ہوا ہے۔[3] اربعین نووی بولاق سے ۱۲۹۴ھ میں چھپی ہے۔ اور مصر سے بھی شائع ہوئی ہے، مصری ایڈیشن میں شیخ ہاشم شرقادی کی شرح بھی ہے۔[4]

(۲۲) کتاب اذکار۔ کتاب الاذکار المنتخب من کلام سید الابرار امام نووی کی مفید اور مشہور کتابوں میں ہے۔ یہ ایک جلد میں ساڑھے تین سو سے زیادہ ابواب پر مشتمل ہے اس میں حدیث کی کتابوں سے شب و روز کے اشغال و اذکار اور دعائیں نقل کی گئی ہیں۔ ابتدا میں چند اہم اور ضروری فصلیں ہیں۔ ان میں اخلاص عمل اور حسن نیت کی اہمیت کا تذکرہ اور بطور تمہید ذکر کے عام اور مطلق فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ پھر اصل کتاب اور خاتمہ ... کا بیان ہے سب سے آخر میں چند اہم حدیثیں درج ہیں۔

امام نووی نے احادیث و روایات سے اذکار و ادعیہ نقل کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان سے متعلق آیتیں اور متقدین کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔

اس موضوع پر پہلے جو کتابیں لکھی گئی تھیں، ان سے تکرار و طوالت وغیرہ کی بنا پر استفادہ آسان نہیں تھا۔ امام نووی نے تکرار و طوالت سے بچ کر اس کو عمدہ اور آسان پیرایہ میں اس جذبہ

لے کشف الظنون ج ۱ ص ... اکتفاء القنوع ص ... [illegible] معجم المطبوعات العربیہ ...

سے لکھا ہے کہ ان کے بقول۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

فاذکرونی اذکرکم ۔ (بقرہ) سو مجھ کو یاد کرو تو میں تم کو یاد کروں گا۔

نیز دوسری جگہ ہے۔

وماخلقت الجن والانس الالیعبدون ۔ (ذاریات) اور میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

ان آیتوں سے ثابت ہوا کہ بندہ کی سب سے عمدہ اور بہتر حالت وہی ہے جب وہ اللہ رب العالمین کو یاد کرتا۔ اور ان اذکار و اعمال میں مشغول رہتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہیں۔ اس لئے میں نے یہ مختصر کتاب تالیف کی۔[1]

اس میں اختصار و سہولت کے خیال سے عموماً سندیں حذف کر دی گئی ہیں، اور حدیثوں کے حسن، ضعیف اور منکر ہونے کی نشاندہی کر دی گئی ہے، اور کم علم و واقفیت رکھنے والوں کی رعایت سے غیر معروف صحابہ کے صحابی ہونے کی تصریح کر دی گئی ہے۔ نیز علم حدیث کے عمدہ مسائل، فقہی مباحث اور اہم اصول و آداب وغیرہ اس قدر واضح انداز میں لکھے گئے ہیں کہ عوام اور اہل علم و فقہ سب کے لئے اُن کی معرفت آسان ہو گئی ہے۔

کتاب الاذکار کی زیادہ حدیثیں صحاح خمسہ (صحیح بخاری و مسلم، سنن ابی داؤد، ترمذی و نسائی) سے ماخوذ و مستنبط ہیں، اجزاء و مسانید وغیرہ موطا امام مالک، مسند احمد بن حنبل، مسند ابی عوانہ سنن ابن ماجہ۔ دارقطنی و بیہقی کی حدیثیں بھی کہیں کہیں نقل کی گئی ہیں اور صحاح کی ضعیف روائتیں بھی شاذ و نادر آ گئی ہیں، مگر ضعف کی تصریح کے ساتھ اس لئے صحت، وثوق اور اعتبار وغیرہ کی حیثیت سے کتاب الاذکار کا پایہ بلند ہے۔

اس کی حسب ذیل شرحیں لکھی گئیں:۔

---

[1] کتاب الاذکار

Marfat.com

(۱) الفتوحات الربانیۃ علی الاذکار النوویہ۔ یہ شیخ محمد بن علی بن محمد بن علان کی شافعی (م ۱۰۵۷ھ) کی شرح ہے۔

(۲، ۳) اذکار الاذکار۔ شیخ جلال الدین سیوطی کی تلخیص اور دو کراسوں کے بقدر ہے۔ اس خلاصہ کی سیوطی نے شرح بھی لکھی تھی۔

(۴) تحفۃ الابرار بنکت الاذکار۔ یہ بھی سیوطی کی تالیف ہے۔

(۵) مختصر الاذکار۔ شیخ شہاب الدین احمد بن حسین رملی (م ۸۴۴ھ) کی تالیف ہے۔

(۶) اتحاف الاخبار فی نکت الاذکار۔ یہ تعلیق شمس الدین محمد بن طولون دمشقی کی ہے۔

(۷) اذکار کے فارسی ترجمے بھی کئے گئے۔ ایک ترجمہ ۷۰۰ھ کا کیا ہوا ہے۔ اس کے مصنف کا نام معلوم نہیں[1]

۲۵۔ تہذیب الاسماء واللغات۔ اس میں ان اسماء و اعلام کے الفاظ و لغات کی تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ جو مندرجہ ذیل چھ کتابوں میں مذکور ہیں۔ مختصر مزنی۔ (۱) مہذب (۲) تنبیہ (۳) وسیط (۴) وجیز اور (۵) روضہ

مزید افادہ کے خیال سے مصنف نے بعض ایسے ناموں اور لفظوں کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ جو ان کتابوں میں موجود نہیں ہیں۔ یہ کتاب دو قسموں میں ہے۔ پہلی میں اسماء اور دوسری میں لغات و اماکن کا ذکر ہے۔ اس اعتبار سے پہلی قسم کی حیثیت ابتدائی اسلامی عہد کے مشاہیر و اصحاب کمال کے سیر و تراجم کی اور دوسری قسم کی نوعیت لغوی ناموں کی ہے۔

دونوں قسموں کو حروف تہجی پر مرتب کیا گیا ہے۔ مگر قسم اول میں تبرک کے خیال سے محمد نام کے لوگوں کا پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ اس قسم میں ذکور و اناث کا علیحدہ علیحدہ ذکر ہے۔ اسی طرح جو لوگ کینتوں یا انساب و قبائل کی نسبتوں سے مشہور ہیں۔ ان کا بھی ناموں سے الگ ذکر کیا گیا ہے۔ اسماء و الفاظ کی حرکات وغیرہ کو ضبط کرنے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔

[1] کشف الظنون

Marfat.com

تہذیب الاسماء واللغات بڑی تحقیق سے لکھی گئی ہے، اور اس میں مندرج تمام چیزیں معتبر و مستند کتابوں سے ماخوذ ہیں، گو مصنف نے مشہور باتوں اور عام اقوال کے حوالے تو نہیں دیئے ہیں، مگر غیر معروف اور غریب اقوال کے حوالے دے دیئے ہیں۔

اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں تاریخ، طبقات، رجال، تراجم، انساب، مغازی، سیر تفسیر، حدیث اصول و شروحِ حدیث، فقہ و کلام، لغت و ادب اور صرف و اشتقاق وغیرہ گوناگوں فنون کی کتابوں سے مدد لی ہے، ان میں سے اکثر کتابوں کا اس کے دیباچہ میں ذکر بھی ہے، اس لئے یہ عظیم فوائد و مطالب اور گوناگوں مسائل و مباحث کا مجموعہ ہے، اور اس میں الرجال و طبقات اور لغت کے علاوہ حدیث و تفسیر وغیرہ متعدد علوم بھی شامل ہو گئے ہیں۔

تہذیب الاسماء کی دونوں قسمیں مصر کے مطبع منیریہ نے دو دو جزوں میں شائع کی ہیں، اور اہل علم نے نووی کی بعض اور کتابوں کی طرح اس کی جانب بھی اعتناء کیا ہے۔

(۱، ۲) شیخ کمال الدین محمد بن محمود حنفی (م ۷۸۶ھ) اور شیخ محی الدین، عبدالقادر بن محمد قرشی حنفی (م ۷۷۵ھ) نے اس کو نئے ڈھنگ اور انداز پر مرتب کیا ہے۔

(۳، ۴) شیخ عبدالرحمٰن بن محمد بسطامی نے الفوائد السنیہ کے نام سے تلخیص اور شیخ جلال الدین سیوطی نے اس کا مختصر لکھا ہے[1]

۲۶۔ الروضۃ۔ یہ فقہی فروع و جزئیات پر مشتمل ہے، بعض مصنفین نے اس کا نام روضۃ الطالبین و عمدۃ المتقین فی الفروع لکھا ہے، اس میں رافعی کی وجیز کی شرح و تلخیص کی گئی ہے یہ کتاب بڑی اہم اور شوافع میں نہایت مقبول ہے، اس کی جانب بڑا اعتناء کیا گیا ہے، صاحب کشف الظنون نے اس کی دو درجن سے زیادہ شروح و مختصرات اور حواشی کا ذکر کیا ہے[2]

۲۷۔ منہاج الطالبین و عمدۃ المفتین۔ محرر امام ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد رافعی قزوینی (م ۶۲۳ھ) کی فروع شافعیہ میں نہایت مشہور و مقبول اور بڑی معتبر و مستند کتاب خیال کی جا

[1] کشف الظنون ج ۱ و الرسالۃ المستطرفہ [2] ایضاً

ہے۔ امام نووی کی یہ کتاب اس کا مختصر ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "ہمارے ہم مسلک علماء نے متعدد کتابیں لکھی ہیں، لیکن محرر کا متن گوناگوں فوائد کا حامل اور تحقیق مذہب کے باب میں نہایت معتبر و مستند ہے۔ مگر اس کا حجم اس قدر زیادہ ہے کہ موجودہ زمانے کے تن آسان اور سہولت پسند لوگوں کے لئے اس سے استفادہ آسان نہیں تھا۔ اس لئے میں نے اس کا مختصر لکھا جو اصل کتاب کے نصف کے بقدر ہے۔ میں نے اس میں بعض مفید اور عمدہ مسائل و مباحث کا اضافہ بھی کیا ہے[1]۔"

منہاج بڑی اہم کتاب ہے اور یہ شوافع میں مشہور و متداول بھی ہے۔ اس کی جانب بڑا اعتناء کیا گیا۔ اور پچاس سے زیادہ شرحیں اور حواشی لکھے گئے۔

۲۸۔ شرح صحیح مسلم۔ اس کا اصل نام المنہاج شرح صحیح مسلم ہے، مگر یہ شرح صحیح مسلم کے نام سے مشہور اور علامہ نووی کی سب سے اہم اور شہرۂ آفاق تصنیف ہے۔ صحیح مسلم کی متعدد شرحیں لکھی گئیں۔ مگر ان میں سے کوئی شہرت و مقبولیت اور اعتبار و وثوق کے لحاظ سے اس کے ہم پایہ نہیں۔ شوافع میں جو علماء و محدثین حدیث کی شرح و تحقیق میں بے نظیر خیال کئے جاتے ہیں، ان میں ایک علامہ نووی بھی ہیں، ان کی یہ شرح نہ تو مطول و مفصل ہے، اور نہ بہت مختصر و مجمل، بلکہ متوسط ہے۔ اس کے شروع میں ایک مقدمہ بھی ہے۔ اس میں صحیحین خصوصاً صحیح مسلم کی اہمیت و خصوصیت، امام مسلم کی حدیث میں عظمت و برتری، غیر معمولی احتیاط و کاوش اور وقت نظر وغیرہ کے علاوہ اصول و روایت اور فن حدیث کے مباحث و مصطلحات تحریر کئے گئے ہیں۔ اس شرح کی بعض اہم خصوصیات یہ ہیں:۔

(۱) یہ متوسط اور جامع شرح ہے۔ اس لئے حشو و زوائد اور تکرار و اطناب سے خالی اور فنی نکات و متنوع مطالب و حقائق اور مختلف احکام و آداب، نیز حدیث سے مستنبط ہونے والے مفید مسائل و مباحث پر مشتمل ہے۔

(۲) یہ تحریر و تصنیف کی خوبی و دلکشی سے بھی معمور ہے۔ عبارت میں سلاست و روانی

---

[1] کشف الظنون۔

Marfat.com

اور پیرایہ بیان میں دلآویزی ہے۔

(۳) جو حدیثیں بظاہر مختلف و متضاد نظر آتی ہیں۔ ان میں جمع و تطبیق کی صورتیں بیان کی گئی ہیں اور سند و متن ہر ایک کے فرق و اختلاف کو دور کیا گیا ہے۔

(۴) حدیثوں کے مصالح و حکم اور ان سے مستنبط احکام کے اسرار و علل بیان کئے گئے ہیں۔

(۵) اسناد و رجال کی دقیق بحثیں، ان کے لطائف اور رواۃ کے متعلق گوناگوں معلومات تحریر کی گئی ہیں۔

(۶) ایک حدیث کی شرح اسی نوعیت کی دوسری حدیثوں سے کی گئی ہے اور کہیں کہیں قرآن مجید کی آیتوں سے بھی مدد لی ہے اور دکھایا ہے کہ حدیث فلاں آیت کے موافق ہے جن حدیثوں میں قرآن مجید کی آیات مذکور ہیں۔ ان کی شرح و تفسیر بھی کی ہے، اور اس سلسلہ میں مفسرین کے آراء بھی تحریر کی ہیں، الفاظ حدیث کی وضاحت کے لئے قرآنی آیات سے استدلال بھی کیا گیا ہے۔

(۷) مشکل الفاظ کے ضبط و تحقیق، دقیق فقروں اور جملوں کی وضاحت اور کلام کے اسالیب وغیرہ کا ذکر بھی ہے۔

(۸) متقدین علماء کے اقوال نقل کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا ہے، بلکہ ان کا محققانہ جائزہ لے کر اُن کی قوت و ضعف اور صحت و سقم کی نشاندہی کی گئی ہے، اور جو اقوال قوی و مرجح معلوم ہوئے ہیں ان کے وجوہ ترجیح بھی تحریر کئے گئے ہیں، امام نووی، ابن صلاح اور قاضی عیاض جیسے اکابر فن پر بھی جن کی کتابوں سے انہوں نے بڑا استفادہ کیا ہے نقد و جرح کرتے ہیں۔ اور محدثین و شارحین حدیث کے علاوہ فقہاء اور دوسرے طبقہ و فن کے علماء پر بھی انہوں نے نقد و تعقب کیا ہے، خود امام مسلم بھی ان کی گرفت سے نہیں بچ سکے ہیں چنانچہ کہیں کہیں اُن کے خیالات اور لغوی و فنی مسامحات کا بھی ذکر کیا ہے [1]

---

[1] اس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ وہ اکابر علماء امام مسلم وغیرہ کی عظمت کے قائل نہ تھے۔ بلکہ ان کو ان حضرات کی جلالت قدر کا پورا اعتراف تھا۔ اور انہوں نے امام مسلم کی مہارت و حذاقت فن وقت نظر اور (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۱ پر)

Marfat.com

(۹) حدیثوں کا مفہوم ایسے عمدہ اور دلنشین پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے کہ کوئی اشتباہ و اشکال باقی نہیں رہ گیا ہے۔ امام نووی کی بحث کا طریقہ اور شرح کا انداز یہ ہے کہ پہلے وہ زیر بحث الواب کی روائتوں کے مختلف وجوہ و طرق نقل کر کے ان کے اور متن کے فرق و اختلاف کی تصریح، رجال و روایت پر گفتگو، مشکل اسماء و لغات کی ضبط و تحقیق، راویوں کے مختصر حالات اور فن حدیث میں ان کا درجہ و مرتبہ واضح کرتے ہیں۔ اس کے بعد متن کے مشکلات سے تعرض کر کے ان کا ٹھیک ٹھیک مفہوم بیان کرتے ہیں اور حدیث کے اہم نکات اور اس سے مستنبط ہونے والے احکام و آداب وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ جن امور و مسائل میں اہل فن اور ائمہ فقہ و حدیث کا نقطہ نظر مختلف ہوتا ہے۔ ان کے متعلق اختلافات ذکر کر کے دلائل و شواہد سے مختار و مرجح قول و مسلک کی نشاندہی کرتے ہیں

فن حدیث کے علاوہ اس میں اصول و شرح حدیث، فقہ و احکام، تفسیر و تاریخ، کلام و عقائد، سیر و تراجم، رجال و انساب، لغت و ادب، صرف و نحو، اعراب و امالی اور قرات و تجوید

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۰) حدیث میں احتیاط و تیقظ کی بابت تحسین کی ہے۔ جمہور کی طرح وہ بھی امام بخاری کی عظمت اور ان کی صحیح کی تمام کتب حدیث میں برتری کے قائل ہیں۔ اس شرح میں انہوں نے جابجا صحیح بخاری کے افضل و برتر ہونے کا ذکر بھی کیا ہے اور ان کے نزدیک بعض مغاربہ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ صحیح مسلم حدیث کی سب سے بہتر صحیح کتاب ہے، مگر اس کے باوجود وہ یہ کہتے ہیں کہ [illegible]

مجموعی حیثیت سے نہ سہی لیکن بعض حیثیتوں سے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح حاصل ہے، چنانچہ یہ لکھتے ہیں۔

صحیح مسلم کی بعض منفرد اور امتیازی خصوصیات بھی ہیں، مثلاً سہل اور آسان ہونے کی وجہ سے استفادہ میں سہولت، امام مسلم ہر حدیث کو اس کے مناسب موقع و محل اور موزوں جگہ پر بیان کرتے ہیں، اور اس کے تمام متون طرق و مختلف سندیں اور مختلف الفاظ وغیرہ بھی نقل کرتے ہیں۔ اس سے طالبین فن کے لئے ان کے تمام وجوہ پر نظر کرنا اور استفادہ سہل ہو گیا ہے۔ اس کے برخلاف امام بخاری مختلف وجوہ و طرق کو جدا جدا الواب میں بیان کرتے ہیں اور اکثر حدیثیں ایسے مقامات میں لاتے ہیں، جن کی طرف ذہن بھی منتقل نہیں ہوتا۔ گو اس سے ان کے پیش نظر ایک خاص افادہ [illegible] ۴۴۲

Marfat.com

کے مسائل و مباحث بھی تحریر کئے گئے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ہر فن کی کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں، فنی مباحث سے قطع نظر دوسرے امور و مسائل پر بھی نووی کی بحثیں محققانہ اور پُر مغز ہوتی ہیں، یہ کتاب متعدد بار چھپ چکی ہے۔ اور اس کے بعض خلاصے بھی لکھے گئے ہیں۔

بعض اعتراضات بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کو شافعیت میں غلو تھا، اس لئے وہ مذہب شافعی کو شرح میں زیادہ اہتمام سے نقل کرتے ہیں، اور اسی کو قوی اور مرجح بھی قرار دیتے ہیں، مگر نووی کے حامیوں نے اس الزام کو سراسر غلط قرار دیا ہے، چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں:۔

ومنزہ بود از تعصب شافعیت ومتصف بانصاف ونقل میکرد در کتب خود از اقوال ابوحنیفہ رح	شافعی مذہب کی عصبیت سے پاک اور انصاف پسند تھے، اور اپنی کتابوں میں امام ابوحنیفہ رح کے اقوال و مسالک بھی بیان کرتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے فقہی مذہب کا ذکر زیادہ اہتمام سے کرتے ہیں اور عموماً اسی کو مرجح بھی ثابت کرتے ہیں، ممکن ہے زمانہ کے عام اثر کی وجہ سے ان میں یک گونہ عصبیت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۱) غرض و حکمت ہوتی ہے۔ مگر طلبۂ حدیث کے لئے اس کے جملہ طرق کو جمع کرنا دشوار ہوتا ہے۔ اسی بنا پر متاخرین محدثین کی ایک جماعت کو غلط فہمی ہوئی، اور انہوں نے صحیح بخاری کی بعض حدیثوں کے بارے میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اس میں نہیں ہیں، حالانکہ وہ موجود ہوتی ہیں (مقدمہ نووی بر شرح مسلم)

نیز لکھا ہے کوئی شخص بھی علم الاسناد کی ان دقیق باتوں میں جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، امام مسلم کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ ان کی کتاب میں صنعت اسناد کی بعض ایسی خصوصیات ہیں جو اس کو صحیح بخاری سے بھی ممتاز کر دیتی ہیں۔

جس طرح امام مسلم کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے اسی طرح جہاں ان کو امام مسلم پر کئے جانے والے اعتراضات لغو اور بے وزن معلوم ہوتے ہیں ان کی پرزور تردید کرکے امام مسلم کے نقطہ نظر کی حمایت کی ہے، اس سے ان کے زور استدلال نقد و نظر کی قوت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

بھی رہی ہو، تاہم ان میں رواداری اور حق پسندی بھی تھی۔ اس لئے وہ اپنے مرجوح مسلک کے دلائل وشواہد بھی بیان کرتے ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نیک نیتی کے ساتھ ہی کسی مسلک کے قوی اور ضعیف ہونے کے قائل رہے ہوں گے، وہ دوسرے ارباب مذہب اور ائمۂ فقہ کے مسالک نقل کرنے سے اغماض بھی نہیں برتتے۔ مشہور فقہائے صحابہ وتابعین اور ائمۂ ثلاثہ کے علاوہ انہوں نے فقہائے امصار کے مذہب بھی نقل کئے ہیں۔ بلکہ اُن کی وسیع النظری اور رواداری نے فرق ضالہ، خوارج، معتزلہ اور روافض کے مذہب واقوال نقل کرنے سے بھی ان کو باز نہیں رکھا ہے، اس لئے وہ ان کے اقوال ذکر کرکے ان کی تردید کرتے ہیں۔

امام ابو محمد عبد المومن دمیاطی

(متوفی ۷۰۵ھ)

نام ونسب عبد المومن نام، ابو محمد کنیت، شرف الدین لقب اور نسب نامہ یہ ہے:
عبد المومن بن خلف بن ابی الحسن بن شرف بن خضر بن موسیٰ[1]

ولادت ووطن ۶۱۳ھ کے اواخر میں تونہ میں پیدا ہوئے اور دمیاط میں نشوونما پائی
بعض لوگوں نے ان کا مولد بھی دمیاط ہی بتایا ہے[2] اس لئے وہ تونی اور دمیاطی دونوں کہلا[تے]
ہیں۔ تونہ دمیاط اور تنیس کے قریب ایک گاؤں کا نام ہے، اور دمیاط ساحل سمندر کے کنارے [مصر]
ایک بڑا مشہور اور سرسبز وشاداب شہر ہے، بعض لوگوں نے اس کا تلفظ دال مہملہ کے بجائے ذال [معجمہ]
سے (ذمیاط) لکھا ہے، مگر یہ خود دمیاطی کی تصریح کے خلاف ہے اور علامہ سمعانی نے بھی اس کی
تردید کی ہے[3]

اساتذہ دمیاطی کے شیوخ کی تعداد بے شمار ہے، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:
ابن قمیرہ، ابن مسلمہ، ابن مقیر، ابو القاسم بن رواحہ، ابو نصر بن علیق، ابراہیم بن خیر، [ز]کی الدین
عبد العظیم منذری، صفیہ قرشی، ظافر بن شحم، عبد الخالق البسری، علم بن صابونی، علی بن زید ا[لتساری]
علی بن مختار، عیسٰی خیاطی، منصور بن دباغ، موہوب بن جوالیقی، یوسف بن خلیل، یوسف بن [م]عطی

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۴ وشذرات الذہب ج ۶ [2] الدرر الکامنہ ج ۲ [3] بستان المحدثین
[4] ایضاً وکتاب الانساب

المحلی وغیرہ حافظ زکی الدین منذری اور یوسف بن خلیل سے ان کو زیادہ اور خاص تعلق تھا۔

تلامذہ | تلامذہ کی تعداد بھی بے شمار ہے، چند کے نام یہ ہیں:۔

ابوالحسین یونینی، ابوحیان اندلسی، شیخ اثیر الدین، شیخ تقی الدین سبکی، صاحب کمال الدین بن عدیم، قاضی علم الدین اخنائی، علم الدین برزالی، تقی الدین ابوالفتح بن سیدالناس یعمری، فخرالدین نویری، قطب الدین عبدالکریم، شیخ محمد بن محمد ابیوردی، محی الدین نووی۔

دمیاطی کے تلامذہ کی فہرست میں ان کے معاصرین واقران اور بعض شیوخ بھی شامل ہیں، اور ان کے بعض تلامذہ جیسے شیخ ابیوردی اور ابن عدیم وغیرہ ان سے سن وسال میں بڑے تھے اور دمیاطی سے مدتوں پہلے ان کی وفات بھی ہوگئی تھی۔

طلب علم کے لئے سفر | دمیاط میں علم وفن کی تحصیل کے بعد انہوں نے [illegible] بغداد، حلب، حماۃ، ماردین حران، دمشق، عراق، حرمین اور جزیرہ کا سفر کیا، حرمین دو بار تشریف لے گئے، اور دمشق میں عرصہ دراز تک قیام کیا۔

ذوق علم | ان کو علم وفن سے اشتغال وتعلق تھا، اور اس کے لئے انہوں نے طویل [illegible] شہروں کا سفر کیا اور ابن خلیل اور صغانی کی بے شمار کتابیں [illegible] تحصیل کے بعد ان کی نشر واشاعت کا کام بھی بڑی دلچسپی اور شوق سے انجام دیا۔

حفظ وثقاہت | ان کے ضبط وثقاہت، حفظ واتقان اور عدالت [illegible] اتفاق ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ "صدق ودیانت اور حفظ واتقان میں سرآمد روزگار تھے"، سیوطی کا بیان ہے کہ "وہ حاذق، حافظ اور متقن تھے"، ذہبی نے ان کو "الحافظ الحجۃ"، ابن کثیر نے "الحافظ الکبیر"، ابن حجر نے "حافظ الحدیث" اور یافعی وابن عماد نے "حافظ وقت" کہا ہے، ابوالحجاج مزی فرماتے ہیں کہ "میں نے حفظ حدیث میں ان سے بلند پایہ شخص نہیں دیکھا"، ابوحیان جب ان کے واسطے سے کوئی روایت بیان کرتے تو کہتے کہ "مجھ سے حافظ [illegible]

۱؎ تذکرۃ الحفاظ ج ۴ والدرر الکامنہ ج ۱ [illegible] ۲؎ ایضاً [illegible] ص ۴ [illegible]

نے روایت کی ہے[1]۔

حدیث میں درجہ ومرتبہ | حدیث میں دمیاطی کی بلند پائیگی اور عظمت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ سیوطی نے مصر کے اکابر حفاظ و ناقدین حدیث میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کو "شیخ المحدثین" لکھا ہے، حافظ ابن کثیر نے ان کے کمالات گناتے ہوئے ان کے علوئے اسناد، کثرت روایت اور جودت درایت وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے، نواب صدیق حسن خاں صاحب صاحب فوات کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ علامہ دمیاطی کثرت روایت اور حسن مذاکرہ وغیرہ میں ممتاز تھے، برزالی کا بیان ہے کہ وہ بلند پایہ اصحاب روایت و درایت اور نامور حفاظ و محدثین میں آخری شخص تھے" صاحب شذرات نے ان کو "بقیۃ نقاد الحدیث بتا ہے۔ حافظ ابن حجر حدیث میں ان کی امامت فن کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس فن میں ان کے کمال پختگی، تبحر اور عظمت کا ثبوت یہ ہے کہ وہ حدیث کی طلب وجستجو اور جمع وتخریج کرنے کے بعد مسند درس پر متمکن ہوئے اور اپنے شیوخ واساتذہ کی زندگی ہی میں درس املا کرانے لگے تھے، اور ان کے رفقاء ومعاصرین کی ایک بڑی تعداد نے ان سے حدیثیں لکھی اور روایت کی ہیں[2]۔

فقہ | تفقہ واجتہاد میں ممتاز اور اکابر فقہائے شافعیہ میں شمار کئے جاتے تھے، تمام مؤرخین نے ان کے فقہی کمالات اور اجتہادی شان کا ذکر کیا ہے، انھوں نے پہلے اپنے وطن میں اس فن کی تحصیل کی اور اس میں مہارت بہم پہنچانے کے بعد علم حدیث کی جانب اعتنا کیا، مزی کا بیان ہے کہ ان کا مطالعہ فقہ اور فقہی معلومات وسیع تھے[3]۔

قرأت | علوم قرأت وتجوید میں بھی درک رکھتے تھے، اور قرآت سبعہ کے ماہر تھے ان کی تحصیل مشہور صاحب فن کمال ضریر سے کی تھی، صاحب فوات کا بیان ہے کہ م

---

[1] والبدایہ ج ۱۴ و حسن المحاضرہ ج ۱ و بستان المحدثین [2] تذکرۃ ج ۴ والدرر الکامنہ ج ۲ والبدایہ والنہایہ ج ۱۴، حسن المحاضرہ ج ۱ و بستان المحدثین [3] ایضاً

مقری، سریع القرأۃ اور مجود بارع تھے[1]

نحو، لغت و عربیت | ان کو نحو، لغت اور عربیت میں بھی عبور حاصل تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ عربیت میں صاحب کمال وجید اور الفاظ و لغات کے وسیع النظر عالم تھے، صفدی کا بیان ہے کہ "وہ لغوی، نحوی اور فصیح تھے[2]"

انساب | نسب دانی میں بھی معروف و ممتاز تھے، مورخین نے ان کو انسابہ اور رأساً فی النسب لکھا ہے، حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ "علم انساب میں علامہ دمیاطی متقدمین پر فوقیت رکھتے تھے[3]"

شعر و سخن | نثر کی طرح اقلیم شعر و سخن کے تاجدار بھی تھے، علم حدیث کی فضیلت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

علم الحدیث له فضل و منقبة   ینال العلاء به من کان معتنیا

علم حدیث کی بڑی فضیلت و اہمیت ہے، اس کی جانب اعتنا کرنے والا بلندی سے ہمکنار ہوتا ہے۔

ما حازه ناقص الا و کمله   او حازه عاطل الا به حلیا

ناقص اور زیور کمال سے عاری شخص بھی اس کی تحصیل و تدوین کر کے کامل اور مزین ہو جاتا ہے

کتاب و سنت کے علم کی برتری اور منطق و کلام کی مذمت میں فرماتے ہیں:

وما العلم الا فی کتاب و سنة   وما الجهل الا فی کلام و منطق

علم صرف کتاب و سنت کے اندر ہے، اور کلام و منطق تمام تر جہالت کا نام ہے

وما الخیر الا فی سکوت بجنبه   وما الشر الا فی کلام و منطق[4]

بھلائی اس خاموشی میں ہے جو نیکی کے خیال سے اختیار کی جائے اور شر و فساد گفتگو اور گویائی میں ہے

جامعیت | غرض وہ علامۂ دہر اور مختلف علوم و فنون کے ماہر و جامع تھے، حافظ ابن حجر

---

۱ تذکرۃ ج ۴ والدرر الکامنہ ج ۲ و اتحاف النبلاء ۲ ایضاً ۳ الدرر و حسن المحاضرۃ ج ۱

۴ بستان المحدثین

فرماتے ہیں کہ وہ مختلف چیزوں میں یگانہ و یکتا اور بے مثل تھے اور صفدی کا بیان ہے کہ وہ "کثیر الفنون" تھے ابن عماد لکھتے ہیں کہ "ان کے کمالات نہایت متنوع اور گوناگوں تھے"[1]

جامعیت و مرجعیت ان گوناگوں کمالات اور مختلف علوم میں جامعیت نے ان کی شخصیت کو بڑی پر عظمت اور نہایت جلیل القدر بنا دیا تھا۔ اس لئے وہ مقبول و مرجع انام ہو گئے تھے اور امام و مقتدا کہلاتے تھے۔ ابن عماد کہتے ہیں کہ وہ ائمہ اعلام میں تھے، مزی کا بیان ہے کہ عالی قدر اور بلند پایہ تھے، حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ دور دراز علاقوں سے علم و فن کے شائقین اور طلبہ ان کی خدمت میں جوق در جوق آ کر ان سے فیضیاب ہوتے تھے[2] حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ وہ طلبہ فن کے محبوب اور ہر دلعزیز اور بڑے محترم، باوقار اور پر جلال شخصیت کے مالک تھے[3]

تدین و تقوی علم و فضل کے ساتھ زہد و اتقا اور تدین میں بھی ممتاز تھے ان کی دیانت اور دیانت داری کا اہل سیر نے ذکر کیا ہے، حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے تھے، اکثر روزہ رکھتے اور ابن کثیر کا بیان ہے کہ اسی حالت میں ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تھی[4]

اخلاق و عادات وہ بڑے خلیق، متواضع اور بے نفس تھے، تذکرہ نگاروں نے ان کی خوش خلقی، شرافت نفس، حسن اخلاق اور تواضع کا ذکر کیا ہے[5] ان کی مقبولیت و مرجعیت میں ان کی شرافت، خوش معاملگی اور پاکیزہ خوئی کو بھی دخل تھا۔

لطافت و ظرافت مزاج میں خشکی اور تقشف نہ تھا۔ اس لئے مزاح و تفنن کی باتیں بھی کرتے تھے، ان کی خوش طبعی اور ظرافت کا ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن وہ کسی مجلس میں تشریف لے گئے، لوگ حدیثیں پڑھ رہے تھے کسی مقام پر عبداللہ بن سلام کا نام آیا تو قاری نے اس کو سلام کی تشدید کے ساتھ پڑھا، دمیاطی نے فوراً کہا: سلام علیکم۔

---

[1] الدرر الکامنہ ج ۲ و شذرات ج ۶ [2] شذرات الذہب ج ۶ والبدایہ ج ۱۴ و تذکرۃ الحفاظ ج ۴

[3] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ الدرر الکامنہ ج ۲ والبدایہ ج ۱۴ [4] ایضاً و اتحاف النبلاء۔

لام سلام "اس طرح قاری کو اپنی غلطی پر تنبہ ہوگیا[1]

سائش وفراغت | اللہ تعالیٰ نے ان کو فارغ البالی اور کشادگی عطا کی تھی، اور وہ اعلیٰ
ہم عہدوں پر فائز تھے[2]

فقہی مسلک | پہلے ذکر آچکا ہے کہ وہ اکابر شوافع میں شمار کئے جاتے تھے، لیکن ان کو
ن مذہب میں غلو نہ تھا، بلکہ ان کے مزاج میں بڑی انصاف پسندی تھی، ... شافعی کو ...
رس دیتے تھے اگر ان کو ..... یہ کہنے میں تامل نہ ہوتا کہ اس کے اکثر الفاظ ائمہ کی روایت
کے مطابق نہیں ہیں۔

امام شافعی کے مذہب و مسلک سے وابستہ ہونے کے باوجود وہ دوسرے ائمہ کی
عظمت و احترام کا پورا خیال رکھتے تھے، امام مالک کی مدح و تعریف میں ... الامکان
رہتے کہ بعض لوگ ان کو مالکی المذہب خیال کرتے تھے[3]

منطق و کلام سے نفرت و بیزاری | وہ نہایت راسخ العقیدہ مسلمان اور اہل سنت و جماعت
کے مسلک کے پیرو تھے، اس لئے منطق و کلام میں انہماک و توغل کو سخت ناپسند کرتے تھے
ان کے زمانہ میں ممالک اسلامیہ خصوصاً مصر میں یونانی علوم اور منطق و کلام کا غلغلہ بلند تھا اور
کتاب و سنت کے بجائے انہی علوم کے مسائل و مباحث کی جانب لوگوں کی توجہ
مبذول ہوگئی تھی۔ تاتاریوں کے حملہ اور سقوط بغداد کے بعد نصیر الدین طوسی اور ان کے تلامذہ نے منطق
و فلسفہ کا ... زور شور سے بلند کیا کہ کتاب و سنت سے عام دلچسپی ... اور
لوگ مذہب کے متعلق شک و تذبذب میں مبتلا ہونے لگے، عام محدثین و فقہاء میں اس سے
مقابلہ کی قوت نہ تھی، اس کی سرکوبی کے لئے اللہ نے اس صدی کے عظیم المرتبت
نامور مجتہد اور مجدد اعظم شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کا انتخاب کیا، جنہوں نے یونانی منطق و فلسفہ
کی مدلل تردید و تنقید کو اپنا خاص موضوع بنایا اور ان کے نوک قلم نے اس فتنہ کی جڑ اکھیڑ دی

---

[1] الدرر الکامنہ ج ۴ و بستان المحدثین [2] ایضاً [3] بستان المحدثین

جن گنے چنے محدثین نے یونانی افکار وعلوم کی آمیزش سے اسلامی علوم اور غیر اسلامی عناصر سے اسلام کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی ان میں امام دمیاطی کا نام بھی ہے۔ ان کو منطق و کلام سے بڑی نفرت تھی، اس کا نمونہ ان کی شاعری میں بھی ملتا ہے، اس کی مثال پہلے گذر چکی ہے یہاں منطقیین اور فلاسفہ کی رد میں ان کی ایک تحریر کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

"منطقیوں پر علمائے حق نے اس لئے نکیر کی ہے کہ انہوں نے علوم عقلیہ کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے اور وہ ان فضائل عقلی علوم میں پڑکر کتاب وسنت اور علوم نقلیہ سے غافل اور بے پروا ہوگئے ہیں، ان لوگوں کی منطق و فلسفہ سے اس قدر الفت و دلچسپی کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس سے واقفیت کے بغیر آدمی خوش اسلوبی سے گفتگو ہی نہیں کر سکتا، حالانکہ یہ سراسر مضحکہ خیز بات ہے۔ کیا امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے اس فن کی تحصیل کی تھی کیا امام ابوحنیفہؒ اور ایاس بن معاویہؒ کی ذہانت وطباعی اور عمرو بن عاص کی سیاست وفراست منطق ہی کی بدولت تھی، کیا سفیان ثوریؒ کے کمالات اس کے رہین منت تھے اور کیا قس سحبان کی فصاحت وطلاقت لسانی، اس میں مشق و ممارست ہی کا نتیجہ تھی؟ کیا کوئی شخص ان حضرات کو بحث اور مجت وگفتگو میں عاجز و قاصر تصور کر سکتا ہے؟ حالانکہ ان لوگوں کو اس فن میں کوئی دخل نہیں تھا۔ پھر اس لایعنی اور بے سود فن کے درپے ہو کر اس کے لئے غیر معمولی ریاضت ومشقت اٹھانا کس قدر حیرت انگیز ہے؟ یقیناً شیطان نے ان لوگوں کو دھوکے اور فریب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض اہل قلم کو اس کے مطالعہ میں غلو وانہماک نہیں ہوتا، مگر اس کے باوجود کیا یہ اس کی کم مضرت ہے کہ انسان بے سود باتوں میں الجھ کر رہ جائے جن سے اللہ تعالیٰ نے اس کو مستغنی اور بے نیاز بنایا ہے۔

عام منطقیوں کا خاص منتہائے نظر اور اہم مرکز توجہ یہی غیر مفید فن ہے اور اس کو ثابت شدہ حقائق ومسلمات کا آلہ وذریعہ بنائے ہوئے ہیں اس لئے وہ اس میں سعی بلیغ سے کام لیتے ہیں اس کی تحصیل میں اپنی عمریں ضائع کرتے ہیں، کیا ان لوگوں کو ہادی برحقؐ کے اس ارشاد کی

نہیں کہ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو تختیوں پر توراۃ لکھ کر محفوظ کرتے دیکھا تو غضبناک ہو کر فرمایا کہ اگر حضرت موسیٰؑ بھی اس وقت زندہ ہوتے تو ان کے لئے میری اتباع سے مفر کی کوئی صورت نہ ہوتی۔ جب آپؐ نے حضرت موسیٰؑ کی سرتاپا نور کتاب میں حضرت عمرؓ کے توغل اور غیر معمولی انہماک کو پسند نہیں فرمایا، تو آخر اس فن کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے جو متکلمین اور گم کردہ راہ لوگوں کی وضع و اختراع کا نتیجہ اور تمام تر کذب و افتراء کا مجموعہ ہے۔ کس قدر افسوس اور تعجب اُن منطقیوں پر ہے جو ضلالت و تاریکی میں بھٹک رہے ہیں۔[1]

وفات | امام دمیاطی کا کبرسنی میں اچانک انتقال ہوا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز درس دینے کے بعد ان پر غشی طاری ہوئی۔ ان کے شاگرد ان کو گھر لائے، یہاں پتہ چلا کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ ابن کثیر کا بیان ہے کہ وہ اس دن روزے سے تھے۔ تاریخ وفات ۱۰ یا ۱۵ ذوقعدہ ۷۰۵ھ بتائی جاتی ہے۔ دوسرے دن باب النصر کے مقبرہ میں دفن کئے گئے۔ جنازہ میں بڑا مجمع شریک تھا۔[2]

حلیہ | وہ نہایت شکیل و جمیل اور بڑے وجیہ تھے۔ اس لئے ان کو ابن الماجد کہا جاتا تھا۔ خوبصورتی کے اظہار کے لئے مصر و دمیاط میں یہی کہا جاتا تھا۔ چنانچہ اگر کسی دلہن کے غیر معمولی حسن و جمال کی تعریف کی جاتی تھی، تو کہتے تھے۔ دلہا ابن الماجد (گویا وہ ابن الماجد ہے۔)[3]

تصنیفات | دمیاطی کثیر التصانیف تھے۔ حدیث، رجال، فقہ اور لغت وغیرہ میں ان سے عمدہ اور بیش قیمت کتابیں یادگار ہیں۔ ان سب کو ان کے زمانہ میں بڑی شہرت و مقبولیت حاصل تھی، مگر اب غالباً سب نایاب ہیں۔

(۱) کتاب المتجر الرابح فی ثواب العمل الصالح۔ یہ ایک ... کے بقدر ہے۔ اس میں حدیثوں کے اسناد و متون دونوں ذکر کئے گئے ہیں۔

(۲) تسباعیات مطلقہ (۳) کتاب ذکر ازواج النبی واولادہ واسلافہ (۴) کتاب الذکر والتسبیح

[1] بستان المحدثین [2] ایضاً و تذکرۃ ج ۴ ص ... والبدایہ ج ۱۴ [3] ... ج ۱

اعقاب الصلوٰۃ (۵) العقد الثمین فیمن اسمہ عبدالمومن (ایک جلد)۔

(۶) کتاب فضل الخیل۔ محدثین کے طریقہ پر ایک جلد میں مرتب کی گئی ہے، مدینہ کے کتب خانہ شیخ الاسلام میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے [1]

(۷) کتاب فضل صوم ست من شوال۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اس کو مفید، جید اور بے نظیر کتاب بتایا ہے۔

(۸) قبائل الخزرج والاوس (ایک جلد میں)۔

(۹) کشف المغطی فی تبیین الصلوٰۃ الوسطیٰ، یا کتاب الصلوٰۃ ایک جلد میں عمدہ کتاب ہے۔

(۱۰) المتجر الرابح فی ثواب العمل الصالح (۱۱) مجالس بغدادیہ (۱۲) مجالس دمشقیہ۔

(۱۳) مختصر السیرۃ النبویہ (یا سیرت مشہورہ) ایک جلد میں سیرت پر عمدہ کتاب ہے۔ اس کے بعد اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، یہ ان میں سے اکثر کا ماخذ ہے، اہل تذکرہ کا بیان ہے کہ یہ تمام علمائے سیرت کے لئے رہبر کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۱۴) معجم۔ اس میں تیرہ سو (۱۳۰۰) سے زائد شیوخ کے ناموں کو چار جلدوں میں جمع کیا گیا ہے مگر صاحب کشف الظنون کا بیان ہے کہ یہ ایک ہزار شیوخ کے ناموں پر مشتمل ہے۔

علامہ دمیاطی کی تصنیفات میں چند اربعینیات بھی ہیں:

(۱۵) اربعین تساعیات الاسناد والابدال (۱۶) اربعین حنبلیہ فی احکام النبویہ (۱۷) اربعین فی الجہاد (۱۸) اربعین متباینۃ الاسناد (۱۹) اربعین موافقات عوالی۔

ان کی بعض تصنیفات متفرق حدیثوں پر مشتمل ہیں۔

(۲۰) مأۃ تساعیہ فی الموافقات والابدال العالیہ

---

(۱) مقالات سلیمان دوم (۲) بستان المحدثین

امام ولی الدین خطیب تبریزی

(متوفی بعد ۷۳۷ھ)

نام ونسب | محمد نام، ابوعبداللہ کنیت اور ولی الدین لقب تھا، ابن خطیب تبریزی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں، باپ کا نام عبداللہ اور دادا کا نام محمد تھا۔

خاندان و وطن | آذربائیجان کے مشہور شہر تبریز کو ان کے وطن ہونے کا فخر حاصل ہے، اسی کی نسبت سے وہ تبریزی کہلاتے تھے، اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق سے نسبی تعلق تھا، اس بنا پر عمری بھی کہلاتے تھے۔

اساتذہ | ان کے ایک ذی شان شیخ حسین بن عبداللہ طیبی کا نام معلوم ہو سکا [illegible] اور انہیں کی خواہش سے مشکوٰۃ المصابیح مرتب کی تھی جس کی خود شیخ نے [illegible] شرح لکھی، حافظ ابن حجر طیبی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

وامر بعض تلامذته [illegible] بالتقاطها	انہوں نے اپنے ایک شاگرد کو امام بغوی
ان یسیر علی طریقة فیجمعه	کی مصابیح کو اپنی [illegible]
وسماه بالمشکوٰة وشرحه	[illegible] مشکوٰۃ [illegible]
شرحه له	بعد اس کی شرح لکھی۔

ل الدرر الکامنہ ج ۲

Marfat.com

تلامذہ | شاگردوں میں بھی صرف ایک ہی نام امام الدین علی بن مبارک شاہ ساوجی کا ملتا ہے، حافظ مزی کے خاص شاگرد تھے، اور مشکوٰۃ ان ہی کی روایت سے رائج اور مشہور ہوئی حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے خلف رشید حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے اپنی مشکوٰۃ کی سندیں بیان کرتے ہوئے ان کا نام تحریر کیا ہے[۱]

علم وفضل | ملا علی قاری فرماتے ہیں "وہ علم وفضل اور حقائق ودقائق کا بحر بیکراں تھے، ان کی کتابیں ان کے وسعت علم ونظر اور غیر معمولی فضل وکمال پر شاہد ہیں[۲]"، بلاشبہ مشکوٰۃ تبریزی کے فضل وکمال، علمی تبحر اور حدیث میں عظمت وبرتری کا ثبوت ہے۔

زہد وورع | جن مصنفین نے خطیب تبریزی کا ذکر کیا ہے، وہ ان کے علم وفضل کی طرح صلاح وتقویٰ کے بھی معترف ہیں، ان کے استاذ علامہ طیبی نے ان کو "بقیۃ الاولیاء قطب الصلحاء" اور ملا علی قاری نے "تقی نقی" لکھا ہے[۳]

فقہی مسلک | مشکوٰۃ کی ترتیب وتبویب سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شافعی المذہب تھے

وفات خطیب تبریزی کے حالات زندگی پردۂ خفا میں ہیں، اس لیے ان کے سنہ ولادت کی طرح سنہ وفات کا بھی علم نہ ہو سکا مگر یہ مسلّم ہے کہ ۷۳۷ھ کے بعد ان کا انتقال ہوا تھا، کیونکہ اسی سال وہ مشکوٰۃ کی ترتیب وتالیف سے فارغ ہوئے تھے۔

تصنیفات | ان سے دو کتابیں یادگار ہیں، ممکن ہے انہوں نے اور کتابیں بھی لکھی ہوں جو اب ناپید ہیں:۔

۱۔ **مشکوٰۃ المصابیح**۔ یہ حدیث کی بڑی اہم اور مقبول کتابوں میں ہے، اور صحاح ستہ اور دوسری مستند کتب حدیث کا مجموعہ ہونے کی بنا پر خود بھی بہت معتبر سمجھی جاتی ہے، اس کی ترتیب اور تالیف میں امام بغوی کی مشہور کتاب مصابیح السنہ پر اعتماد کیا گیا ہے، اور یہ دراصل اس کا تکملہ اور ذیل ہے، تبریزی نے اپنے استاذ علامہ طیبی کے مشورہ وایماء سے اس کو مرتب

---

[۱] اتحاف النبیہ ودیباچہ نافعہ [۲] مقدمہ مشکوٰۃ از ابوبکر شاد لیشی، [۳] مقدمہ مشکوٰۃ از ابوبکر شاد لیشی۔

کیا تھا، علامہ طیبی فرماتے ہیں :۔

"مجھ میں اور میرے دینی بھائی محمد بن عبداللہ خطیب میں ایک مجموعۂ احادیث مرتب کرنے کے لئے مشورہ ہوا، اور طے پایا کہ مصابیح کا تکملہ لکھا جائے، اور اس کو از سر نو مرتب کیا جائے، چنانچہ انہوں نے میری خواہش کے مطابق پوری محنت و جانفشانی سے یہ مجموعہ مرتب کیا۔"

خود خطیب تبریزی کو بھی اعتراف ہے کہ انہوں نے یہ کتاب اپنے استاذ کی مدد اور مشورہ سے لکھی۔

گو مشکوٰۃ المصابیح مصابیح السنہ کا تکملہ ہے، تاہم اس میں کہیں کہیں حذف و اضافہ سے کام لیا گیا ہے، اس کی وجہ سے دونوں میں کسی قدر فرق بھی ہو گیا ہے، اور مشکوٰۃ کی حدیثوں کی تعداد بھی مصابیح سے زیادہ ہو گئی ہے، مشکوٰۃ کے اضافے کی نوعیت حسب ذیل ہے :۔

۱۔ امام بغوی نے اختصار کے خیال سے سندیں حذف کر دی تھیں اور کتابوں کے حوالے بھی نہیں دیئے تھے، خطیب تبریزی نے حوالے بھی دے دیئے ہیں، اور ان صحابہ کے نام بھی تحریر کیے ہیں، جن سے حدیثیں مروی ہیں، اس کی وجہ سے ہر حدیث کا ماخذ بھی معلوم ہو جاتا ہے اور اس کی صحت و قوت اور درجہ و مرتبہ کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں :۔

"امام ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی کی کتاب المصابیح اپنے موضوع پر بہت جامع کتاب ہے۔ اس میں مختلف و متفرق حدیثوں کو نہایت خوبی سے ضبط کیا گیا ہے، مگر اختصار کی بناء پر سندیں حذف کر دی گئی ہیں، یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا ہے حالانکہ بغوی جیسے مستند شخص کا نقل کرنا ہی سند کی حیثیت رکھتا ہے[۲]۔"

۲۔ امام بغوی نے ہر ہر باب میں دو ہی فصلیں قائم کی تھیں، لیکن امام تبریزی نے عموماً

---

[۱] کشف الظنون ج ۲ [۲] دیباچۂ مشکوٰۃ

تین فصلیں قائم کی ہیں۔ پہلی فصل میں تو بغوی کی طرح صرف صحیحین کی روایتیں درج کی ہیں اور دوسری میں ان ائمہ کے علاوہ جن سے بغوی نے روایتیں نقل کی ہیں بعض دوسرے ائمہ فن کی کتابوں کی حدیثیں بھی شامل کر دی ہیں، اور تیسری فصل میں جو بغوی کے یہاں نہیں ہے، مرفوع حدیثوں کے علاوہ ابواب کے مناسب آثار صحابہ و تابعین نقل کرکے راویوں کے نام اور کتابوں کے حوالے دے دیئے ہیں، جیسا کہ لکھتے ہیں:۔

"ترتیب و تبویب میں صاحب مصابیح کی پیروی کی گئی ہے، البتہ ہر باب کو عموماً تین فصلوں میں منقسم کیا گیا ہے، پہلی فصل میں شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی حدیثیں جمع کی گئی ہیں اور دوسری فصل میں ائمہ صحاح (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی) کے علاوہ جن سے شیخ نے روایتیں نقل کی ہیں، امام مالک، شافعی، احمد، دارقطنی، بیہقی اور رزین ابن معاویہ وغیرہ کے مرویات بھی شامل کئے گئے ہیں، تیسری فصل میں مقررہ شرطوں[۱] کے مطابق اس کے ابواب کے ہم معنی سلف و خلف سے منقول مناسب الحاقات درج ہیں[۲]"

۳۔ صاحب مصابیح نے جن حدیثوں کی غرابت یا ضعف و نکارت کی جانب صرف اشارہ کیا ہے، صاحب مشکوٰۃ نے اس کی غرابت یا ضعف و نکارت کے وجوہ بھی بتا دیئے ہیں اور جن کے بارے میں انہوں نے سکوت اختیار کیا ہے، ان کے سلسلہ میں صاحب مشکوٰۃ نے بھی سکوت سے کام لیا ہے، البتہ بعض جگہ کسی خاص مصلحت و ضرورت کے تحت بعض وضاحتیں کی ہیں، جیسے ان روایتوں کے سلسلہ میں جن پر کوئی طعن کیا گیا ہے، اور امام بغوی نے ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے تو ان کے سکوت کے باوجود امام تبریزی نے ان کی اصل حقیقت واضح کر کے یہ بتایا ہے کہ وہ حسن ہیں یا ضعیف؟

۴۔ جن حدیثوں کو صاحب مصابیح نے مکمل نہیں نقل کیا ہے، امام تبریزی نے کسی خاص مصلحت کے تحت ابواب کی مناسبت سے ان کو مکمل ذکر کیا ہے۔

---

[۱] مقررہ شرطوں سے صحابہ یا تابعین کے ناموں اور حوالوں کی تخریج مراد ہے [۲] دیباچہ مشکوٰۃ۔

حذف واختصار اس طور پر کیا گیا ہے۔

۱۔ مصابیح کی مکرر حدیثوں کو مشکوٰۃ میں تکرار کی وجہ سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

۲۔ مفصل اور طویل روایتوں کی غیر ضروری طوالت وتفصیل کو حذف کر کے مختصر روایتیں نقل کی گئی ہیں۔

۳۔ امام بغوی نے جن طویل حدیثوں کو کسی ایک ہی باب میں تحریر کیا ہے امام تبریزی نے ان کے کچھ حصے تو اسی باب میں نقل کئے ہیں، مگر دوسرے حصوں کو ان کے مناسب دوسرے باب میں نقل کیا ہے۔

استدراک مشکوٰۃ میں کہیں کہیں بغوی پر استدراک بھی کیا گیا ہے، جیسے مصابیح کی پہلی فصل میں بعض ایسی حدیثیں شیخین کی جانب منسوب کی گئی ہیں، جو درحقیقت ان کے بجائے دوسرے محدثین کی کتابوں میں مذکور ہیں، اسی طرح دوسری فصل کی بعض حدیثیں جو شیخین کے بجائے اور ائمہ حدیث کی جانب منسوب کی گئی ہیں، حالانکہ وہ شیخین کی کتابوں میں درج ہیں، امام تبریزی نے ان دونوں قسموں کی غلطیوں کی تصحیح کر دی ہے۔ اس کی وجہ سے مشکوٰۃ کی پہلی فصل میں بعض دوسرے ائمہ کی اور دوسری فصل میں شیخین کی حدیثیں بھی شامل ہوگئی ہیں، لیکن تبریزی نے اس طرح کے مواقع پر تصریح وصراحت کر دی ہے۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ امام تبریزی نے امام بغوی ہی کی تحقیق پر اعتماد کر لینے کو کافی نہیں سمجھا ہے، بلکہ خود بھی مراجعت کر کے حدیثوں کے بارے میں چھان بین کی ہے، جیسا کہ تحریر فرماتے ہیں۔

" اگر تم کو مشکوٰۃ کی پہلی اور دوسری فصلوں میں اصل کتاب (مصابیح) سے کوئی فرق واختلاف نظر آئے، مثلاً پہلی فصل میں شیخین کے علاوہ اور ائمہ حدیث کی یا دوسری فصل میں شیخین کی روایتیں درج ملیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے خود بھی تحقیق وکاوش کی ہے اور حمیدی کی الجمع بین الصحیحین اور ابن اثیر کی جامع الاصول کا تتبع کر کے شیخین کے متن پر

Marfat.com

اعتماد کیا ہے [1]۔"

ایک اور جگہ اپنی تلاش و تفحص کا اس طرح ذکر کرتے ہیں :۔

"میں نے حدیثوں کی تلاش و جستجو اور تحقیق و تفتیش میں اپنے امکان بھر پوری جد و جہد کی ہے [2]۔"

شروح و حواشی مشکوٰۃ المصابیح کی اہمیت و مقبولیت کا یہ بھی ثبوت ہے کہ محدثین اور علمائے فن نے اس کے ساتھ بڑا اعتنا کیا ہے، اور اس کی متعدد شرحیں، تعلیقات اور حواشی لکھے گئے ہیں، اور فارسی، اردو، انگریزی اور ترکی زبانوں میں اس کے ترجمے کئے گئے ہیں۔

شرحوں اور حواشی کے نام یہ ہیں :۔

۱۔ **الاکمال فی اسماء الرجال**۔ یہ رسالہ خود خطیب تبریزی کی تصنیف ہے، اس میں انہوں نے مشکوٰۃ کے رجال پر گفتگو کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو لکھ کر انہوں نے جب اپنے استاد علامہ طیبی کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے مشکوٰۃ کی طرح اس کو بھی بہت پسند کیا تھا، اس کے قلمی نسخے کئی کتب خانوں میں ہیں، اور یہ چھپ بھی گیا ہے۔

۲۔ **الکاشف عن حقائق السنن**۔ یہ علامہ طیبی کی شرح ہے، خطیب تبریزی کی اس سے بڑھ کر خوش نصیبی اور مشکوٰۃ کی مقبولیت اور اہمیت اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود ان کے استاذ نے شرح لکھی، چنانچہ فرماتے ہیں :۔

"جب وہ مشکوٰۃ کی تالیف مکمل کر چکے تو میں اس کی شرح لکھنے کے لئے کمربستہ ہوا اس میں مشکوٰۃ کے مشکل مباحث اور غریب الفاظ کو حل کیا گیا ہے اور نکات و لطائف مستنبط کئے گئے ہیں اور نحوی مشکلات اور معانی و بیان کے مسائل سے بھی بقدر ضرورت تعرض کیا گیا ہے، ان مباحث کی تحقیق کے لئے جن ائمہ فن کی کتابوں کا تتبع کیا گیا ہے ان کے حوالے بھی دے دیئے گئے ہیں، حوالے کے لئے مخصوص علامتیں اور نشان

[1] دیباچہ مشکوٰۃ [2] ایضاً

Marfat.com

مقرر کئے گئے ہیں، جہاں حوالے نہیں دیئے گئے ہیں، وہ میرے اپنے نتائج فکر ہیں، جو لوگ اس کو انصاف کی نظر سے دیکھیں گے وہ اس کو نہایت مختصر، جامع اور محققانہ کتاب پائیں گے[1]

شروع میں حدیث کے اصول و اصطلاحات اور اس کے اقسام و انواع، نیز جرح و تعدیل پر مفید بحث کی گئی ہے، یہ مشکوٰۃ کی اہم اور مفید شرح ہے، جو شرح طیبی کے نام سے مشہور ہے غالباً ابھی تک چھپی نہیں۔

۳۔ **حاشیہ سید شریف**۔ علامہ سید شریف علی بن محمد بن علی جرجانی (م ۸۱۶ھ) نے مشکوٰۃ پر ایک مفید حاشیہ قلم بند کیا تھا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ میں موجود ہے[2]

۴۔ **ھدایۃ الرواۃ الی تخریج المصابیح والمشکوٰۃ**۔ یہ حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) کی تصنیف ہے۔ اس میں مصابیح و مشکوٰۃ دونوں کی حدیثوں کی تخریج کی گئی ہے[3] اور یہ دراصل مناوی کی لباب الصدر کا خلاصہ ہے[4]

۵۔ **منہاج المشکوٰۃ**۔ عبدالعزیز بن محمد بن عبدالعزیز ابہری (م ۹۹۵ھ) نے امیر علی شیر کے لئے یہ شرح لکھی تھی[5]

۶۔ **فتح الالہ فی شرح المشکوٰۃ**۔ یہ علامہ شہاب الدین، احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی شافعی (م ۹۷۴ھ) کی شرح ہے[6]

۷۔ **مرقاۃ المفاتیح**۔ یہ احادیث کے مشہور خادم اور نامور حنفی عالم شیخ نورالدین علی بن سلطان بن محمد ہروی المعروف ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) کی ممزوج شرح ہے۔ جو چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں پہلے کی تمام شرحوں اور حواشی کے مباحث کے علاوہ دوسرے مفید اور ضروری معلومات تحریر کئے گئے ہیں، اس حیثیت سے اس کو بہت جامع اور اہم خیال کیا جاتا ہے[7] ملا صاحب اس کے متعلق خود تحریر فرماتے ہیں:۔

---

[1] کشف الظنون ج ۲ [2] فہرست ج ۱ [3] کشف الظنون ج ۲ [4] ایضاً [5] کشف الظنون ج ۲ [6] ایضاً [7] ایضاً

Marfat.com

چونکہ مشکوٰۃ المصابیح احادیث نبوی کی ایک جامع کتاب ہے۔ اس لئے مجھ کو اس کے
مطالعہ کا شوق ہوا اور میں نے حرم کے شیوخ سے اس کو پڑھا مگر ان لوگوں کے پاس کوئی
صحیح اور مستند نسخہ نہ تھا، اور شارحین نے محض بعض لفظوں کو ضبط کیا تھا۔ اس لئے میں نے
مختلف نسخوں سے مقابلہ و تصحیح کر کے ایک صحیح نسخہ تیار کیا، اور پھر ایک لطیف شرح لکھی
اس میں الفاظ کو بھی ضبط کیا گیا ہے، اور روایتوں کی فنی بحث و تحقیق کر کے ان کے
معانی و مطالب کی تشریح بھی کی گئی ہے۔ [1]

۸۔ انوار المشکوٰۃ: یہ ملا علی قاری کے بعد کے کسی فاضل کی تصنیف ہے۔ اس میں مشکوٰۃ
کی تین فصلوں پر ایک اور فصل کا اضافہ کر کے چار فصلیں قائم کی گئی ہیں۔ چوتھی فصل میں ان
حضرات ائمہ کبیر یعنی ابن اثیر، صغانی، قضاعی، اقلیشی، نووی، اور ہدیٰ کی کتابوں سے ایسی
روایتیں درج کی گئی ہیں، جو مجتہدین فی المذہب کی مستدل بہا ہیں، اور اس طرح یہ مشکوٰۃ اور
مرقاۃ دونوں ہی کی شرح ہے۔ [2]

۹۔ **لمعات التنقیح**: ہندوستان کے نامور محدث حضرت شاہ عبدالحق دہلوی (م ۱۰۵۲ھ)
نے مشکوٰۃ پر بڑا کام کیا ہے۔ یہ ان کی عظیم الشان تصنیف اور مشکوٰۃ کی اہم شرح ہے۔ ان
کا بیان ہے کہ:

حرمین سے واپسی اور وہاں کے شیوخ سے روایت حدیث کی اجازت لینے کے
بعد حدیث نبوی کی خدمت کی سعادت بندہ کو میسر آئی، تو خواہش ہوئی کہ مشکوٰۃ المصابیح
جو کہ غیر معمولی شہرت ہے، شرح لکھی جائے اور اس میں علماء نے اپنی کتابوں میں
فوائد لکھے ہیں یا جو شیوخ وقت سے ہم نے سنے ہیں، یا جو ہمارے دل میں ہیں، ان کو
طلبہ کے سامنے بیان کر دیا جائے۔ بعض مخلص دوستوں کی رائے ہوئی کہ فارسی
شرح لکھنا زیادہ بہتر اور مفید ہوگا، لیکن آغاز کرنے اور اس کے لئے معلومات جمع کر

---

[1] فہرست کتب خانہ خدیویہ مصر ج ۱ [2] کشف الظنون ج ۲

Marfat.com

کے بعد محسوس ہوا کہ اس کو فارسی میں تحریر کرنا مناسب نہیں، تاہم دوستوں کی بات بھی ٹالی نہیں جا سکتی تھی، اس لئے عربی و فارسی دونوں میں ساتھ ساتھ شرح لکھنا شروع کیا۔ عربی کی شرح پہلے مکمل ہو گئی۔

لمعات التنقیح دو جلدوں میں عربی شرح ہے، جو بڑی فکر و کاوش اور تحقیق و تدقیق سے لکھی گئی ہے، اور گوناگوں علمی مباحث، حدیثی تحقیقات اور مفید معلومات کا مجموعہ ہے، یہ متوسط اور عمدہ شرح ہے، اس میں زیادہ تفصیل سے کام لیا گیا ہے، اور [illegible] و نحوی مشکلات اور فقہی مسائل کو بڑی خوبی سے حل کیا گیا ہے، اور احادیث کی فقہ حنفی سے مطابقت دکھانے کی پوری کوشش کی گئی ہے، ۱۰۲۵ھ میں اس کی تالیف مکمل ہوئی تھی [illegible] ایک مفید و جامع مقدمہ میں شاہ صاحب نے اصول حدیث کے مباحث تحریر کئے ہیں [illegible] کے متن کے ساتھ اور علیحدہ [illegible] مقبول ہوئی [illegible] قلمی نسخے ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔

۱۰۔ اشعۃ اللمعات [illegible] فارسی شرح دو [illegible] جلدوں میں ہے، اس کو بڑی شہرت [illegible] ہوئی اور [illegible] سے زیادہ [illegible] ہے، تاہم یہ بھی نہایت جامع اور [illegible] ترتیب سے فارغ ہوئے تھے، پہلی جلد میں ایک مقدمہ بھی ہے [illegible] اس کے مصطلحات کے علاوہ متعدد اکابر محدثین کا مختصر تذکرہ ہے [illegible] سے مطبوعہ [illegible] چھپا تھا، شرح میں لغات و مطالب کو عمدگی سے حل کیا گیا ہے [illegible] معلومات پر مشتمل ہے، فقہ حنفی کے مسائل کی وضاحت [illegible]

۱۱۔ جامع البرکات منتخب شرح المشکوٰۃ، شاہ صاحب نے [illegible] اپنی شرح مشکوٰۃ کا خلاصہ تحریر کیا ہے[3]

---

[1] اتحاف النبلاء [2] ایضاً [3] حیات شیخ عبدالحق دہلوی

۱۲۔ **اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی کتاب المشکوۃ** یہ اسماء الرجال پر حضرت شیخ کی مشہور تصنیف ہے، اس میں مشکوۃ کے تمام رواۃ کی فہرست اور خلفائے راشدین اور اہل بیت کے حالات و مناقب بیان کئے گئے ہیں، اس کا قلمی نسخہ بانکی پور پٹنہ کی لائبریری میں موجود ہے، مگر ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے[1]

۱۳۔ **مظاہر حق**۔ یہ اردو میں مشکوۃ کا ترجمہ اور اس کی مختصر شرح ہے، ترجمہ کی ابتداء شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی نے کی تھی، مگر پھر ان کی ایماء اور مشورے سے مولانا قطب الدین خاں دہلوی (م ۱۲۸۹ھ) نے اس کو شرح کی شکل دی، اردو میں ہونے کی وجہ سے ایک زمانہ میں اس سے عوام کو بڑا فیض پہنچا، مظاہر حق کی زبان و طرز بیان کی قدامت کی بنا پر دارالعلوم دیوبند کے بعض فضلاء نے اس کو موجودہ دور کی سہل اور سلیس زبان میں معارف مشکوۃ کے نام سے شائع کیا ہے۔ پہلی جلد جو ۱۹۷۰ء میں چھپی ہے، آغاز میں اصول حدیث کے مسائل و مباحث پر ایک مقدمہ بھی ہے۔

۱۴۔ **تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوۃ**۔ یہ مشکوۃ پر مختصر مفید حاشیہ ہے، شارح مولانا ابوالوزیر سید احمد حسن دہلوی (م ۱۳۳۸ھ) علامہ میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد تھے، اس کا صرف ابتدائی نصف حصہ ۱۳۵۳ھ میں دہلی کے مطبع انصاری سے شائع ہوا ہے۔

۱۵۔ **التعلیق الصبیح علی مشکوۃ المصابیح**۔ یہ شرح مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے تحریر کی ہے، اس کی چار ناکمل جلدیں دمشق سے ۱۳۵۴ھ میں شائع ہوئی ہیں۔

۱۶۔ **مشکوۃ مع حاشیہ و تحقیق**۔ ۱۳۸۰ھ میں ابوبکر شادی نے مشکوۃ کا متن کئی نسخوں سے مقابلہ و تصحیح کرکے ناصر الدین البانی کے تحشیہ و تعلیقات کے ساتھ دمشق سے شائع کیا ہے، اس میں حدیثوں پر ہندسہ کے دو طرح کے نمبر دیئے گئے ہیں، ایک تو کتاب کی مسلسل حدیثوں کے لحاظ سے ہے، اور دوسرے سے ابواب کی حدیثوں کی تعداد ظاہر ہوتی ہے، حواشی میں احا

---

[1] حیات شیخ عبدالحق دہلوی

کے علاوہ صاحب مشکوٰۃ کی مسامحتوں کی ترتیب اور مشکل الفاظ اور وضاحت طلب امور کی تشریح کے علاوہ صاحب مشکوٰۃ کی مسامحتوں کا بھی ذکر ہے، جیسے غلط حوالوں کی تصحیح کی گئی ہے، اور جہاں سرے سے حوالے نہیں دیئے گئے ہیں وہاں حوالوں کی تخریج کی گئی ہے اور جہاں ایک ہی حوالہ تحریر کیا گیا ہے۔ وہاں مزید دوسرے حوالے بھی تحریر کئے گئے ہیں، بعض جگہ مشکوٰۃ میں دو حوالے دے کر الفاظ کو ان میں سے کسی ایک کا بتایا گیا ہے، لیکن محشی نے اس کے بجائے دوسری کتاب کے الفاظ بتائے ہیں بعض حدیثوں کو مشکوٰۃ میں مرفوع، متصل اور مسند بتایا گیا ہے، لیکن حاشیہ میں ان کے موقوف منقطع اور مرسل ہونے کا ذکر ہے، اسی طرح اس میں جن کو موقوف وغیرہ کہا گیا ہے۔ اس میں ان کے برعکس ہونے کی تصریح کی گئی ہے، اسی طرح مشکوٰۃ میں اگر امام ترمذیؒ کی روایتیں نقل کر کے ان کی تصحیح و تحسین یا تضعیف وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے تو اس میں اس کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے جن حدیثوں کو مصنف نے نامکمل نقل کیا ہے، محشی نے اس کو مکمل نقل کر دیا ہے اور جن حدیثوں کے بعض الفاظ اور جملے نقل ہونے سے رہ گئے ہیں یا ان میں کسی طرح کا تغیر ہو گیا ہے تو حاشیہ میں ان کو اصل کے مطابق ٹھیک ٹھیک نقل کیا گیا ہے، اسی طرح جن حدیثوں کی سندیں ضعیف نقل ہوئی ہیں ان کے یا تو صحیح طرق بیان کئے گئے ہیں یا ان کی تقویت کے لئے شواہد و متابعات بھی ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

یہ خوب صورت اور دیدہ زیب ایڈیشن تین جلدوں پر مشتمل ہے اور اس میں کئی فہرستیں بھی دی گئی ہیں شروع میں امام بغوی اور امام تبریزی کے حالات قلم بند کئے گئے ہیں، اور مصابیح و مشکوٰۃ پر مختصر تبصرہ کیا گیا ہے۔

۱۷۔ **نجاجة المصابیح** ۔ یہ مولانا سید ابوالحسنات عبداللہ شاہ حیدرآبادی کی تصنیف ہے اس کو مشکوٰۃ ہی کی طرز پر فقہی ابواب کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے، اور عموماً کتب و ابواب بھی اسی سے لئے گئے ہیں، البتہ مشکوٰۃ میں جہاں عنوانات میں شافعی مسلک کی رعایت کی گئی ہے، اس میں وہاں فقہ حنفی کی رعایت مدنظر رکھی گئی ہے اور ساتھ ہی حواشی میں حدیثوں کی مختصر تشریح بھی کی گئی ہے اصل کتاب عربی میں لکھی گئی ہے، بعد میں اس کا اردو ترجمہ بھی شائع کیا گیا ہے۔

Marfat.com

۱۸۔ مرعاۃ المفاتیح ۔ جمعیۃ اہل حدیث ہند کے ممتاز عالم ومحدث مولانا ابوالحسن عبید اللہ رحمانی مبارکپوری بھی مشکوٰۃ کی ایک مبسوط شرح لکھ رہے ہیں، اس کی تین جلدیں اب تک شائع ہوئی ہیں، اس میں پہلے کی اکثر شرحوں کا خلاصہ آگیا ہے، لائق شارح نے حدیثوں کی مفصل تشریح کرکے ان کے معانی ومطالب کی پوری وضاحت کی ہے، اس میں حدیث کے منکرین اور محدثین پر طعن وتشنیع کرنے والوں اور حدیثوں سے غلط نتائج مستنبط کرنے والوں کا جواب بھی دیا گیا ہے، اور ان کے نقص وتضاد کو بھی رفع کیا گیا ہے، فقہی اختلافات نقل کرنے اور ائمہ فقہ واجتہاد کے مذاہب ودلائل بیان کرکے مرجح وقوی مسلک کی تعیین کی گئی ہے، شارح نے عموماً محدثین کے مذہب کی تصویب کی ہے اور مرجوح اقوال پر بعض جگہ رد وکد بھی کی ہے، حدیثوں کی مشکلات لغوی ونحوی مسائل کو حل کرنے پر خاص دھیان دیا گیا ہے اور ان پر نقد وبحث کرکے ان کا درجہ ومرتبہ اور قوت وضعف کی وضاحت بھی کی گئی ہے، رواۃ کے مختصر ترجمے اور بلاد واماکن کے متعلق ضروری معلومات تحریر کئے گئے ہیں، مشکوٰۃ کی پہلی اور تیسری فصل میں صحیحین کی حدیثیں نقل کی گئی ہیں، اگر ان کی تخریج دوسرے محدثین نے بھی کی ہے تو اس کا ذکر کردیا گیا ہے، اسی طرح دوسری فصل کی حدیثوں کے لئے جو حوالے دیئے گئے ہیں، اگر ان کی تخریج ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی کی ہے، تو اس کی تصریح کردی گئی ہے، جہاں مصنف نے حوالے تحریر نہیں کئے ہیں، وہاں حوالوں کی تخریج کی گئی ہے، اگر مصنف سے الفاظ حدیث کے نقل کرنے میں کوئی مسامحت ہوئی ہے تو اس کی تصحیح کردی گئی ہے، یا اگر انہوں نے صحیحین کی جو حدیثیں پہلی فصل کے بجائے دوسری فصل میں اور دوسرے محدثین کی حدیثیں دوسری کے بجائے پہلی فصل میں بیان کی ہیں تو ان پر تنبیہ کی گئی ہے اور جن حدیثوں کو مصنف نے مختصر نقل کیا ہے، ان کو اس میں پوری نقل کردیا گیا ہے، مسلسل حدیثوں پر نمبر دیئے گئے ہیں اور ابواب کی حدیثوں پر علیحدہ بھی نمبر دیا گیا ہے، شروع میں کئی مفصل فہرستیں اور ایک مقدمہ ہے اس میں اصول حدیث پر عالمانہ گفتگو کی گئی ہے۔

امام جمال الدین زیلعیؒ

(متوفی ۷۶۲ھ)

نام ونسب | نام عبد اللہ کنیت ابو محمد اور لقب جمال الدین تھا، سلسلہ نسب یوں ہے: عبد اللہ ابن یوسف بن محمد بن ایوب بن موسیٰ[1]

نام میں اختلاف ہے، بعض نے والد کا نام عبد اللہ اور ان کا نام یوسف لکھا ہے[2]

ولادت ووطن | زیلعی کے سنہ ولادت کا علم نہیں ہو سکا مگر ان کا وطن زیلع نام کا ایک گاؤں ہے، جو بحر حبشہ کے ساحل پر ایک بندرگاہ ہے۔ اس کو دوسرے اکابر علم وفن کے وطن ہونے کا فخر بھی ہے[3] امام فخر الدین زیلعی شارح کنز کا وطن بھی یہی سرزمین ہے، امام جمال الدین بھی اسی کی نسبت سے زیلعی کہلاتے ہیں۔

اساتذہ وشیوخ | بعض اساتذہ کے نام یہ ہیں:

ابن عقیل، شہاب احمد بن محمد بن فتوح تجیبی، شہاب احمد بن محمد بن قیس انصاری اسکندری ابن تاج الدین، محمد بن عثمان، تقی الدین بن عبد الرزاق لخمی، جمال الدین عبد اللہ بن احمد وری، ابو عمر فخر الدین عثمان بن علی شارح کنز، قاضی علاؤ الدین بن ترکمانی، جلال الدین ابو الفتوح حلبی بن عبد الوہاب جریری، شیخ محمد بن احمد بن عثمان[4]

حفظ وضبط | علمائے فن نے زیلعی کے حفظ وضبط اور ثقاہت و اتقان کا اعتراف کیا

---

[1] لحظ الالحاظ ذیل طبقات الحفاظ [2] الرسالۃ المستطرفہ [3] معجم البلدان، الفوائد البہیہ [4] لحظ الالحاظ

ہے، علامہ سیوطی نے ان کا مصر کے حفاظ حدیث اور نقادان فن میں تذکرہ کیا ہے، ارباب سیرو تذکرہ نے ان کو حافظ، متقن اور احد حفاظ الحدیث وغیرہ لکھا ہے[1]

حدیث میں درجہ وہ حدیث میں بہت باکمال تھے، اس فن کی طلب و تحصیل اور کتب حدیث کی جمع و تالیف اور ہدایہ و کشاف کی حدیثوں کی تخریج سے ان کے علمی تبحر، وسعت نظر، حدیث میں کثرت اشتغال اور اس کے مباحث و مطالب پر دسترس اور متون وغیرہ سے مکمل واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

وہ حدیثوں کے متون و مطالب کی طرح ان کے طرق و اسناد پر بھی اچھی نظر رکھتے تھے اور فن جرح و تعدیل اور اسماء الرجال کے ماہر تھے، اس پر ان کی تخریج شاہد ہے، مولانا عبدالحئی لکھنوی فرماتے ہیں، زیلعی کی تخریج سے فن حدیث اور اس کی جزئیات و فروع میں ان کی وسعت علم و نظر اور اسماء الرجال میں تبحر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے[2]

فقہ فقہ میں بھی نہایت بلند پایہ تھے، اہل تذکرہ نے ان کی فقہی بصیرت اور تفقہ کا اعتراف کیا ہے، ان کی تخریج سے بھی ان کے فقہی کمال اور علمی جلالت کا اندازہ ہوتا ہے، مولانا انور کشمیری سے منقول ہے، کہ ابن ہمام نے ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں حنفی مذہب کے جو دلائل تحریر کئے ہیں وہ زیادہ تر زیلعی کی تخریج سے ماخوذ ہیں[3]

حدیث و فقہ دونوں میں امتیاز کی بناء پر اصحاب طبقات و تراجم نے ان کو امام لکھا ہے سیوطی نے ان کو "الامام الفاضل المحدث" اور ابن فہد نے "الفقیہ الامام" کہا ہے، حافظ ابن حجر فقہی مسلک میں اختلاف کے باوجود ان کو امام کے لقب سے موسوم کرتے ہیں[4]

علم و فن سے اشتغال زیلعی اصلاً حدیث و فقہ میں زیادہ ممتاز تھے، مگر دوسرے علوم سے بھی ان کی دلچسپی کم نہ تھی، ان کے علمی اشتغال و انہماک کا تمام ارباب سیر نے ذکر کیا ہے[5]

---

[1] حسن المحاضرہ ج ۱ و مقدمہ تحفۃ الاحوذی [2] الفوائد البہیہ [3] مقدمہ نصب الرایہ [4] ملاحظہ ہو ذیول تذکرۃ الحفاظ و تلخیص نصب الرایہ [5] ذیل تذکرۃ الحفاظ ص ۱۲۸ و الدرر الکامنہ ج ۲ و بدر الطالع ج ۱

فقہی مذہب | وہ مسلکاً حنفی تھے، اور ان کا شمار اجلۂ احناف میں ہوتا ہے، اسی بنا پر وہ حنفی کی نسبت سے بھی مشہور ہیں، لیکن جیسا کہ آگے معلوم ہوگا ان کو اس مذہب میں غلو نہ تھا۔

سیرت و اخلاق | بڑے ستودہ سیرت اور پاک خو تھے، طبیعت میں نرمی، مروت اور شرافت تھی، اس لیے دوسرے مسلک کے لوگوں کے لئے بھی ان کے قلب میں نہ صرف گنجائش تھی بلکہ وہ ان سے میل جول بھی رکھتے تھے، تواضع اور خاکساری کا یہ حال تھا کہ اپنے سے کمتر درجہ کے لوگوں کے ساتھ مل کر حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کرنے میں ان کو کوئی تکلف نہ ہوتا تھا۔ سیرت و اخلاق کی بلندی کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حنفی مذہب سے وابستہ ہونے کے باوجود ان کی طبیعت میں انصاف پسندی تھی، حدیثوں کی شرح و توجیہ اور ان کے مباحث و مسائل کی تحقیق میں فقہی و جماعتی عصبیت کو راہ نہ دیتے تھے، حافظ ابن حجر کو بھی اعتراف ہے کہ "امام زیلعی نہایت حق گو و انصاف پسند تھے، ہر باب میں اپنے مذہب کے مخالفین کے دلائل بھی نہایت فراخ دلی سے بیان کرتے ہیں اور ان کو جو کچھ معلوم ہوتا تھا، اس کو بلا رد و کد نقل کرتے تھے"[1]

مقبولیت | اپنی اسی شرافت، حسن اخلاق، میانہ روی اور عدل پسندی کی وجہ سے ہر طبقہ و مسلک کے لوگوں میں بہت مقبول اور ہر دلعزیز تھے۔

عبادت و ریاضت | علمی کمالات کی طرح عبادت و ریاضت اور تقویٰ و تدین میں بھی ممتاز تھے، کہا جاتا ہے کہ وہ مشائخ صوفیہ میں تھے، اور عبادت و ریاضت اور مجاہدات سے بڑا شغف رکھتے تھے، ان کا دل رذائل سے پاک صاف تھا۔

وفات | مؤرخین کا اتفاق ہے کہ محرم ۷۶۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا، بعض نے تاریخ وفات ۱۱ محرم لکھی ہے، قاہرہ میں انتقال ہوا، اور وہیں تجہیز و تکفین بھی ہوئی[2]

تصنیفات | اوپر گذر چکا ہے کہ زیلعی کو علم و فن سے بڑا اشتغال تھا، اور ان کا زیادہ وقت

---

[1] الدرر الکامنہ ج ۲ [2] ایضاً

Marfat.com

کتابوں کے مطالعہ اور حدیثوں کی جمع و تخریج میں گذرتا تھا، اس لئے ان سے متعدد کتابیں یادگار رہی ہوں گی مگر افسوس کہ ان کے حالات زندگی بہت کم معلوم ہوسکے اور ان کی چند ہی کتابوں کا پتہ چل سکا، جو یہ ہیں۔

۱۔ **مختصر معانی الآثار**۔ یہ امام طحاوی کی مشہور اور بے نظیر کتاب معانی الآثار کا مختصر ہے، کوثری صاحب کا بیان ہے کہ ازہر کے کتب خانہ رواق اتراک اور استانہ کے کتب خانہ کوبریلی میں اس کے نادر قلمی نسخے موجود ہیں۔

۲۔ **تخریج احادیث الکشاف**۔ اس میں علامہ زمخشری کی مشہور تفسیر کشاف کی حدیثوں اور آثار کی تخریج کی گئی ہے، مگر حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ "جن مرفوع حدیثوں کو زمخشری نے اشارۃً ذکر کیا تھا، ان کی تخریج نہیں کی گئی ہے، اور موقوف آثار و روایات سے بھی تعرض نہیں کیا گیا ہے[1]" اس کمی کے باوجود اس کے استیعاب کا انہوں نے اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ مرفوع حدیثوں کی تخریج اور ان کے اسناد و طرق کی وضاحت میں خصوصیت سے بڑا اہتمام کیا گیا ہے اور نہایت دقت نظر سے کام لیا گیا ہے، انہوں نے "الکافی الشاف فی تحریر احادیث الکشاف" کے نام سے ایک جلد میں اس کا خلاصہ لکھا تھا، اور ایک جلد میں اس پر استدراک بھی لکھا تھا اور ان موقوف آثار کی جن سے زیلعی نے کوئی تعرض نہیں کیا تھا، تخریج کی گئی ہے، یہ پتہ نہیں کہ اصل و تلخیص چھپیں یا نہیں؟ لیکن کتب خانہ خدیویہ مصر میں ان کے قلمی نسخے موجود ہیں۔

۳۔ **نصب الرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ**۔ یہ زیلعی کی بڑی مفید اور سب میں اہم اور مشہور کتاب ہے، اگر انہوں نے کوئی اور کتاب نہ لکھی ہوتی تو تنہا یہی کتاب ان کے فضل و کمال اور شہرت و مقبولیت کے لئے کافی تھی، اس میں انہوں نے فقہ حنفی کی مشہور و معرکۃ الآراء کتاب الھدایہ کی حدیثوں کی تخریج کی ہے، اس کی بعض نمایاں اور اہم خصوصیات یہ ہیں

(۱) یہ ہدایہ کی سب سے اہم اور پہلی تخریج ہے، اس کی اس سے عمدہ اور بہتر کوئی تخریج

---

[1] فہرست کتب خانہ خدیویہ مصر ج ۱

نہیں لکھی گئی، پس اس کو ہدایہ کی تمام تخریجات میں مزیت اور اولیت کا شرف حاصل ہے، بعض لوگوں نے علاؤالدین ترکمانی کی بھی جو زیلعی سے پہلے گذرے ہیں، ایک تخریج ہدایہ کا ذکر کیا ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے، انہوں نے ہدایہ کی تخریج کے بجائے اس کی شرح اور خلاصہ لکھا تھا، البتہ ان کے ہمعصر حافظ عبدالقادر قرشی صاحب جواہر مضیہ کی تخریج کا ضرور ثبوت ملتا ہے، مگر یہ نہ تو متداول ہے، اور نہ اس کا کوئی مکمل نسخہ ہی موجود ہے، علاوہ ازیں قرشی کا طبقہ زیلعی سے متاخر ہے، اس لئے ان کی تخریج بھی زیلعی کے بعد لکھی گئی ہوگی، اس طرح حافظ ابن حجر کا زمانہ بھی زیلعی کے بعد کا ہے، اور ان کی کتاب درایہ دراصل نصب الرایہ کا ملخص ہے،

(۲) یہ تخریج لکھ کر مصنف نے جس طرح حنفی مذہب کی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے، اسی طرح دوسرے فقہی مذاہب کی بھی غیر معمولی خدمت انجام دی ہے، کیونکہ انہوں نے صرف حنفی مسلک اور اس کے دلائل بیان کرنے ہی پر اس میں اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ دوسرے آئمہ کے مذاہب اور ان کے دلائل، تخریجات و تفریعات بھی تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان کئے ہیں، اس اعتبار سے یہ محض حنفی مذہب و مسلک ہی کا عمدہ اور بیش قیمت ذخیرہ نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت دائرۃ المعارف اور انسائیکلو پیڈیا کی ہے، جس میں تمام ائمہ مجتہدین و فقہائے امصار کے مسالک و دلائل کی مکمل تفصیل موجود ہے۔

مصنف نے جہاں اس میں حنفی ائمہ کی امہات کتب سے معلومات و مسائل نقل کئے ہیں وہیں شوافع میں بیہقی، نووی اور ابن دقیق العید، مالکیہ میں ابن عبدالبر اور حنابلہ میں ابن جوزی اور ابن عبدالہادی وغیرہ اساطین مذہب کی کتابوں کے مباحث و مندرجات کا بھی منتخب حصہ شامل کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ علمائے احناف کی طرح دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اس سے نقل و استفادہ کرتے رہے ہیں، شوافع میں علامہ زرکشی اور حافظ ابن حجر کے اس سے اخذ و استفادہ کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

(۳) اس میں فقہ و حدیث اور رجال کی اکثر کتابوں کے مباحث و مطالب درج ہیں، اس لئے

Marfat.com

اس کو دیکھنے کے بعد ان کتابوں کی احتیاج باقی نہیں رہتی، متعدد ایسی کتابوں کے مندرجات بھی اس میں جمع کیے گئے ہیں، جو اب دستبرد زمانہ سے معدوم ہوگئی ہیں، یا اگر ہیں تو اتنی کم یاب اور نادر الوجود ہیں کہ ان کا حصول و دسترس ہر شخص کے لئے ممکن نہیں، جیسے صحیح ابوعوانہ صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن السکن اور معاجم، مسانید اور سنن کے دوسرے متعدد مجموعے، ابن عبدالبر کی کتاب الاستذکار و التمہید یا بیہقی، خطیب، ابن عدی ابوحاتم اور ابن جوزی وغیرہ کی علل و رجال کی ناپید کتابیں۔

(۴) احکامی احادیث و روایات کے استقصا کے لحاظ سے یہ بے نظیر کتاب ہے، علاوہ ازیں حدیثوں سے مستنبط مسائل اور فقہی فوائد و مطالب پر مصنف نے بڑی عالمانہ گفتگو کی ہے، اور بحث و تحقیق اور تلاش و جستجو کا حق ادا کر دیا ہے۔

(۵) اس کی ایک اہم خصوصیت مصنف کی انصاف پسندی اور غیر جانب داری ہے، ان کا اصل مقصد ہدایہ کی حدیثوں کی تخریج اور حنفیہ کے نقطۂ نظر کے دلائل و شواہد پیش کرنا ہے، مگر جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، انہوں نے دوسرے فقہی مذاہب اور ائمہ مجتہدین کے اقوال و دلائل بھی نہایت دیانت داری کے ساتھ بیان کئے ہیں، نہ کسی طرح کی عصبیت اور جانب داری سے کام لیا ہے، اور نہ اپنے مذہب و مسلک کی بے جا حمایت اور تائید کی ہے۔

(۶) صرف فقہی حیثیت ہی سے اس کی اہمیت نہیں ہے بلکہ یہ حدیث نبوی کی بھی نہایت مفید اور عظیم الشان خدمت ہے، کیونکہ یہ حدیث کے مباحث و مطالب، متون و اسناد اور اصول حدیث کے بعض مسائل پر نادر تحقیقات اور پُرمغز معلومات کا بھی ایک خزانہ ہے، چنانچہ حدیثوں کی صحت و عدم صحت اور اسناد و رجال کی قوت و ضعف کا اس سے مکمل اندازہ ہو جاتا ہے کیونکہ مصنف نے یہ تصریح کر دی ہے کہ اس سند میں فلاں راوی مجروح یا متکلم فیہ ہے اسی طرح اگر کسی حدیث کے ہم معنی دوسری حدیثیں بھی ہوتی ہیں تو وہ ان کو بھی مع سند و متن ذکر کر دیتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جرح و تعدیل کے موضوع پر ائمہ فن، جہابذہ محدثین اور علم رجال

فن کے ماہرین کے اقوال کا ایسا عظیم الشان ذخیرہ ہے، جو اصول حدیث اور اسماء الرجال کی موجودہ مروج و متداول کتابوں میں بھی موجود نہیں ہے، اگر ان سب بحثوں کو یکجا کر لیا جائے تو یہ فن جرح و تعدیل کا ایک صحیفہ مجموعہ بن جائے گا۔

(۵) یہاں سے حدیثوں کے ماخذ و مراجع کا علم ہوتا ہے کہ [illegible] نے ہر ہر حدیث کے بارے میں یہ تحریر کر دیا ہے کہ اس کو کن محدثین نے اپنی کس کتاب میں نقل کیا ہے۔

ان خصوصیات سے نصب الرایہ کی عظمت و اہمیت کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے درحقیقت یہ فقہ و حدیث، اصول حدیث اور رجال کا ایسا مفید اور مستند ذخیرہ ہے کہ [illegible] سے کوئی محدث و فقیہ بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

حافظ ابن حجر نے الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ میں نصب الرایہ [illegible] ہندوستان میں دو بار چھپا ہے اور [illegible] "الہدایہ للزیلعی" کے نام سے ذیل تحریر کیا تھا۔

تخریج زیلعی کا پہلا ایڈیشن [illegible] (مطابق ۱۹۳۸ء) [illegible] مقدمہ اور مفید حواشی پر مشتمل ہے۔

تذکرۃ المحدثین

(جلد دوم)

اس میں چوتھی صدی ہجری کے نصف آخر سے آٹھویں صدی ہجری کے اکثر مشہور اور
صاحب تصنیف محدثین کرام کے حالات و سوانح اور ان کی خدمات کی تفصیل بیان کی گئی ہے

مرتبہ

ضیاء الدین اصلاحی

نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد

راولپنڈی ــ لاہور ــ ملتان ــ کراچی ــ سکھر ــ پشاور ــ کوئٹہ